U5245

1-12-09

Title → Khayalaat-E-Aziz.

Creator – Mirza Mohd. Hadi Aziz Lucknavi; Murattiba Munshi Daya Narain Nigam.

Publisher – Anjuman Taraqqi Urdu (Karachi).

Date – 1961

Pages – 240.

Subjects – Urdu Mazameen; Gali Kutb Khana; Sikka – Tareekh; Maskookaat – Tareekh; Akbar Azam.

خیالاتِ عزیز

یعنی

جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس مرحوم

معتمد عدالت و دیوانی سرکار آصفیہ نظام دکن و آنریری سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ

کے

علمی۔ ادبی۔ تاریخی۔ اور ملکی مضامین

معہ مقدمہ و دیباچہ

از جناب نواب وقار الملک صاحب بہادر سکریٹری محمدن اینگلو اورینٹل کالج علیگڑھ

مرتبہ

منشی دیا نرائن نگم۔ بی۔ اے۔ ایڈیٹر زمانہ

مطبوعہ زمانہ پریس کانپور

نوٹ

بیش بہا مضامین مجھے فاضل مصنّفہ کی اس محبّت قدردانی کی یادگا[ر]
ہے جسکی مثال کم دیکھنے مین آتی ہے۔ افسوس انکا نادر مجموعہ مصنّفہ
کی پاک اور مفید عام زندگی مین شائع نہو سکا۔ اب انکی وفات
کے بعد میرے لیئے یہ ایک سچّی اور لازوال محبّت کی نشانی ہو۔ مجھے
ہمیشہ جان سے زیادہ عزیز رہینگے۔ اسلیئے مین انکو **خیالات عزیز**
نام سے شائع کرتا ہون۔ اہل ملک ان کو شوق کے ہاتھون لین۔ نظر
سے دیکھین اور دل سے عزیز رکھین۔ اور مصنّفہ کو دعاے خیر
کرین۔ خیالات کی دنیا مین ہمیشہ حکومت رہیگی۔ الٰہی تو
عزیز کو زندگی جاوید عطا کر۔

نویسندہ را نیست فردا امید
نوشتہ بماند سیہ بر سفید

کانپور ۳۔ جولائی ۱۹۱۲ء — دیانرائن

فہرست مضامین

سرورق تصویر جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی۔ اے۔

دیباچہ

ملکی معاملات اور سرکاری عہدہ کی ذمہ داریان ایسی چیزین ہین جنکو اعلی لٹریچر اور ادبی کمالات کے ساتھ ایک ضد سی واقع ہوئی ہو - اور اسمین شک بھی نہین کہ شاعرانہ خیال آفرینی کے ساتھ علمی اور کاروباری دُنیا کو مساعدت نہین ہو سکتی بیشک دُنیا مین ایسے لوگ گذرے ہین جو معزز عہدہ داران سلطنت ہونیکے ساتھ اعلی پایہ کے ادیب لکچرار اور مصنف بھی تھے لیکن جب انکے حالات کا تتبع کیا جائیگا تو نظر آئیگا کہ یہ لوگ عموماً وہ ہوتے ہین جو معزز عہدہ ہائے سلطنت پر مقرر ہونے یا کاروباری دُنیا مین پڑنے سے پہلے بھی لٹریری کمالات حاصل کر لیتے ہین بلکہ اگر اُنکے واقعات زندگی پر زیادہ غور سے نظر ڈالی جائے تو یہ نظر آئیگا کہ اعلی خدمات کی ذمہ داریان ہاتھ مین لینے کے بعد ان کی ادبی و لٹریری ذوق کو کسی نہ کسی حد تک نقصان ضرور پہونچ جاتا ہو مگر دُنیا مین ایسی نظیرین بہت کم ملین گی، کہ کسی نے ملکی خدمات کی ذمہ داریان ہاتھ مین لینے اور اُنھین اعلی قابلیت سے بجا لانے کے ساتھ ہی ساتھ اپنے لٹریچر کو بھی ترقی دی ہو - اور دفتر کے ہجوم کار سے اتنی فرصت نکال لی ہو کہ اپنے ذوق کتاب بینی اور انشا پردازی کو قائم رکھے - لٹریچر مین ترقی کرتے کرتے کمال کا اعلی درجہ حاصل کر لے اور اُسکے ساتھ ایک اعلی درجہ کا عہدہ دار سلطنت ثابت ہو -

ایسی ایک زندہ نظیر ہمین مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے کی ذات مین نظر آتی ہے - جو اعلی مدبر سلطنت کی حیثیت سے شہرت و ناموری اور مقبولیت عامہ حاصل کرنیکے ساتھ ہی ساتھ جادو بیانی اور انشا پردازی کی حیثیت سے بھی مدارج کمال پر ترقی کرتے نظر آتے ہین - اسمین شک نہین کہ ایام طالبعلمی ہی سے اُنھین ادب اور لٹریچر کا ذوق تھا مگر اس ذوق نے اُسوقت تک اُنھین اس فن کی طرف پوری توجہ کرنیکا کبھی موقع نہین دیا کالج سے نکلتے ہی وہ ریاست حیدرآباد کی

سلطنت

ملکی ذمہ واریان اپنے سر لینے اور خدمات سلطنت بجا لانے مین مصروف ہو گئے اور ان خدمات کو ایسی محنت اور ایسی حسن خوبی سے بجا لائے کہ ریاست کی قدردانی نے اُنھین دوسرے اعلیٰ سے اعلیٰ کامونمین مصروف رکھا جنمین اُن کو کامل حاصل ہوئی مگر باوجود اِن ذمہ داریون کے ایک عالم کی فکرین اپنے سر لینے اور اُنمین شب و روز منہمک رہنے کے اُنھون نے اپنے لٹریری مشاغل کو بھی قائم رکھا اور بحیثیت ادیب و انشاپرداز کے بھی ایسے بلند رتبہ ہو پہنچگئے کہ آج انکا شمار ملک کے مشہور و معروف جادو نگارونمین ہی۔ اور اصل تو یہ ہی کہ اُن کو جو کامیابیان سلطنت دکن کے کامونمین ہوئین اُنمین اُنکی لٹریری قابلیت کا بہت دخل تھا اور یہ ہمیشہ ہوتا ہی انسان کے لئے عمدہ ادیب ہونا ایسا ایک جوہر ہی کہ خواہ کسی کام مین مصروف ہو وہ جوہر اُسکی ہمیشہ مدد دیتا ہی ایک عمدہ سے عمدہ سپہ سالار فوج اگر اپنی کامیابی کی رپورٹ اعلیٰ ترین لٹریچر مین پیش کرتا ہو وہی دنیا پر اپنی بہادری اور قابلیت کا سکہ بٹھلا دیتا ہی جو افسر سلطنت کے انتظامی محکمون کا کام کرتے ہین اُنکی کامیابی کا راز بہت کچھ اُن کے اعلیٰ ترین لٹریری قابلیتون مین مخفی ہوتا ہے۔

مولوی محمد عزیز مرزا صاحب سنہ ۱۸۶۵ء مین پیدا ہوئے اور جب سنہ ۱۸۷۵ء مین سر سید مرحوم نے علیگڈھ کالج قائم فرمایا ہی اور اُسمین پہلا گروہ طلبا داخل ہوا ہی تو اُسمین مولوی صاحب بھی تھے جنکی عمر اُسوقت دس برس کی تھی۔ اِس طالب علمی کی زندگی مین استقلال اور پورے شوق سے محنت کر کے سنہ ۱۸۸۷ء مین اُنھون نے بی اے کی ڈگری اس نمایان کامیابی کے ساتھ حاصل کی کہ وہی پہلے مسلمان تھے جنھون نے ایک ساتھ دو سبجکٹون انگلش لٹریچر اور تاریخ مین آنرز کا درجہ حاصل کیا۔ اور سر سید مرحوم کے لگائے ہوے علمی چمن کے پہلے موسم گل کا ایک خوبصورت و شاداب پھول ثابت ہوئے۔

بی اے۔ ڈگری حاصل کر کے وہ حیدرآباد دکن چلے گئے۔ اور وہان پہونچتے ہی ریاست کی ایک معزز خدمت پر مامور ہوے اور نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم و مغفور کے زمانۂ وزارت مین اُنھون نے سلطنت کے سیکرٹریٹ ڈپارٹمنٹ مین ایسی عمدگی اور قابلیت اور راز داری کے ساتھ اپنی خدمات کو انجام دیا کہ سوا بعض اعلیٰ اراکین سلطنت کے کسی کو معلوم بھی نہو سکا کہ اُن سے کس قسم کے اہم اور نازک خدمات متعلق ہین سنہ ۱۸۹۱ء مین اپنی قابلیت و کارگزاری کے صلہ مین اسسٹنٹ ہوم سکرٹری کے عہدہ پر مامور ہوئے۔ اِس خدمت کا چارج لیئے ابھی تھوڑا ہی زمانہ ہوا تھا کہ کورٹ آف وارڈز کا کام بھی آپ کے سپرد ہوا اور سرکار نے اُسکے معاوضہ مین تین سو روپیہ

ماہانہ آلاؤنس دینا چاہا۔ مگر آپنے یہ کہکر کہ "یتیمون کے مال سے مین اپنا پیٹ بھرنا نہین چاہتا"
اُسکے لینے سے قطعاً انکار کر دیا۔ لیکن احتیاط و بے نفسی کا صلہ چند ہی روز بعد یون ملا کہ ریاست
نے قدردانی کی اور سنہ ۱۸۹۵ء مین فرسٹ اسسٹنٹ ہوم سکرٹری کی عہدہ پر ممتاز ہوئے۔
اس خدمت کو بجا لاتے ایک ہی سال ہوا تھا کہ سنہ ۱۸۹۶ء مین خود ہوم سکرٹری کی معزز کرسی پر
جلوہ افروز ہوگئے۔ اور انتظامات ریاست کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کے ہاتھ مین تھا۔ اُن
دنون نواب سر وقار الامرا بہادر مدار المہام ریاست تھے اور اُن کو مولوی محمد عزیز مرزا صاحب
پر اسقدر اطمینان تھا کہ ریاست کے بہت کم کام تھے جو بغیر انکے مشورہ کے عمل مین آتے ہون
اس زمانے مین تقریباً ہر ایک صیغہ مین اُنھون نے اصلاحین کین مگر غالباً یہان اُنکا ذکر
بے موقع ہوگا۔ مصنفین کی مدد بھی اُنھون نے ہمیشہ اپنے اوپر لازم سمجھی اور اُن کو اپنی
تصانیف کے شائع کرنے مین بیش قرار امداد دلائی ہے۔
مشہور عام کتاب یوزالف و بلوہر کا ترجمہ اُنھین کی سرپرستی سے ہوا اور جرجی زیدان کی
کتاب صناجۃ الطرب کا ترجمہ بھی جو عرب کے حالات اور رسم و رواج کے بیان مین بینظیر
کتاب ہی اُنھین نے کرایا۔ چونکہ اُصول قانون پر کوئی عمدہ کتاب موجود نہین تھی اس لئے
ٹین گن کی کتاب جورسپرڈنس کا اُردو ترجمہ کرایا اور اُس کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابون
کی تالیف و اشاعت کے باعث ہوئے۔
نواب سر وقار الامرا بہادر کی علیحدگی کے بعد جب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے مدار المہامی
کی باگ اپنے ہاتھ مین لی اور اپنے لئے نیا اسٹاف منتخب فرمایا تو مولوی محمد عزیز مرزا صاحب
سنہ ۱۹۰۲ء مین ضلع بیڑ کی تعلقداری (ڈپٹی کمشنری) پر بھیجدیے گئے۔ مولوی صاحب موصوف
اس سے پہلے کبھی محکمہ مال کے عہدون پر نہین مامور ہوئے تھے۔ اور یہ صیغہ ان کے لئے
بالکل نیا تھا۔ مگر فوراً جاکر چارج لے لیا اور ایسی مصروفیت اور محنت سے کام شروع کیا کہ
چند ہی مہینون مین ایک اعلیٰ درجہ کے حاکم ضلع تسلیم کر لیئے گئے۔ باوجود اس خدمت پر نئے
ہونے کے مولوی صاحب نے جیسی مستعدی سے کام کیا اسکا ثبوت اس سے ملتا ہی کہ جب
اس خدمت کا جائزہ لیا ہی یہان ۰۰۰ مثلین ملتوی پڑی ہوئی تھین جنکا چند ہی روز مین
اُنھون نے تصفیہ کر دیا۔ بیڑ مین ایک خاص مذہبی عمارت کے متعلق ہندو مسلمانون مین
جھگڑا چلا آتا تھا جو کسی طرح طے ہونیکا نہین آتا تھا اور اُسکے انفصال مین بڑی بڑی کوشش

ناکام ہوچکی تھین - مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے وہان پہونچتے ہی ایسی حکمت عملی سے کام لیا کہ دونون فریق راضی رہے اور نہایت ہی شائستگی کے ساتھ تصفیہ ہوگیا اور اُسوقت سے آجتک پھر وہان ہندو مسلمانون مین کوئی صورت ملال نہین پیدا ہوئی۔

بٹیر کا ضلع ایک پہاڑی ضلع ہی اور ریلوے لائن سے بہت دُور جسکی وجہ سے ہمیشہ بدامنی رہا کرتی تھی - اور ترقی و تمدن مین یہ ضلع سارے ضلعون سے پیچھے پڑا ہوا تھا - بٹیر مین بھیلو نکی کثیر آبادی ہی جو ایک سخت جنگجو اور جرائم پیشہ فرقہ ہی اُنکی وجہ سے ڈاکوؤن کے گروہ وہان ہمیشہ موجود رہا کرتے اور تاخت تاراج کا بازار ہمیشہ گرم رہتا - مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے ایسا اچھا انتظام کیا اور ایسی نتیجہ خیز تدابیر عمل مین لائے کہ انکے پہونچتے ہی ڈکیتی کی آفتین دُور ہوگئین - ملک مین امن و امان قائم ہوگیا اور اگر اِس قسم کا ایک آدھ گروہ فتنہ پردازی کے لیئے قائم بھی ہوا تو دس پندرہ ہی دن کے اندر اُسکا استیصال کر دیا گیا۔

بدنصیبی سے اسی زمانے مین بٹیر مین پلیگ کی شدت ہوئی - بٹیر سے ملا ہوا بمبئی پریسیڈنسی کا ضلع احمد نگر ہے - وہان جب طاعون کا زور ہوا تو رعایا بھاگ بھاگ کر ضلع بٹیر مین آئی اور طاعون بڑی قوت کے ساتھ سارے ضلع مین پھیل گیا اسکا انتظام اور رعایا کا راضی رکھنا نہایت ہی دشوار اور قریباً قریباً غیر ممکن تھا مگر مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے اِس خوبی سے انتظام کیا کہ رعایا خوشی کے ساتھ ہر انتظام مین مدد دیتی تھی چنانچہ یہی اسباب تھے کہ پلیگ کے متعلق تمام کارروائیان نہایت خوبی سے انجام پاگئین اسی سلسلے مین ایک سال قحط پڑا اور اسکا انتظام بھی بہت خوش اسلوبی کے ساتھ ہوگیا۔

بٹیر مین تمدن کے بڑہانیکی طرف مولوی صاحب کی توجہ ہوئی تو وہان ایک پختہ سرائے تعمیر کرائی اور غربا کے ساتھ معزز لوگون کے ٹھہرنیکے لیئے بھی مناسب اور قابل اطمینان انتظام کیا - ایک صنعت و حرفت کا مدرسہ قائم کیا - ایک کلب کھولا تاکہ لوگون مین میل جول اور سوسائٹی کا مذاق پیدا ہو - پھر ایک پبلک کتب خانہ کی بنیاد ڈالی اور تعلیمی مذاق کے پھیلانے مین کوئی کوشش نہ تھی جو اُٹھا رکھی ہو - وہان کے بعض مسلمان لڑکون کو علیگڈہ کالج مین بھجوایا الغرض ضلع بٹیر کو جو اس سے پہلے گویا دُنیا سے الگ اور موجودہ ترقیون سے محروم تھا آجکل کے مذاق سے آشنا کر دیا - اور وہان ہر قسم کی ترقیون کا سامان فراہم ہوگیا - اور صوبہ کے اعلی افسر نے اپنی ایک رپورٹ مین تحریر فرمایا کہ اِس ضلع سے بہتر کہین کا انتظام نہین ہی - بٹیر مین مولوی صاحب

کے عہد کا ایک وقوعہ ہمیشہ یادگار رہیگا۔ ایک قتل کے مقدمے مین ہائیکورٹ کی رائے کے بعد پیشگاہ حضور نظام خلد اللہ ملکہ سے دو شخصون کے قصاصاً قتل کیئے جانیکا حکم صادر ہوا اور مولوی صاحب اُن کو بغرض تعمیل حکم قتل گاہ مین لے کر گئے۔ وہان اُنمین سے ایک شخص نے بیان کیا کہ مین نے تو بیشک ارتکاب جرم کیا ہی مگر دوسرا شخص محض بیگناہ ہی مولوی صاحب نے اِس موقع پر جرأت کر کے دونون کے قتل کی کارروائی ملتوی کر دی اگرچہ اُن کے دوستون اور دیگر عہدہ دارون نے بہت سمجھایا کہ حضور پُرنور کے حکم کی تعمیل کا ملتوی کرانا ہرگز مناسب نہین ہی مگر اُنھون نے اسکی مطلق پرواہ نہ کی اور نہایت ہی جرأت کے ساتھ ہائیکورٹ مین رپورٹ کی کہ دوبارہ تحقیقات کا حکم ہونا چاہیئے کیونکہ مثل سابق کے دیکھنے سے معلوم ہوا تھا کہ تمام کارروائی نہایت بے احتیاطی سے ہوئی تھی۔ بالآخر ہائیکورٹ سے بمنظوری حضور پُرنور دوبارہ تحقیقات کا حکم ہوا اور اُنمین سے ایک شخص بالکل بری ہو گیا۔ جسکی برات حیدرآباد اور بخاصتہ ضلع بٹیر مین عجب حیرت انگیز واقعہ خیال کی جاتی تھی۔

۱۹۰۵ء مین مولوی صاحب کا تبادلہ بٹیر کی تعلقداری سے ضلع ناندیر کی تعلقداری پر ہوا۔ جس سے کہ اُنکے سر پر کام کا ایک نیا بار پڑ گیا۔ اور یہان بھی اُنھون نے تین چار ہزار مثلین زیر تجویز اور غیر منفصل پڑی پائین۔ اگرچہ انکا قیام دو ڈھائی مہینہ سے زیادہ نہین رہنے پایا مگر اتنی ہی مدت مین بہت کچھ کام نکالدیا۔ اور وہان بھی اپنی کئی یادگارین چھوڑین۔ وہان کے کلب کی توسیع کی۔ اسمین بلیرڈ روم بنوایا اور شہر سے اسٹیشن تک ایک بازار کی بنیاد قائم کی جس کا پھیلاؤ ایک میل سے کم نہ تھا مگر یہ بنیاد پڑنے ہی پائی تھی کہ مولوی صاحب کو اعلیٰ ترقی کے ساتھ ناندیر چھوڑنا پڑا۔

مولوی صاحب کے حیدرآباد سے جاتے وقت اُن کے حیدرآباد کے دوستون اور وہان کی عام رعایا کو بالکل مایوسی ہو گئی تھی اور لوگون کو یہ امر مشکل نظر آتا تھا کہ مولوی صاحب پھر حیدرآباد مین واپس آکے کسی معزز خدمت کو سرانجام دینگے۔ مگر حضور نظام کی قدردانی نے ۱۹۰۶ء مین آپ کو پھر حیدرآباد مین ہائیکورٹ کی ججی پر بلایا اور آپکے دیدار سے آپ کے دوست احباب بے انتہا محظوظ ہوئے ؎

در آمد آب رفتہ باز در جُو

ہائیکورٹ کا کام بھی مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے لیئے نیا تھا اور بڑی ذمہ داری کا

کام تھا مگر محض اپنی قابلیت اور مستعدی و جفاکشی کی بدولت جائزہ لیتے ہی آپنے ایسی
لیاقت کا ثبوت دیا کہ سر فضل حسین صاحب چیف جسٹس ہائیکورٹ جنکی قانون دانی کی شہرت
تھی آپ کے گرویدہ ہوگئے - اور آپ کے کام پر سب ججون سے زیادہ بھروسہ کرنے لگے -
ابتداً چند روز تک صیغۂ اپیل مین کام کرتے رہے اور اسکے بعد صیغہ ابتدائی کا کام اپنے
ہاتھ مین لیا - اس صیغہ کا کام نہایت ابتری کی حالت مین پڑا ہوا تھا اور بیسیون اہم مقدمات سالہا سال
سے ملتوی ہوتے چلے آتے تھے - مولوی صاحب نے تھوڑے ہی عرصہ مین محنت کرکے اکثر مقدمات کا فیصلہ
بڑی لیاقت سے کر دیا - اور ایسی پابندی و سرگرمی سے کام کرتے رہے کہ چھ ہی مہینے کے اندر تعداد
کام مرجوعہ بمقابلہ ازمنہ ماضیہ کے دونے سے زیادہ ہوگیا - کیونکہ یہ ایک مسلم امر ہے کہ جن عدالتون
مین کام جلدی اور قابل اطمینان ہوتا ہے اُنہین جدید مقدمات بہت رجوع ہونے لگتے ہین -

ہائیکورٹ کی ججی پر ایک سال رہے تھے کہ اعلیحضرت حضور نظام کی قدردانی سے پھر
اپنے قدیم عہدہ یعنی ہوم سکرٹری کے خدمت پر مامور ہوئے - جبکہ موقع پاکر آپ نے اپنے صیغۂ
تعلیمات اور صیغۂ عدالت مین بہت سی اصلاحین کین - پنجاب یونیورسٹی نے مدرسۂ
دارالعلوم حیدرآباد کو اپنے سے جدا کرکے دارالعلوم کے نصاب تعلیم اور اُسکے امتحانات مین
دشواریان پیدا کر دی تھین - مولوی صاحب نے علوم شرقیہ کی تعلیم کا ایک نصاب سرکاری طور
پر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی سے مرتب کرایا اور اسپر غور کرنیکے لیے ایک ایسی زبردست
کمیٹی قائم کی جسمین ہندوستان کے منتخب صاحبان علم و فضل شریک تھے اور طے ہوگیا
تھا کہ مدرسہ دارالعلوم کی حیثیت اعلیٰ درجے کی مشرقی یونیورسٹی کی بنا دی جائے اور ہندوستان
کے تمام مشرقی مدارس اس سے افی لیٹ[۱] کر لیے جائین -

ان دنون حیدرآباد کے سوسائٹی مین سب سے زیادہ وقعت آپ ہی کی تھی چنانچہ
نظام کلب کے پریسیڈنٹ ہوئے اور ینگ مین اسلامیہ ہند سوسائٹی کے ممبر مجلس کمیٹی کتب خانہ
آصفیہ ایجوکیشنل بورڈ کمیٹی انتظام انجمن دائرۃ المعارف کے پریسیڈنٹ بھی آپ ہی تھے
کوئی جلسہ بھی جسکی غرض رفاہ عام ہو ایسا نہوتا تھا جسکے آپ پریسیڈنٹ نہوتے ہون - آپکے
اس زمانے کے معتمدی کی ایک ہمیشہ زندہ یادگار رہنے والی برکت یہ ہے کہ مسلمانون کے متعلق
وسیع علمی ذخیرے جرمن اور فرنچ زبانون مین کثرت سے موجود ہین لیکن چونکہ اُنکے جاننے والے
ہندوستان مین معدوم ہین اسلیے یہان کے لوگ اُن سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے - اس کمی کو

[۱] شامل

محسوس کرکے مولوی صاحب نے ایک خاص عملہ اسی کے لئے مقرر کرایا۔ اور ڈاکٹر سنجیانت خدمت مترجمی پر مقرر ہوئے۔ اُنھون نے فرنچ زبان کی کتاب ابن رشید وابن مرشدین اور ڈوزی کی لاجواب تاریخ اسپین کا ترجمہ کیا۔

اسوقت تک مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے جو حالات لکھے گئے اُن مین موصوف کے دُنیوی عروج و ترقی اور بہ حیثیت عہدہ دار سرکاری ناموری حاصل کرنے اور حسن کارگزاری کا ذکر ہوا ہے لیکن ابھی یہ بتانا باقی ہے کہ لٹریری دُنیا مین اُنھون نے کیونکر اور کسقدر ترقی کی۔ اور ملکی زبان پر اُن کے لٹریچر کا کیا اثر ہوا۔

یہ ہم بتا چکے ہین کہ ایام طالبعلمی ہی سے آپ کو اُردو انشا پردازی اور شعر و سخن سے لطف اُٹھانیکا چسکا تھا۔ اس زمانے مین جبکہ آپ یونیورسٹی کے کورس مین تیار ہورہے تھے تھوڑا بہت وقت سخن سنجان ملک کے نغمہ سرائی سننے مین ضرور صرف کیا کرتے اور ملک کے مشہور جادو بیانون مین سے کوئی نہ تھا جس کے مضامین کا آپ دلچسپی کے ساتھ مطالعہ نکرتے ہون

حیدرآباد جانے کے بعد جب ذرا اطمینان ہوا تو وہ پُرانا شوق پھر ظاہر ہوا جسکا آغاز یہ تھا کہ اپنا پرائیویٹ کتب خانہ انگریزی اور فارسی و عربی و اُردو کی اعلیٰ درجہ کی کتابون اور تاریخون مکمل کرنا شروع کیا اور اسکے ساتھ کتب بینی شروع کی۔ آپ نے ابتدا ہی سے اپنی زندگی بہت باقاعدہ بنالی تھی۔ اور تمام کامون کے لیئے اوقات معین کر لیئے تھے۔ اس باقاعدگی نے وقت مین ایسی برکت پیدا کی کہ سارے کام آسانی کے ساتھ پورے ہوجاتے اور کتب بینی بھی کبھی ناغہ نہوتی۔ چندہی روز مین آپ کی نظر نہایت وسیع ہوگئی۔ تاریخ کے عام واقعات خصوصًا اسلامی تاریخ مین بہت اچھی بصیرت حاصل ہوئی۔ اور مغربی شعرا اور جادو نگارون مین سے کوئی نہ تھا جسکا لٹریچر نظر سے نہ گذر گیا ہو۔

اُسی زمانے مین نواب فتح نواز جنگ مولوی مہدی حسن مرحوم سفر انگلستان سے واپس آئے تھے اور اُنھون نے اپنا ایک سفرنامہ انگریزی مین مرتب کیا تھا۔ حیدرآباد کے عام پبلک کو خواہش ہوئی کہ وہ اُردو مین بھی شائع ہو۔ اس قومی خدمت کو مولوی صاحب نے اپنے ذمہ لیا۔ اور "گلگشت فرنگ" کے نام سے اُس سفرنامہ کا ترجمہ شائع کیا۔ جو مولوی صاحب کے لٹریچر کا پہلا نمونہ ہے۔ اور اُسکی خوبیون کا اندازہ وہی لوگ خوب کرسکتے ہین جنھون نے اُس سفرنامہ کی انگریزی و اُردو کا مقابلہ کرکے دیکھا ہے۔ مگر زبان کی سلاست سادگی اور

روانی جو ترجمہ کے عوض اصل اُردو تصنیف ہونے کا خیال دلاتی ہو ایسے صفات ہین جنکی انگریزی نہ جاننے والے سخن سنجان اُردو بھی داد دے سکتے ہین۔

اسکے چند روز بعد تاریخ بینی اور خاصتہً دکن کی تاریخ کے مطالعہ سے آپکی نظر مین سلاطین بہمنیہ کے زمانے کا وزیر دکن خواجہ محمود گاوان کا ایک ایسا اعلی کیرکٹر ثابت ہوا جسکی مفصل لائف لکھنے کی ضرورت تھی اور جسکے حالات موجودہ اہل دکن پر اچھا اخلاقی اثر ڈال سکتے تھے چنانچہ آپ نے بڑی جستجو اور کوشش سے خواجہ محمود کی ایک لائف مرتب کرکے "سیرۃ المحمود" کے نام سے شائع کرائی۔ اور وہ عموماً نہایت ہی پسند کیگئی۔ ارباب بصیرت کامل غور و خوض کے بعد اسکا اندازہ کرسکتے ہین کہ یہ کس پایہ کی بےمثل اور بےبدل کتاب ہے۔

اب اسکے بعد آپ کے لٹریچر کا زیادہ زور سرکاری نوٹون کے تدوین اور دیگر سرکاری تحریرون مین صرف ہوتا رہا اور سچ یہ ہو کہ انکی لکھی ہوئی رپوٹین اُردو لٹریچر کا ایک بےمثل ذخیرہ ہین جس سے ملک نے دوسرے پہلو سے تو بہت فائدہ اُٹھایا مگر افسوس کہ ہندوستان کے انشاپرداز اُن سے لٹریری فائدہ اُٹھانیسے محروم ہین۔

اب آپ کے لٹریچر نے زیادہ نشو و نما اور ترقی پاکے نہایت اعلی درجے کا پختہ رنگ اور سچا ذوق سخن سنجی پیدا کر لیا تھا کہ آپ کی نظر سے سنسکرت کے مشہور شاعر کالیداس کے ڈرامے اور نظمین جو انگریزی مین ترجمہ ہوئی ہین گذرین۔ آپنے لٹریچر کے اس خالص مشرقی رنگ کو سب سے اعلی پایا اور نہایت پسند کیا۔ اسکے محاسن پر عبور کرنیکے لئے آپنے زبان مرہٹی حاصل کی جسمین کالیداس کے بعض ڈرامون کے نہایت مکمل ترجمے موجود تھے۔ خود سنسکرت زبان کی طرف بھی توجہ کی اور سنسکرت کے جو اچھے اسکالر تھے اُن سے مشورہ لیا اور انھین کوششون سے کالیداس کے ڈراما "وکرم اُروسی" کا ترجمہ زبان اُردو مین شائع کرایا۔ اِس ترجمے کے آغاز مین ۵۰ صفحون کا دیباچہ مولوی صاحب نے لکھا ہو جو دیکھنے کے قابل ہو اور اسی سے اُنکی لٹریری نیچر اور شاعری ذوق صحیح کا پتہ لگ سکتا ہے سنسکرت ڈراما کی اصلی وقعت و کیفیت آپنے بس تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی ہو کہ اسکے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہو کہ ڈراما کیا چیز ہو اور سنسکرت ڈراما کا کیا پایہ ہو۔

چونکہ تاریخ سے ان کو فطری ذوق تھا اسلئے اس زمانے مین انکو ہندوستان اور دوسرے ممالک کے سکے جمع کرنیکا شوق ہوا تھوڑے دنون مین بہت سے سکے جمع ہوگئے اور آپنے اس فن کا

اسی محنت اور توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا کہ چند روز مین ماہر فن اہل ہند مین ہو گئے اور اسوقت اس فن مین اس پایہ کے بہت کم لوگ پائے جاتے ہین۔

رفاہ عام کے کامون سے ابتدا ہی سے انکو نہایت گہری دلچسپی رہی اور اپنے زمانۂ حکومت مین ہمیشہ علیگڈھ کالج اور تمام دوسری قومی تحریکون کے پرجوش حامی رہے۔ اور اپنے پیارے کالج کو فائدہ پہونچانیکا کوئی موقع کبھی ہاتھ سے نجانے دیتے تھے۔

انھین دنون آپکو مضمون نگاری کا بیحد شوق تھا اور ہندوستان کے اکثر علمی رسالون مین آپکے اعلیٰ درجے کے محققانہ علمی مضامین شائع ہوتے رہتے تھے جو یکجا کرکے اس مجموعہ مین شائع کئے جاتے ہین۔

سنہ ۱۹۰۸ء مین حیدرآباد مین ایک قیامت زا سیلاب آیا تھا جسمین ہزارہا آدمی بہ گئے۔ ہزارون مکان دریابرد ہوئے اور ایک عام تباہی تھی جسے دیکھ کے خدا یاد آتا تھا۔ دس بارہ ہزار آدمی سے زیادہ بے خانمان پڑے ہوئے تھے جن کے پاس نہ رہنے کو گھر تھا نہ پیٹ کو روٹی۔ اس موقع پر حضور نظام وقت اور انکی گورنمنٹ نے بڑی دریا دلی سے کام لیا انتظام خبرگیری رعایا کا زیادہ کام خاص مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے سپرد کیا گیا۔ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب نے انسانی ہمدردی اور نیز خدا ترسی کے خیال سے اس موقع پر غیر معمولی محنت کی۔ پتھرون کے ڈھیرون منہدم کھنڈرون اور افتادہ مکانون مین جہان راستہ بھی نہ تھا شب و روز مارے مارے پھرتے اور واجب الرحم ستم رسیدونکا پتہ لگاتے تھے۔ اس معاملہ مین انکا انہماک اسقدر بڑھتا ہوا تھا کہ جفاکشی کرتے کرتے اپنی صحت بگاڑ لی مگر بجا آوری فرائض سے باز نہ آئے غربا کی امداد کیلئے تیرہ لاکھ رقم چندہ جمع کی اور اسکی تقسیم کا انتظام کیا اور یہ سب کام ایسی عمدگی سے ہوا کہ حساب مین ایک پائی کا بھی فرق نہین آیا۔ اور اس جانکاہ محنت اور جفاکشی کے معاوضہ مین کسی قسم کے صلے کی خواہش نہین کی۔ سرکار عظمت مدار برطانیہ سے اس خدمت خلق اللہ کے صلہ مین بغیر اسکے کہ انکو علم بھی ہونے پائے اول درجہ کا تمغہ قیصر ہند عطا ہوا جسکے ملنے پر مسٹر واکر معین المہام فائنس نے اپنی مبارکباد کی چٹھی مین لکھا کہ "یہ آپکی محنتونکا ادنیٰ صلہ ہے"

مگر افسوس کہ بعض ایسے اسباب پیش آئے کہ ناگہان ستمبر سنہ ۱۹۰۹ء مین مولوی صاحب وظیفہ دیکر سرکار آصفیہ کی خدمت سے سبکدوش کر دیئے گئے۔ اور خواجہ محمود گاوان کی زندگی مین سلطنتی سازشون کا جو عبرتناک سمان وہ اپنے ناظرین کو دکھلا چکے تھے اسی قسم کا گو اس سے کچھ اترتا ہوا

سامان انقلاب نائبیل ان کے سامنے پیش کیا اور تعلیم کا اہم کام جو آپنے اپنی زبردست کوشش سے چھیڑا تھا ناتمام پڑا رہ گیا۔ حیدرآباد سے جس وقت مولوی محمد عزیز مرزا صاحب چلے ہین اسٹیشن پر ہزارہا خلقت کا ہجوم تھا۔ اور کوئی نہ تھا جس کو ایسے قابل اور منصف مزاج اعلیٰ افسر کی جدائی کا صدمہ نہو۔ وہان سے رخصت ہوتے ہی آپ علیگڈہ مین آکے سکونت پذیر ہوے تاکہ قومی خدمت کرین۔ چنانچہ ان کے آتے ہی مجھے ان کی ذات مین ایک قوی بازو مل گیا۔

علی گڈہ مین آتے ہی آپ نے پہلا کام یہ کیا کہ میری طرف سے علیگڈہ کالج کی پنجسالہ رپورٹ مرتب کی اور چونکہ کالج کے سنڈیکیٹ کے ممبر بھی مقرر ہو گئے تھے اسلیئے کالج کے انتظامی کامون مین بڑا حصہ لینے لگے لیکن علیگڈہ مین چند ہی روز قیام کرنے پائے تھے کہ تمام تعلیم یافتہ مسلمانون کے تقاضے اور ہز ہائینس سر آغا خان بہادر بالقابہ کے اصرار سے آل انڈیا مسلم لیگ کے آنریری سکرٹری کی معزز قومی خدمت انکو قبول کرنا پڑی۔ اور اسکے ساتھ لکھنؤ مین انکے قیام کرنا پڑا کیونکہ آل انڈیا مسلم لیگ کا دفتر علیگڈہ سے لکھنؤ مین منتقل ہو آیا تھا۔

الغرض یکم مارچ سنہ ۱۹۱۰ء سے آپ لکھنؤ مین آکے مقیم ہوئے۔ اور سارے ہندوستان کا دورہ کرکے ہر جگہ کے پراونشل لیگون مین مستعدی پیدا کردی۔ سنہ ۱۹۱۱ء مین آپنے بیس ہزار میل سے زیادہ مسافت اپنی دورے مین طے کی آپ کو اپنے پبلک فرائض کا اس درجہ خیال ہو کہ گذشتہ سال آپ بنگال پراونشل لیگ کی اصلاح کیلئے کلکتہ گئے۔ لکھنؤ سے روانگی کے دوسرے ہی دن آپکا ایک لڑکا تپ محرقہ مین مبتلا ہوا اور گو بخار مین بہت زیادتی ہوئی اور زیست کی اُمید بھی باقی نہ رہی مگر اپنے فرض منصبی کے مقابلہ مین محبت پدری کو ہیچ سمجھا اور برابر تین ہفتہ تک کلکتہ مین مقیم رہے اور کام سے فارغ ہونیکے بعد ہی لکھنؤ واپس آئے۔ مگر خدا نے ایسا فضل کیا کہ تین مہینے کی سخت علالت کے بعد لڑکا صحیح وتندرست ہوگیا۔

سنہ ۱۹۰۹ء مین ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس برہما مین ہوئے تھے وہان آپ نے صرف کانفرنس کی شرکت ہی نہین کی بلکہ علیگڈہ سنڈیکیٹ کی ممبری تعلیمات کی حیثیت سے سارے ملک برہما کا دورہ کیا جس دورہ مین کہ مجھکو بھی جناب ممدوح کے ساتھ رہنے کی عزت حاصل تھی جناب ممدوح ہی کی کوشش کا نتیجہ تھا کہ برہما مین پراونشل لیگ اور بمقام مانڈلے ایک انجمن بغرض ترجمہ کلام اللہ وکتب دینیات بزبان برہمی قائم ہوئی اس سال آل انڈیا اُردو کانفرنس کا پہلا اجلاس بدایون مین ہوا تھا جسکی پریسیڈنٹی کی کرسی کو بھی مولوی صاحب ہی نے زینت دی تھی

مسلم لیگ کا کام آپنے اِس خوبی سے سرانجام دیا کہ سارے ہندوستان کے مسلمانون کو آپ پر
بھروسہ ہوگیا۔ کہ جہان جہان پراونشل لیگین نہین قائم تھین وہان وہان تشریف لے جاکر آپنے
لیگین قائم کرائین۔ مسلم یونیورسٹی کے قیام کا رزولیوشن رنگون مین جو اجلاس کانفرنس ہوا تھا
اُسمین آپ ہی نے پیش کیا تھا اور اس سال کی ابتدا مین جب ہز ہائنس آغا خان بالقابہ نے
"اب یا کبھی نہین" کی جگر شگاف صدا بلند کی تو آپ نے بھی لبیک کہا اور اس کام مین پوری
دلچسپی لی چنانچہ آپ کلکتہ و لکھنؤ و رامپور و لاہور کے دورہ مین ہز ہائنس کے ہمراہ رہے اور
پھر ہز ہائنس کی خواہش پر بہار کا دور و دراز سفر باوجود خرابیٔ صحت اختیار کیا اور وہان
اپنے ڈیڑھ مہینے کے قیام اور محنت کا یہ پھل حاصل کیا کہ مسلم یونیورسٹی کے لیئے بہار مین سوا لاکھ
کا چندہ ہوگیا جو غیر معمولی اور حیرت انگیز کامیابی ہے۔ اس سفر مین محمد عامر مصطفےٰ خان صاحب رئیس
یوزدہ گانون بھی جو ایک ہونہار نوجوان ہین اس کام مین آپ کے ساتھ شریک تھے۔

قومی ہمدردی اور رفاہ عام مین جو فطری جوش آپ کی طبیعت مین مضمر تھا وہ اس موقع
پر بھی بے ظاہر ہوئے نہ رہا مسلم لیگ کے سکرٹری شپ کے موقع پر آپنے ہندوستان کے اکثر اور
تمام محکمہ جات کے افسران اعلیٰ سے مل کے اُنھین اس جانب توجہ دلائی کہ سرکاری اور نیز ان
محکمہ جات کی ملازمت مین مسلمانون کو بہت کم حصہ ملا ہے۔ اور ان کو قائل معقول کرکے اس بات پر
آمادہ کیا کہ مسلمانون کو سرکاری دفاتر اور محکمہ جات ڈاکخانہ و ریلوے وغیرہ مین زیادہ جگھین دیجائین
اسطرح حکام و افسران محکمہ جات سے وعدہ لینے کے بعد آپ نے اشتہار دیدیا کہ جو تعلیم یافتہ مسلمان
ملازمت کے خواستگار ہون آل انڈیا مسلم لیگ کے دفتر کی طرف رجوع کرین جس کے نتیجے مین
مین صدہا درخواستین آئین جو مختلف حکام و محکمہ جات مین بھیجی گئین اور اسوقت تک آپکی
کوشش سے صدہا مسلمان نوجوانون کو ملازمت مل چکی ہے۔ آپ کی اُن کامیاب کوششون
نے ایک نمونہ اور مثال پراونشل مسلم لیگون کے واسطے قائم کردی ہے جو اس اہم مقصد کے حصول
مین لوکل طور پر کوششین کر رہی ہین آج اس زمانے مین کسی مسلمان کو چار پیسہ کے حیلے سے لگا دینا
ایک بڑی قومی خدمت ہے۔ مسلم لیگ کے کثیر مشاغل اور متواتر و طویل سفر سے آپ کو اپنے قدیمی
شغل سے باز نہ رکھ سکے ع نکو رو تاب مستوری ندارد ؛ چو در بندی سر از روزن برآرد۔

آپکا لٹریری مذاق کسی نہ کسی عنوان سے یہان بھی بے ظاہر ہوئے نہین رہا چنانچہ آپنے
"مسلم پالٹکس" اور "مسلم یونیورسٹی" کے عنوان سے جو مختصر رسالے بے تکلف گفتگو کے عنوان سے

شائع کیئے ہیں وہ بہت ہی دلچسپ ہیں ۔ عام مسلمانون مین بے انتہا پسند کیئے گئے ۔ چند ہی روز کے اندر دوسری زبانون مین انکے ترجمے بھی شائع ہو گئے اور حضور وایسرائے بہادر نے بھی انکو ملاحظہ فرماکے اپنی پسندیدگی ظاہر فرمائی ۔

اپنے معزز دوست مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کی سرکاری اور لٹریری خدمات کا کچھ مختصر سا خاکہ کھینچتے وقت مجھکو حسرت اور افسوس کے ساتھ یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ دنیا مین جسطرح پھول کے ساتھ کانٹے بھی پائے جاتے ہین اسی طرح ہمارے اُن معزز دوست کی زندگی بھی بعض خانگی حوادث اور اُنکے ذاتی امراض کی وجہ سے اکثر بے لطف رہی ہے آپ حیدر آباد سے تعلق رکھتے تھے اور پوری اقبالمندی کے ساتھ سلطنت کے خدمات بجا لا رہے تھے کہ اُسی عرصے مین آپ کی بیگم صاحبہ نے انتقال کیا اور اب چھوٹے چھوٹے بچون کے متعلق باپ کے فرائض کے علاوہ ماں کے فرائض کا ادا کرنا بھی آپ کے ذمہ آپڑا اور اِن بچون کے خیال نے اب تک آپ کو دوسرا عقد کرنے پر باوجود عزیزون اور دوستون کے اصرار اور باوجود حیدر آباد کی بیشمار ترغیبون کے آمادہ نہین ہونے دیا پھر حیدر آباد سے علیحدہ ہونے کے ساتھ ہی آپ کی اکلوتی کتخدا صاحبزادی صاحبہ نے بمقام حیدر آباد دفعتًا علیل ہوکر ایک دن مین داعی اجل کو لبیک کہا ۔ اِن مرنے والون کی روحونکو خدا بخشے مرزا صاحب نے جس استقلال سے ان حوادث مین کام لیا وہ بھی اُنھین کا حصہ ہے ۔

آل انڈیا مسلم لیگ اور علی گڈہ کالج کے کامون مین جو بے نظیر انہماک آپ نے دکھلایا وہ ان صدمات کے بعد کے واقعات ہین ۔ اُنکی پارسایانہ زندگی بھی ایک بڑا بلکہ سب سے بڑا ذریعہ اُن کے مشاغل کو اس درجہ مفید اور نہایت مفید اور کامیاب بنانے کا ہوئی ہے ۔ اُن کے ایک صاحبزادہ محمد احمد مرزا صاحب سلمہ اللہ تعالی نے حال ہی مین بمقام انگلستان انجنیری کی تعلیم مین نہایت کامیابی کے ساتھ ڈگری پائی ہے اور منجھلے صاحبزادہ محمد ابو سعید مرزا سلمہ بھی انگلینڈ مین بیرسٹری کی تعلیم پا رہے ہین ۔ اور چار چھوٹے چھوٹے بچے مرزا صاحب کے زیر نگرانی ابھی ابتدائی تعلیم مین مصروف ہین اللہ تعالی اِن سب کو کامیاب اور با اقبال کرے ۔

اب اس دیباچہ کے ہیرو مولوی محمد عزیز مرزا صاحب کے اِس مجموعۂ تصنیفات کو اُمید ہے کہ تمام پبلک بلا لحاظ قوم و ملت یکسان دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرے گی اور مصنف کو دعائے خیر سے یاد کرے گی یہ مجموعہ نوجوانون کے لیئے بھی خاص کر ایک زندہ اور مجسم سبق ہے کہ کس طرح وہ

لوگ جو اپنے عزیز وقت کو رائیگان جانے دینا نہین چاہتے بڑے بڑے کام کرنے مین کامیاب ہوتے ہین اور اپنے بعد اپنی عالی عالی اور شاندار یادگارین چھوڑ جاتے ہین کام کرنے والے کبھی عدیم الفرصتی کا عذر نہین کیا کرتے یا دوسرے لفظون مین یون کہتے ہین کہ دُنیا مین جسقدر بڑے بڑے کام ہوئے ہین سب اُنھین لوگون کے کیے ہین جو سخت عدیم الفرصت تھے اور ہمکو امید ہے کہ ہم سب کو دعا کرنی چاہیے کہ جناب مرزا صاحب کے مضامین کی لٹریری قابلیت خاص کر اُردو زبان کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ ہوا اور درحقیقت ایسی ہی تصنیفات سے کوئی زبان زندہ رہ سکتی ہے اور ترقی کرتی ہے۔

خاکسار

محمد مشتاق حسین

علیگڈھ

نوٹ - مولوی عزیز مرزا صاحب کی صحت اس طرف خراب رہتی تھی مگر کس کو خبر تھی کہ ملک کو اسقدر جلد اُنکی موت کا ماتم کرنا پڑے گا - اور ۲۶ - فروری سنہ ۱۹۱۲ء کو ۱۱ - بجے دن کے وقت درد گردہ کے عارضہ مین ہم سب کو داغ مفارقت دیجائین گے - حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا -

مشتاق حسین

اکبر اعظم

نام کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے
داخل ہر بانگ ہے شامل ہر تکبیر ہے

بابر کی اولوالعزمی سنے چارون طرف سے مایوس ہو کر پٹھانون کی خانہ جنگیونکی بدولت ہندوستان مین پاؤن رکھنے کی جگہ پائی تھی کہ عام روایات کے بموجب محبت پدری کے جوش مین اپنی جان بیٹے کی صحت پر قربان کی اور اسکا لاڈلا بیٹا ابھی عروس سلطنت سے ہم آغوش بھی نہونے پایا تھا کہ پٹھانون کی متفرق قوت شیر خان سور کی حوصلہ مندی کی شکل مین نمودار ہوئی۔ ہمایون کی اسوقت عجیب حالت تھی سلطنت کو اگر دیکھو تو صرف چند شہرون پر محدود اور حکومت برائے نام تھی اور وہ خود اگرچہ اعلی صفات انسانی سے آراستہ تھا مگر اسمین اصابت رائے اور قوت فیصلہ کی جو قیام سلطنت کے لئے ضروری ہے کمی تھی۔ گھر کی حالت دیکھو تو وہی خانہ جنگی جس نے پٹھانونکو اسکے باپ کی تدبیر اور شجاعت کا شکار بنایا تھا مسلط تھی اور بھائی بھائی کا روادار نہ تھا۔ ارکین سلطنت اگرچہ پختہ کار اور شجاع تھے مگر اس خانہ جنگی کی بدولت وہ بھی ڈانواڈول ہو رہے تھے کبھی ایک بھائی کا ساتھ دینے مین اپنا فائدہ سمجھتے تھے۔ اور کبھی دوسرے کیطرف ہو جاتے تھے غرضکہ ادبار و تباہی کے تمام سامان جمع تھے اور ایسی حالت مین شیر خان کی پرجوش اولوالعزمی اور پر مغز خوش تدبیری اور راسخ ارادون کے سامنے ٹھہرتا تو کیونکر نتیجہ وہی ہوا جو پہلے سے نظر آ رہا تھا کہ شیر خان کا اقبال بڑھا اور ہمایون کا گھٹا اور بالآخر اس کو سلطنت سے ہاتھ دھو کر فرار کو ذریعۂ نجات سمجھنا پڑا۔ وہ وقت بھی عجیب بیکسی کا تھا۔ کبھی گھبرا کر بیکانیر و جیسلمیر کے صحراے بے آب مین ٹکراتا پھرتا تھا۔

اور کبھی ضعیف سی اُمید پر جو دھپور کے سنگلاخ میدانون کی طرف بڑھتا تھا مگر دغا بازی دور ہی سے اپنا ڈراونا چہرہ دکھا کر قدم اُکھاڑ دیتی تھی - ادبار کی گھٹا ہر طرف چھائی ہوئی ہے خون سفید ہو گیا ہے - بھائی بھائی کے کھانے کو دوڑتا ہے - برائے نام دوست بہت ہین مگر دوستی کا وقت آیا اور انجان بنے اُمید کی جھلکی بھی کبھی کبھی نظر آجاتی ہے مگر فوراً ہی مایوسی کے غبار مین غائب ہو جاتی ہے - انتہا ہو گئی کہ جب راستے مین اتفاقاً ہمایون کا گھوڑا اندر اجل ہو گیا تو سخت دل تردی بیگ نے جو اُسکے باپ کا رفیق اور خود اُسکا مشیر تھا اِس مصیبت زدہ بادشاہ کو اپنے اصطبل سے ایک گھوڑا دینے مین بھی انکار کیا جس کی وجہ سے اُسکو اونٹ کی ناہموار سواری نصیب ہوئی - ظاہر ہے کہ ایک ترک کے لئے جو گویا مان کے پیٹ سے نکلکر گھوڑے کی پیٹھ پر آنکھ کھولتا ہے اِس سے بڑھکر کیا مصیبت ہوسکتی ہے - مگر غنیمت ہوا کہ اُسکے ایک رفیق ندیم خان کو جو بیچارہ اپنی بوڑھی مان کو اپنے گھوڑے پر سوار کرکے خود پیدل جا رہا تھا رحم آگیا اور اُسنے بیدریغ اپنا گھوڑا ہمایون کی نذر کیا اور اُس کے اونٹ پر اپنی مان کو سوار کیا غضب یہ ہے کہ حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ رونگٹا رونگٹا دشمن معلوم ہوتا اور زمین و آسمان پھاڑ کھانے کو دوڑتا ہے مگر دشت غربت مین ہمایون کی چہیتی بی بی حمیدہ بانو بیگم بھی ساتھ ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ پورے دن ہین اور ہر قدم پر خوف ہے کہ کہین یہین تکالیف مادری سے مقابلہ نہ کرنا پڑے - خیر خدا خدا کرکے یہ بینوا قافلہ سندھ کے بے گیاہ جنگلون کو قطع کرتا ہوا امرکوٹ پہونچا اور وہان پانون رکھنے کو جگہ بھی ملی مگر گرگ صفت بھائی ہر طرف سے تاک مین لگے ہوئے تھے اِس لئے اُس کو بی بی کو وہین چھوڑ کر اُن کے مقابلے کے لئے روانہ ہونا پڑا - اُس وقت حمیدہ بانو بیگم کی جو حالت ہوگی وہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے - نہ تن پر کپڑا نہ پیٹ کے لئے کھانا - نہ کوئی مونس نہ غمخوار یہانتک کہ شوہر بھی سربازی مین مصروف اُس پر اجنبی ملک اور اجنبی لوگ لیکن جس طرح کہ عین کشمکش باران کے زمانے مین ہر طرف سے کالی گھٹائین اُٹھکر دم کے دم مین صحرائے بے گناہ کو مرغزار بنا دیتین یا دفعتاً گھنگھور اندھیرے مین دل بادل پھٹکر دُنیا کو آفتاب کی تیز شعاعون سے منور کر دیتے ہین یا جس طور پر - ع -

ستارہ صبح عشرت کا شب ماتم نکلتا ہے -

اسی طرح بتاریخ ۵ رجب ۹۴۹ھ شب یکشنبہ وہ نیر برج سعادت طلوع ہوا جو بالآخر آفتاب ہو کر چمکا۔ اکبر جیسے عالم سراسیمگی مین پیدا ہوا تھا۔ ایسی ہی بیچارگی مین اُس کا بچپن بھی گذرا۔ ابھی پورا ایک برس کا بھی ہونے پایا تھا کہ مرزا عسکری کے دغا و فریب کے خوف سے مان باپ کا ساتھ بھی چھٹا اور بیرحم چچا کے ہاتھ پڑا مگر خدا بھلا کرے اُنکی بی بی سلطان بیگم اور اکبر کی دائیون ماہم بیگم اور جیجی انگا کا کہ بچے کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائی۔ جب اکبر کی عمر دو سال سے کچھ اوپر ہوئی تو ہمایون نے پھر کابل فتح کیا اور اُس کو باپ کا دیدار نصیب ہوا مگر ابھی پانچ برس کا نہ ہوا تھا کہ پھر ظالم کامران کے ہاتھ پڑ گیا اور جبکہ ہمایون قلعہ کابل کے محاصرے مین مصروف تھا۔ ایک مورچے پر جہان گولے بڑے زور وشور سے برس رہے تھے اِس ننھی سی جان کو لقمۂ اجل بنانے کے لئے بٹھا دیا گیا مگر شاباش ماہم کی وفاداری کو کہ وہ اُسکو اپنے گرد چھپا کر مورچے کی طرف پشت کر کے بیٹھ گئی۔ ایسی پریشانی اور خانہ بربادی کی حالت مین ظاہر ہے کہ تعلیم تو کیا کسی بات کا بھی انتظام نہین ہو سکتا اور اسی لیئے اکبر باپ کے تربیت بار سایہ سے جُدا ہو کر حرف آشنا بھی نہ ہو سکا لیکن جس طرح کہ اُسنے بیکسی کی گود مین پرورش پائی تھی اسیطرح اُس کی تعلیم و تربیت بھی مصیبت ہی کے اعلے مدرسے مین ہوئی۔ اور یہ اُسی کا نتیجہ ہے کہ ابتدا ہی مین وہ اعلیٰ صفات انسانی اُسمین پیدا ہو گئین جو کشمکش حیات مین کامیابی حاصل کرنے کے لیئے لازمی ہین۔ بارہ برس آٹھ مہینے کی عمر مین وہ سرہند کی لڑائی مین شریک ہوا اور ابھی پورے چودہ سال کا سن بھی ہونے پایا تھا کہ ہمایون کی ناگہانی موت سے اُس کو یتیمی کا تمغہ اور سلطنت کا چھتر ملا اور اُس نے ۲ ربیع الثانی ۹۶۳ھ کو تخت شاہی پر قدم رکھا۔ بادشاہ بچہ اور سلطنت برائے نام تھی مگر بیرم خان اتالیق کی وفاداری و کارروائی ہر وقت آڑے آنے کے لیئے موجود تھی بیرم خان نے ابتدائی معرکون مین نہایت ہی خوش تدبیری سے کام لیا اور خوب ہی داد شجاعت دی اِسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ افغانی سازشون کا استیصال اور ہندوستان کا ایک معتدبہ حصہ سلطنت مغلیہ مین داخل ہو گیا*۔ چار برس کی خود مختاری نے کچھ تو بیرم خان کا سر پھرا دیا

* جلوس کے پہلے ہی سال مین جبکہ پٹھانون کا مشہور جنرل ہیمون بقال گرفتار ہو کر آیا تو باوجود بیرم خان

اور ادھر ترقی عمر کے ساتھ اکبر نے بھی پر پرزے نکالے اور کچھ باقی اُمراء کے دل مین
حسد کی آگ مشتعل ہوئی اور اُنھون نے طرح طرح پر بادشاہ کو اپنے ہاتھ مین عنانِ سلطنت
لینے کے لئے آمادہ کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بیرم خان کے اقبال کا چراغ گُل ہوا اور اکبر
نے براہ راست حکومت شروع کی۔ تقریبًا بیس سال تک اکبر ہندوستان کے
مختلف صوبون کے فتح کرنے اور اپنے باغی امراء کی سازشون کو توڑنے اور بغاوتون
کے فرو کرنے مین مصروف رہا یہانتک کہ صوبۂ پنجاب و دہلی کے علاوہ جو اُس کو میراث
مین ملے تھے۔ کابل۔ قندھار۔ کشمیر۔ سندھ۔ میواڑ۔ گجرات۔ اودھ۔ بہار۔ بنگالہ۔ اڑیسہ
احمدنگر۔ مالوہ اور خاندیس سب اُسکے دائرۂ حکومت مین داخل ہو گئے۔ گویا کہ مغرب مین
اُسکی سلطنت کا ڈانڈا ہندوکش سے ملا ہوا تھا اور مشرق مین خلیج بنگالہ سے اور اگر
شمال مین کوہ ہمالیہ سے ٹکراتا تھا تو جنوب مین مغربی گھاٹ سے۔ یہ فتوحات نہ صرف
اکبر کے جنرلون کی خوش تدبیری و کاردانی کا نتیجہ تھین بلکہ اُنھین پوری طور پر اُسنے
خود بھی اپنی دانائی۔ دور اندیشی۔ مستعدی۔ ان تھک جفاکشی۔ نڈر شجاعت اور تیز
ہوشی کا ثبوت دیا تھا۔ جبکہ اُس کے جنرل دور دراز مہمون پر مصروف ہوتے تھے اور
وہ ذرا بھی اُنکو بے عنوانیون کیطرف جھکتا ہوا دیکھتا یا اُنکی کوششون مین سُستی پاتا
تھا تو دفعتًا بجلی کیطرح ایک ایک ہفتہ کی راہ ایک ایک دن مین طے کر کے اُن کے سر پر
جا دھمکتا تھا۔ مالوہ۔ گجرات اور بنگالہ کی یلغارین آجتک اُس کی مستعدی و جوانمردی
پر شہادت دے رہی ہین۔ اُس کی خداداد طباعی نے فنونِ جنگ کو جہان پایا تھا
وہان نہین چھوڑا بلکہ اُنکی ہر ایک شاخ کو ترقی دی۔ اِس زمانے مین توپون کے بنانے
اور اُن سے کام لینے مین جسقدر ترقی ہوئی ہے وہ محتاجِ بیان نہین ہے مگر اکبر اُس قدیم
زمانے ہی مین اُسکی ضرورت سے واقف ہو گیا تھا اور اُسنے ایک ایسی توپ ایجاد کی
تھی جو ایک شتابہ مین سترہ فیر کرتی تھی اور بعض ایسی توپین بھی بنوا لی تھین جن کے
ٹکڑے ٹکڑے کر کے ایک مقام سے دوسرے مقام کو آسانی سے لیجا سکتے تھے
ہندوستان مین قدیم سے سپہ سالارون اور منصب دارون کی بے عنوانیونکی بدولت
فوج کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ سپاہیون اور سوارون کی تنخواہون کی بابت

ص کے اضرار کے اکبر کی حوصلہ مندی نے اپنی تلوار کو ایک بیکس قیدی کے خون سے رنگین کرنا پسند نکیا ۱۲

امراء کو بڑی بڑی جاگیرین دی گئی تھین۔ لیکن اگر فوج کو دیکھو تو پتہ بھی نہین اور اگر کچھ تھی بھی تو اُسکی عجب حالت تھی۔ اگر کسی کے پاس زین ہے تو گھوڑا نہین۔ اور ہتھیار ہے تو لباس نہین۔ اکبر نے سب سے پہلے اپنی نظر اصلاح اسی طرف متوجہ کی اور سپاہیون کو امراء کے دست حرص سے نکالکر علم شاہی کے سایہ مین لیا اور نقد تنخواہ مقرر کر کے سپاہیون کی چہرہ نویسی اور گھوڑون کے داغ کے ذریعے سے اُن کو بدنیتی کے چنگل سے آزاد کیا اور اس طور پر ایک کارآمد اسٹینڈنگ آرمی کی بنیاد ڈالی گویا اکبر ہی وہ پہلا شخص ہے جس نے ہندوستان مین قدیم فیوڈل سسٹم کو توڑ کر شاہی قوت و اقتدار کی بنیاد ڈالی۔ اگرچہ دُنیا کے عظیم الشان فاتحون کی تاریخ مین بھی اکبر کو اپنی مہمون کی کامیابی اور وسعت کے لحاظ سے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ لیکن جس چیز نے کہ در اصل اکبر کو اکبر بنایا وہ اُس کے جنگی کارنامے نہین ہین بلکہ وہ مادیات سے گذر کر روحانیات تک پھیلی ہوئی ہے۔ اکبر نے ابتدا ہی مین مدرسۂ مصیبت مین ایسی تعلیم نہ پائی تھی کہ وہ اپنے باپ کی تباہی اور کھڑے کھڑے ہندوستان سے نکالے جانے اور دربدر خاک بسر مارے پھرنے سے نتیجہ خیز سبق نہ لیتا اور خواہ یہ صحیح ہو یا نہ ہو کہ اُس کے باپ کو شاہ طہماسپ صفوی نے ہندوستان کی واپسی کے وقت دو نصیحتین کی تھین۔ ایک تو یہ کہ افغانون کو تجارت مین لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہندوستان کی دیسی قومون کو اپنا بنائے لیکن زمانے نے خود اُس کو بتا دیا تھا کہ اگر سلطنت کے استحکام کی کوئی تدبیر ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے کہ اُس کی بُنیاد بجائے تلوار کی باریک دھار کے رفاہ خلق اللہ کے ذریعے سے رعایا کے دلون مین رکھی جائے چنانچہ پہلے ہی سال اُس نے ایک ایسا حکم دیا جو انگلستان کی موجودہ ترقی کا راز ہے مگر جو صدیون تک ٹھوکرین کھانے کے بعد اُس کو معلوم ہوا ہے یعنی تجارت کو ہر قسم کے محصولات سے جو اُس کی ترقی کے حارج تھے آزاد کر دیا اور گو ابتدا مین اُسکی کمسنی اور بیدست و پائی کی وجہ سے اُسکا پوری طرح پر نفاذ نہ ہو سکا لیکن جب عنان حکومت اُسکے ہاتھ مین آئی تو وہ اُسکو جاری کر کے رہا یہ تو وہ سلوک ہے جو اندرونی تجارت کے ساتھ کیا گیا۔ بیرونی تجارت کی روک بعض سنگین محصولون سے ہوتی تھی جو میر بحری یا سی کسٹمس کے نام سے مشہور تھے۔ اکبر نے ان محاصل مین بھی اسقدر تخفیف کی

کہ وہ صرف برائے نام اڑہائی فیصدی رہ گئے۔ اور اِس سے جیسا فائدہ کہ بیرونی تجارت کو پہونچا ہوگا وہ محتاج نہین ہے۔ اگرچہ برٹش گورنمنٹ کا اوڑھنا بچھونا فری ٹریڈ یعنے آزادی تجارت ہی لیکن اِس زمانے مین بھی سی کسٹمس (محاصل بحری) کی شرح کہین اکبر کی مقررہ شرح سے زیادہ ہے۔ تمام دُنیا کے قانون کا یہ میلان رہا ہے ابتدا مین نہایت سخت سزائین چھوٹے چھوٹے جرائم کے لئے بھی تجویز کیجاتی ہین۔ لیکن جب تمدن مین ترقی اور قوم کی حالت اصلاح پذیر ہو جاتی ہے تو سزاؤن مین بھی نرمی ہوتی جاتی ہے۔ ہندوستان مین بھی قدیم سے بعض وحشیانہ سزاؤن کا رواج چلا آتا تھا مثلاً ہاتھ پاؤن کاٹنا یا اندھا کرنا وغیرہ لیکن اکبر کی روشن ضمیری نے سنہ جلوس مین اِن سزاؤن کو قطعًا موقوف کر دیا۔ قدیم زمانے مین یہ طریقہ تھا کہ جنگ مین جو جہانباز قید ہوتے تھے وہ عمر بھر کے لئے آزادی کو خیرباد کہکر غلامی کا خلعت پاتے تھے۔ گوکہ سیاست کے لحاظ سے اسکا کیسا ہی اثر پڑتا ہو لیکن انسانیت کے اعتبار سے یہ طریقہ جسقدر بیرحمی و ظلم سے مملو ہے وہ محتاج تصریح نہین اور اِس لئے اکبر کے لئے یہ امر باعث فخر ہے کہ اُسنے سنہ جلوس مین یہ قاعدہ بنا دیا کہ جو شخص جنگ مین قید ہو وہ غلام نہ بنایا جائے اور موجودہ غلامون سے بھی داغ غلامی اِس حد تک دھو دیا کہ اُن کے خاص حقوق قرار دیئے اور اُن کا نام بھی حیثیت کے ساتھ بدلکر چیلہ قرار دیا۔ اسی کے ساتھ غلامونکی عام خرید و فروخت کی بھی قطعًا ممانعت کر دی۔ اِس کے دوسرے سال جاترِیون سے جو جابرانہ محصول لیا جاتا تھا اُس کو موقوف کیا اور یہ گویا کہ پہلی مرتبہ اِس امر کا اعلان تھا کہ ہر شخص اپنے معتقدات مذہبی کے لحاظ سے آزاد ہی اور اُن کے ادا کرنے مین کسی قسم کی روک ٹوک نہ ہونی چاہیے۔ سنہ جلوس مین جو خیال کہ کسی قدر دبی زبان سے ظاہر کیا گیا تھا اگلے سال خوب ہی زور و شور سے اُسکا اعلان کیا گیا اور اکبر نے ایسا کام کیا جس نے فی الواقع حاکم و محکوم کی حیثیت سلطنت کے سامنے ایک کر دی۔ یعنی جزیہ معاف کیا۔ جزیہ در اصل ایسا پُر رسوائی ٹیکس نہین ہی جیسا کہ یوروپین مصنفین نے سمجھا ہے بلکہ وہ مفتوح قومون سے فوجی خدمات سے مستثنےٰ ہونے کی وجہ سے لیا جاتا تھا تاکہ جس طرح فاتح قوم امن عامہ کے قیام مین اپنی جان لڑاتی تھی اُسی طرح مفتوح قومین اپنے مال سے مدد کرین۔ اگر تاریخ ہندوستان کا غور سے

مطالعہ کیا جائیگا تو معلوم ہوگا کہ ابتدا مین سرکار کمپنی بہادر جو دیسی ریاستون مین بعض فوجین امدادی یا کنٹنجنٹ کے نامون سے مقرر کرکے ان کے اخراجات وصول کرتی تھی وہ بھی ایک قسم کا جزیہ ہی تھا اور اس زمانے مین بھی جو اخراجات فوجی یا شہنشاہی کہلاتے ہین اور جنمین اہل ملک کا کوئی دخل یا قبضہ نہین ہوتا اُن پر بھی خواہ کچھ ہی اُن کا نام رکھا جائے جزیہ کی تعریف صادق آسکتی ہے مسلمانون مین قدیم سے کانس کرپشن کا طریقہ یعنے وقت پر ہر شخص فوجی خدمت انجام دینے پر مجبور ہو جاری ہے اور اس لیے اُس سے مستثنےٰ ہونے کا اختیار ایک بہت بڑا حق تھا اور بصورت امکان غالبًا بہت سے مسلمان بھی اُس سے فائدہ اُٹھاتے لیکن چونکہ اکبر کا منشاء فاتح و مفتوح کا فرق اُٹھا کر اپنی سلطنت کو گویا ہندوستان کی قومی سلطنت بنانا تھا جس کی اصلی ترقی کے لئے ہندوؤنکی تیز ہوشی و جرأت و ہمت کی بھی اُسی طرح ضرورت تھی جس طرح مسلمانون کی کاردانی اور شجاعت کی اور ملک کے امن و امان کی حفاظت اور توسیع مین ہندو بھی اُسی طرح حصہ لینے کے مستحق تھے جس طرح کہ مسلمان اس لئے جو امتیاز کہ جزیہ کے ذریعے سے فاتح و مفتوح مین قائم کیا گیا تھا وہ در اصل باقی نرہا تھا اور جزیہ فی الحقیقت ایک جابرانہ ٹیکس ہوگیا تھا۔ اسلئے اکبر نے اُس کو موقوف کرکے رعایا کے تمام طبقون کے مساوی ہونے کا اعلان کردیا گو کہ اکبر نے کبھی ہماری فیاض گورنمنٹ کیطرح اِس امر کا اعلان نہین کیا کہ اُمور سلطنت مین کوئی امتیاز خون یا رنگت یا مذہب کا روا نہ رکھا جائیگا لیکن عملی طور پر وہ تقررات مین خواہ مُلکی ہون یا فوجی یا مالی۔ عبد اللہ اور رام داس مین کوئی فرق نہ کرتا تھا یہانتک کہ کوئی منصب اور کوئی عہدہ ایسا نہ تھا جو ہندو مسلمان دونون کے لئے یکسان کھلا ہوا نہ ہو اُسکی بے تعصبی کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مان سنگھ کو خود صوبہ کابل کی گورنری کا اعزاز بخشا جہان کی آبادی بالکل مسلمان تھی۔ اسیطرح مہمات فوجی اگر خان خانان اور خان اعظم کے سپرد ہوتے۔ رہتے تو بھگوان داس اور مان سنگھ کا درجہ بھی اُنسے کم نہ رہتا تھا اور اگر معاملات ملکی و مالی مین مظفر خان کے مشورے پر عمل کیا جاتا تھا تو ٹوڈرمل کی رائے اُس سے زیادہ وقعت کی نظر سے دیکھی جاتی تھی اسیطرح اگر فیضی و ابو لفضل دربار کی زینت تھے

تو بیر بر بھی اکبر کے تاج کا ایک بہا جوہر تھا - یہی وہ چیز تھی کہ جس نے راجپوتون اور برہمنون کو سلطنت کا اس درجہ خیر خواہ بنا دیا تھا کہ وہ اپنے باقی ہموطنون اور ہم مذہبون کے مقابلے مین لڑنے اور جان دینے مین تامل نہ کرتے تھے - معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو رات دن یہی فکر رہتی تھی کہ وہ ہندوستان کی مختلف قومونکو ایک کر کے ایک زبردست قومی سلطنت قائم کرے اور اسی لئے اُس نے قدیم راجپوت خاندانون سے رشتہ داری کی بنیاد ڈالی کہ خاندان شاہی سے جو مغائرت تھی وہ یگانگت سے بدل جائے اور اسی غرض سے سنہ ۲۳ جلوس مین اُس نے عبادت خانہ فتحپور سیکری مین اُن قابل یادگار مذہبی مناظرون کو قائم کیا جن مین ہر قوم و ہر مذہب کے علما حصہ لیتے اور نہایت آزادی سے اپنے اپنے مذاہب کے اصول کی تشریح کرتے تھے - اِن مناظرون کا یہ نتیجہ ہوا کہ اکبر جو زیور علم سے عاری تھا اُس بلندی خیال پر پہونچگیا جو خاص فلاسفرون کا حصہ ہے اور جہان سے ہر مذہب کے ابتدائی اصول یکسان حقانیت کا رنگ لئے ہوئے آتے ہین - اِن کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوا کہ جو لوگ شریک ہوئے تھے اُنمین وسعت نظر کی ترقی کی وجہ سے تعصب خواہ مخواہ کم ہو گیا اُس زمانے مین مذہب اسلام کی بھی صدیون کی تقلید اور پیشوایان مذہب کی طمع آزمائیون کی وجہ سے عجب کیفیت ہو رہی تھی - سادگی جو اسلام کے لئے مخصوص ہے نام کو باقی نہ رہی تھی اور مذہب خارج از عقل اعتقادات اور بیجا توہمات اور تقلیدی تخیلات کا ایک مجموعہ ہو گیا تھا اور پیشوایان مذہب کی اُس سے بھی بدتر حالت تھی کہ گو ریاکاری کا جامہ ہر وقت زیب بدن رہتا تھا لیکن جاہ طلبی کے پیچھے احکام مذہبی کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے اور جیسا موقع ہوتا تھا ویسا ہی فتویٰ دینے کے لئے موجود ہو جاتے تھے - اس کے متعلق مخدوم الملک اور صدر جہان کے کارنامے اور دنیا سازی قابل ملاحظہ ہین - انھین وجوہ سے اکبر کا ابتدائی جوش مذہبی جو اُسے اجمیر شریف کو پاپیادہ لیجاتا اور یامعین کے وظیفے مین دن رات مصروف رکھتا تھا ٹھنڈا ہوتا گیا اور وہ اس نتیجے کے نکالنے پر مجبور ہوا کہ تا وقتیکہ تقلید کے اس مضبوط جال سے جس نے لوگون کے اذہان کو مقید کر رکھا ہے نجات نہ ملے کسی پائدار اصلاح کی امید نہین ہو سکتی چنانچہ اُس نے سنہ ۲۴ جلوس مین علما سے استشہاد کی

سند حاصل کی[1]۔ اور مذہب الٰہی کی بنیاد ڈالی جو تمام مروجہ مذاہب کے لوگون کے لیئے یکسان کھلا ہوا تھا۔ اِس مین شک نہین کہ یہ کام ایک جاہل ترک کی قدرت اور منصب سے بالا تھا اور اِسی وجہ سے اُس مین باوجود ابوالفضل و فیضی کی ذہانت آرائیون کے جیسی کامیابی ہونی چاہیئے تھی نہ ہوئی بلکہ کھیل تماشہ بنکر رہگیا لیکن اُسکا اِتنا اثر ضرور رہا کہ تعصب کی بلا جو اہل ملک کو باہمی اختلافات کی وجہ سے سر نہ اُٹھانے دیتی تھی یک لخت رفع ہوگئی اور تنگ دلی کی جگہ وسعتِ خیال نے لوگون کے دلون مین لی۔ گو وہ خود علم سے بے بہرہ تھا لیکن وہ بخوبی جانتا تھا کہ تعصب کی بنیاد جہالت ہے اور اُس کے رفع اور اقوام ماتحت پر ٹھیک طور پر حکومت کرنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ اُن کے حالات و علوم سے زیادہ واقفیت حاصل کیجائے اور اِسی لحاظ سے اُس نے خلفائے بغداد کی طرح ایک سررشتہ ترجمہ قائم کرکے بیسیون سنسکرت کتابون کے ترجمے شائع کرائے۔ داڑھی منڈوانے۔ گائے کے گوشت اور لہسن پیاز کے کھانے سے اجتناب کرنے اور رسم کے موقعون پر قشقہ لگانے کی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ حاکم و محکوم کے خیالات مین جو اختلاف ہے وہ باقی نہ رہے۔ اکبر بخوبی جانتا تھا کہ وہ مسلمان تو ہے ہی اور اِس لیئے اگر اتحاد و یکجہتی قائم کرنے کے لیئے اُس کو ضرورت ہے تو ہندؤن کی باتین اختیار کرنے کی ہے۔ قومون اور مذاہب کے اختلافات رفع کرنے کے بعد اُس نے اُن اصلاحون کی طرف توجہ کی جو جماعت انسانی کی ترقی کے لیئے ضروری ہین۔ نظام معاشرت کا دارومدار شادی بیاہ پر ہے اور اُن کے متعلق آئے دن لڑائی جھگڑے پیدا ہوتے رہتے ہین جو خاندانون کو تباہ کردیتے یا خود شوہر یا زوجہ کی زندگی خاک مین ملا دیتے ہین یا اگر ابتداء مین کافی احتیاط نہ کی جائے تو اُنکا اثر موجودہ نسل سے لیکر آئندہ نسل تک پہونچتا ہے۔ اکبر نے نہایت دور اندیشی سے قرار دیا کہ قریب کے رشتہ دارون مین شادیان

---

[1] بعض انگریز مورخون مثل الفنسٹن و بلاک مین نے اِس محضر کو بہت بڑی چیز سمجھا ہے۔ مگر یہ درحقیقت کوئی نئی بات نہ تھی خلفائے راشدین کے علاوہ خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباس کی امامت معاملات مذہبی مین مسلم تھی اور اِسی طرح ترکون مین شیخ الاسلام اب تک مجتہد کا مرتبہ رکھتے ہین اور اہل تشیع مین کوئی زمانہ ایسا نہین ہوتا جس مین چند مجتہد موجود نہ ہون۔

نہ ہوا کرین اور اسیطرح کسی کی شادی سن بلوغ کو پہونچنے سے پہلے یا اگر عورت کی عمر
مرد سے بارہ سال زیادہ ہو نہوا کرے اور ایک سے زیادہ عورت کرنا بھی ناپسندیدہ
ہے اور اُن امور کی نگرانی کی غرض سے یہ قاعدہ بنادیا کہ تمام شادیون کا داخلہ
دفاتر سرکاری مین رہا کرے۔ ہندوستان کی اعلےٰ قومون مین بیواؤن کے
عقد ثانی کا رواج نہ ہونے سے نظام معاشرت مین جو خرابیان پڑتی ہین وہ محتاج
بیان نہین ہین اور گو اس قسم کے امور مین قانونی مداخلت مناسب نہین ہوتی لیکن
اکبر نے اس کے متعلق بھی دور اندیشی سے ایک نہایت مفید قاعدہ بنادیا اور وہ
یہ کہ اگر کوئی بیوہ عقد ثانی کرنا چاہے تو اُس کا روکنا داخل جُرم ہوگا۔ انہین سے اکثر
وہ اہم اصلاحین ہین جنکے لیے آجکل کے سوشل رفارمر زور دے رہے ہین مگر نقارخانے
مین طوطی کی آواز کوئی نہین سُنتا۔ ستی کی ظالمانہ اور قبیح رسم کے انسداد کا فخر بھی
اکبر ہی کو حاصل ہے۔ اور وہ اپنے قوانین کا ایسا دلدادہ تھا کہ ایک مرتبہ جب راجہ
جے مل مہم بنگالہ کے راستے مین بمقام چانسہ پہونچکر فوت ہوا اور اُسکے رشتہ دارون
نے اُسکی رانی کو ستی ہونے پر مجبور کیا تو اکبر ایک طول طویل سفر کر کے خود جا پہونچا
اور اُس کو اس شرمناک فعل سے باز رکھا۔

تعلیم چونکہ غذائے روح ہے اور قومی ترقی کا اُسپر دارومدار ہے اس لیے اکبر
نے اس طرف بھی پوری توجہ کی اور ایک مفید نصاب مقرر کر کے طریقہ تعلیم مین بھی
ایسی مفید اصلاحین کین کہ بقول ابوالفضل کے جو باتین برسون مین نصیب ہوتی تھین
وہ مہینون مین حاصل ہونے لگین۔ لوگون کی بداخلاقی کو محاصل آبکاری قائم کر کے بھی
اُس نے اپنے خزانے کے بھرنے کا ذریعہ نہین بنایا۔ لیکن اُسی کے ساتھ بمقتضائے
عین محتسب را درون خانہ چہ کار۔ یہ بھی تاکید کردی کہ اگر کوئی چھپ چھپا کر مسکرات کا
استعمال کرے تو اُس سے مزاحمت بھی نہ کی جائے۔ اس زمانے مین محاصل آبکاری
اور مسکرات پر جس قسم کے اعتراضات ہمارے پولٹیکل رفارمر کیا کرتے ہین وہ محتاج
تشریح نہین ہین اور نہ اس امر کے بیان کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ کس حد تک
اکبر کے انتظام پر عائد ہوسکتے ہین۔ علم اور روشنی اور صنعت و حرفت کی ترقی کیلئے
اُس نے یہ تدبیر اختیار کی کہ ہر ایک شے کی ترقی کا ایک ایک امیر کو ذمہ دار قرار دیا او

اس امر کی نگرانی کے لیے کہ اُنھون نے اپنے اس خاص فرض پر کس حدتک توجہ کی جو جشن نوروز کے بعد خاص محلات شاہی مین ایک بڑا بازار لگتا تھا جس مین خود بادشاہ اور امرا و محل کی بیگیات خرید و فروخت کرتی تھین اور ہر شخص اپنا کمال دکھانے کی کوشش کرتا تھا - اس بازار کو موجودہ نمائشون کی ابتدا سمجھنا چاہیئے - دوسرے طور پر بھی اُس کو تجارت کی ترقی کا بڑا خیال تھا جس کا ایک شمہ والا نون کا تقرر بھی تھا غربا کی امداد کے لیے پائے تخت کے باہر دو عالیشان مکان خیر پورہ اور دھرم پورہ کے نام سے تعمیر کرائے جنمین سے ایک مسلمانون کے لیے مخصوص تھا اور دوسرا ہندوُن کے لئے اور اُنمین ہر وقت ہر شخص کو تیار کھانا ملتا تھا اور جب ان مکانون مین جوگی زیادہ جمع ہونے لگے جس سے دوسرون کی حق تلفی ہوتی تھی تو اُن کے لیے ایک علیحدہ مکان بنام جوگی پورہ تعمیر کرایا گیا - انتظام سلطنت کی خوبی کا دارومدار چند امور پر ہے شخصی آزادی - امن و امان - محصولون کا معتدل ہونا اور مقررہ شرح سے لیا جانا اور راستون کا درست حالت مین رہنا - اگر اس اعتبار سے اکبر کے عہد پر نظر ڈالی جاسے تو وہ بھی کسی سے پیچھے نہ نظر آئیگا - شخصی آزادی کی تو یہ کیفیت تھی کہ ہر شخص کو اختیار تھا کہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اس مین یہانتک اہتمام تھا کہ اگر کوئی ہندو لڑکا بچپن مین مسلمان ہو جائے تو سن بلوغ پر پہونچنے کے بعد اُسکو اپنے آبائی مذہب پر عود کرنے کا پورا اختیار تھا اور اسی طرح اگر کوئی ہندو عورت کسی مسلمان کے گھر مین پائی جائے تو وہ اپنے ورثا کے پاس پہونچا دیجائے اس زمانے مین پادری لوگ شخصی آزادی کے بھیس مین جو لوگ مختلف قومون کے یتیم بچّون سے کرتے یا بعض صورتون مین زنانہ مشن کے ذریعے سے جاہل عورتون کو اُنکے آبائی مذہب سے متنفر کرکے خانہ بربادی کا موجب ہوتے ہین اسکے بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہین ہے قیام امن و امان کے متعلق بھی اکبر نے نہایت دانشمندانہ احکام جاری کیئے تھے جیسا کہ اشخاص جرائم پیشہ و دار ... و صادر کی نگرانی ہر محلہ مین ایک ایک شخص کے نام میر محلہ ذمہ دار انتظام قرار دیئے جائین اور کوتوال اور چوکیدار وغیرہ کے فرائض اور ذمہ داریون سے معلوم ہوتا ہے اور خلق اللہ کی دادرسی اور اُنکے نزاعات باہمی کے تصفیہ کے لئے قاضی و میرعدل تھے جنمین سے

قاضی کا کام تحقیقات۔ اور میر عدل کا فیصلے صادر کرنا تھا اور سب کی نگرانی کے لیے ایک اعلیٰ عہدہ دار بنام صدر جہان مقرر تھا۔ فرائض کی اس تقسیم سے ظاہر ہوتا ہے کہ انصاف رسانی کا کام کیسی احتیاط سے ہوتا ہوگا اور لطف یہ ہے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ شخص بلا کسی خرچ کے عدالتہائے شاہی سے فیضیاب ہو سکتا تھا کیونکہ اُس زمانے مین نہ کوئی قانون اسٹامپ تھا اور نہ گروہ وُکلا۔ محصولات کے متعلق اکبر کی جو توجہ ابتدا سے تھی اُس کا ذکر پہلے ضمناً آچکا ہے۔ اُس نے نہایت استقلال اور دانشمندی کے ساتھ اُن تمام محصولات کو قطعاً موقوف کر دیا جو قومی ترقی مین حارج یا لوگون کی دل آزاری کا موجب تھے اور جو محصول باقی رکھے اُن کے متعلق بھی صاف و صریح قاعدے بنا دئے۔ انتظام مالگزاری کے متعلق بہت ضروری اُصول یہ ہین کہ اراضی زیر کاشت کا رقبہ معین ہو۔ لگان چند سال کی اوسط پیداوار کے لحاظ سے بہ لحاظ اقسام اراضی ایسی معتدل شرح سے معین کیا جائے جس مین بُری اور بھلی دونون قسم کی فصلون کا لحاظ رہے اور کاشتکارون کو علاوہ اپنی مقبوضہ زمین کے اراضی اُفتادہ کے لینے کی ترغیب ہو۔ یہ اُصول تو نفع سرکاری کے لحاظ سے ضروری ہین لیکن کاشتکارون کا فائدہ اسمین ہے کہ زمین کے متعلق اُن کو حق مقابضت حاصل ہو کہ ترقی اراضی و کاشت کی ترغیب ہو اور لگان کی شرح معین اور معلوم ہو کہ عمال کو زیادہ ستانے کا کا موقع نہ ملے اور اس قدر نرم ہو کہ اُس کو ہر سال کچھ پس انداز ہوتا رہے تاکہ بصورت خرابی فصل بسر اوقات بہ آسانی ہو سکے۔ یہی اُصول تھے جن پر ٹوڈرمل اور مظفر خان کا بندوبست مالگزاری مبنی تھا اور وہی اسوقت تک بھی قوانین مالگزاری کی بنیاد ہین۔ ضلع کا حاکم مال عامل گزار کہلاتا تھا جس کو وصول مالگزاری کے متعلق بلحاظ حالات فصول وسیع اختیار ہوتے تھے اور صوبہ کا گورنر سپہ سالار ہوتا تھا۔ علم اعداد جس کو اس زمانے مین اسقدر ترقی ہوئی ہے کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے ایک مستقل سررشتہ مقرر کیا اور جملہ دفاتر سرکاری کا بڑا وقت ترتیب نقشہ جات مین گزرتا ہے اور جو نتائج اُن سے مستخرج ہوتے ہین اُن سے نگرانی و انتظام مین بڑی مدد ملتی ہے اس کی بنیاد بھی ہندوستان مین اکبر ہی نے ڈالی تھی اور

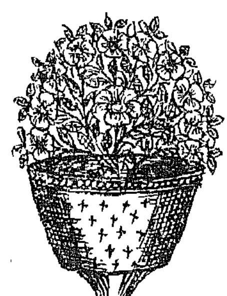
جو کیفیتین افسران مفصلات روزانہ اور ہفتہ وار اور ماہانہ پیش کرتے تھے اُن سے حکام صدر کو نگرانی کا عمدہ موقع ملتا تھا۔ اب اگر آسانی راہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ محاصل راہداری قطعاً موقوف کر دیئے گئے تھے اور حسن انتظام کی وجہ سے ہر شخص بےخوف ایک مقام سے دوسرے مقام پر جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ابتدائی عہد مین آگرہ سے اجمیر شریف تک ایک پختہ سڑک جس پر کوس کوس بھر کے فاصلے پر چھوٹے چھوٹے مینارے اور کنوئین اور ہر منزل پر سرائین جہان کھانا تیار ملتا تھا اکبر کی خوش اعتقادی نے بنوا دی تھین۔ مگر سنہ ۲۸ جلوس مین رفاہ خلق اللہ کے خیال نے اس حکم کو عام کر دیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اکبر کو اس کی تکمیل کا موقع نہین ملا۔ سنہ ۴۲ جلوس مین ایک قحط پڑا۔ اور اکبر نامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکبر نے غربا و محتاجین کی امداد کا خاص انتظام کیا اور اس کام کے لیۓ خاص خاص عہدہ دار بھی مقرر کیۓ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مبارک طریقے کا بانی بھی جس نے برٹش گورنمنٹ کے روشن زمانے مین متعدد فیمین کمیشنون کی بدولت بہت کچھ ترقی کی ہے اکبر ہی تھا ہم نے صرف اُن بڑے بڑے صیغون کا مختصر حال لکھا ہے جنکا اثر خلق اللہ پر پڑتا ہے اس کے علاوہ باقی جتنے صیغے مثل دار الضرب و خزانہ و شترخانہ و فیل خانہ وغیرہ وغیرہ تھے اُن کے آئین بھی نہایت باریک نظری سے مدوّن کیۓ گۓ غرضکہ سلطنت کا کوئی صیغہ ایسا نہ تھا جس کو اکبر کی دانشمندی سے فائدہ نہ پہونچا ہو۔ اب اگر سرکاری انتظامات سے گزر کر اکبر کی پرائیویٹ لائف (نجی زندگی) کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ عجیب محبت کے قابل آدمی تھا۔ اسکی خوش مزاجی کی یہ کیفیت تھی کہ کیسا ہی خشک آدمی اُسکی مجلس مین شریک ہو ممکن نہین کہ باغ باغ نہو جاۓ۔ مروت و رحم کا تو وہ پتلا تھا جس شخص کی بھی اُس تک رسائی ہو جاتی عمر بھر کے لیۓ فارغ البال ہو جاتا تھا اور جس زبردست دشمن نے سر اطاعت اُسکے سامنے جھکایا اُسکا دریاۓ عفو و کرم جوش مین آیا اور اُسکو اپنے اُمراۓ خاص مین داخل کیا۔ کھانا صرف ایک وقت کھاتا تھا اور خواہشات نفسانی کا بھی پابند نہ تھا۔ گو پڑھا لکھا نہ تھا مگر اپنا اکثر وقت علمی مجلسون اور ہر قسم کی کتابون کے سننے مین صرف کرتا تھا اور علماء کی خواہ وہ کسی قوم اور مذہب کے ہون بڑی قدر کرتا تھا۔ اسمین مردم شناسی کا مادہ اعلیٰ درجے کا تھا۔ اور انتخاب کی یہ خوبی تھی کہ جو شخص جس کام کا اہل ہوتا تھا وہی اُسکے سپرد کیا جاتا تھا وہ

اسی وجہ سے اُس کے منصوبے بہت کم ناکامی کی شکل دیکھتے تھے اور اسکی بدولت وہ وہ جواہر بے بہا اُس کے دربار کی زیب و زینت کا باعث تھے جو دکرماجیت کے نورتن کو مات کرتے تھے شکار کا بیحد شوق تھا اور ہاتھیون کا تو عاشق ہی تھا اور فن موسیقی کے رموز سے بھی ناواقف نہ تھا۔ تعمیرات عامہ کی طرف بھی بہت توجہ تھی اور بہت سے عالیشان قلعے اور عمارتین آجتک اُس کے حسن مذاق اور شاہانہ اولوالعزمی پر شہادت دینے کے لئے موجود ہین۔ قدرت نے جیسا حسن سیرت سے آراستہ کیا تھا ویسا ہی حُسن ظاہری بھی عطا فرمایا تھا۔ جہانگیر نے بیٹے کی محبت اور نقاش کے قلم سے اُسکی تصویر تزک جہانگیری مین کھینچی ہے جس کا ترجمہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے۔

بلند بالا۔ قد میانہ۔ گندمی رنگ۔ آنکھون کی پتلیاں اور بھوین سیاہ رنگت گوری تھی مگر اُسمین پھیکا پن نہ تھا۔ نمکینی زیادہ تھی۔ شیر اندام سینہ کشادہ چھاتا اُبھرا ہوا۔ دست و بازو لمبے۔ بائین نتھنے پر ایک مسہ چنے کے برابر جس کو ماہرین فن قیافہ شناسی بہت مبارک سمجھتے تھے۔ آواز بلند اور گفتگو مین ایک خاص لوچ اور قدرتی نمکینی تھی اور رہج وہج مین عام لوگون کو اُن سے کچھ مناسبت نہ تھی شکوہ خُداداد اُن کے چہرے سے ظاہر تھی۔"

آخر عمر مین نالائق اولاد نے اِس محب وطن بادشاہ کو بہت سے داغ دیئے اور وہ اِسی رنج و غم مین ۳۰ جمادی الآخر سنہ ۱۰۱۴ھ مطابق (ستمبر سنہ ۱۶۰۵ع) کو دُنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھارا اور سکندرہ کے عالیشان مقبرے مین اپنے پرعظمت کارنامے ہمیشہ کے لیے یادگار چھوڑکر دفن ہوا۔ اگرچہ اکبر مین چندر گپت کی شجاعت اور اولوالعزمی۔ اشوک کی نیک نفسی اور انضباط قوانین اور بکرماجیت کی شان و شوکت اور قدردانی علم و ہنر جمع تھے لیکن اُسنے جس کام کی بنیاد ڈالی تھی وہ ایک شخص کے بس کا نہ تھا اور چونکہ اُس کے جانشینون مین کوئی اُس کا ہمخیال پیدا نہ ہوا اِس لیے وہ پوری طرح پر پایۂ تکمیل تک نہ ہو سکا لیکن پھر بھی اکبر کی پرسوز کوششین بیکار نہ گئین اور یہ اُنھین کی برکت تھی کہ ہندو مسلمان باوجود حکام وقت کی بے پروائی کے نہایت سلوک اور اتفاق سے کئی صدیون تک رہے اور آپس

اس زمانے میں بھی جبکہ اجزائے اختلاف ہر طرف سے جمع ہو کر ایک پر شور سیلاب کی شکل میں نمودار ہو۔ اور قومی اتحاد کی کشتی کو ڈبونے کے لیے بھائیں بھائیں کرتے بڑھ رہے ہیں اگر کوئی امید ہے تو اسی کے مبارک نام سے ہے جو ہمارے بیڑے کو پار لگانے میں اسم اعظم کی تاثیر دکھائے گا۔ بس اے ہندو مسلمانو خواب غفلت سے بیدار ہو اٹھو اور سکندرہ کی راہ لو تاکہ اس کے مقدس مزار پر اگر ہم دو پھول چڑھائیں تو اے ہندو بھائیو! تم بھی تھوڑا پانی ڈالکر اس کی ۔ یہ کوشش کرو کیا عجب ہے کہ اس کے فیضان سے ہمارے بے بنیاد اختلافات رفع ہو کر یکجہتی کی صورت پیدا ہو جائے۔ افسوس اور شرم کا مقام ہے کہ برٹش گورنمنٹ باوجود اجنبی ہونے کے اپنے آپ کو اس کا قائم مقام اور اس کی نفائس کو باعث فخر سمجھے اور تم اپنے محبوب وطن بادشاہ کی قیمتی میراث کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو!!!



فوت اکبر شہ

اکبر جیسے اولوالعزم بادشاہ کی موت تاریخ عالم میں نہیں تو تاریخ ہندوستان میں تو ضرور ایک عظیم الشان واقعہ ہے لیکن تعجب ہی کہ معاصرین کا حافظہ اسکو بھی صحیح طور پر محفوظ نہ رکھ سکا اور اسلیے ایسے اختلافات پیدا ہو گئے ہیں جو کچھ سمجھ میں نہیں آتے۔ اگر اس کے وجوہ فطرت انسانی کی بوقلمونی پر نظر رکھکر تلاش کیے جائیں تو معلوم ہوگا کہ گو مبداء فیاض سے آنکھیں ہر شخص کو ملی ہیں مگر سب کو یکسان نظر نہیں آتا ہر چیز کی جانچ پڑتال اور تہ کو پہونچنے کے لیے ایک خاص نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکبر کے وقت کے سب سے معتبر مورخ تین ہیں (۱) ابو الفضل (۲) مُلّا عبدالقادر بدایونی (۳) نظام الدین احمد بخشی اکبر نامہ جو ابو الفضل کے پُرزور قلم اور قوت دماغ کی یادگار ہے اگرچہ مشاہیر پرستی کی بدولت جو خاندان شیخ مبارک کے عروج کا راز ہے اکبر کے عہد کے ہر کارنامے میں ایک غیر فانی روشنی کی جھلک دکھاتا ہے اور گو قدم قدم پر شہانے الفاظ کی خوش آہنگ گھٹائیں مطلع معنی کو تاریک کرتی ہوئی نظر آتی ہیں مگر صداقت کی بجلی دم بدم چمک کر رہنمائی کرتی اور مورخ کے قلم کو جادۂ مستقیم سے ہٹنے نہیں دیتی۔ مُلّا ئے بدایونی کی نظر کو اگرچہ دینداری کی کساد بازاری نے اسقدر دُھندلا کر دیا ہے کہ وہ ہر چیز کو تعصب کی عینک لگا کر دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نقاش کا قلم اور مصور کی نظر اپنے ساتھ لایا تھا اور جو چیز ایک دفعہ اُسکے سامنے سے گزر جاتی ہے اُس کی سچی تصویر وہ چند الفاظ میں کھینچ دیتا ہے۔ اگرچہ وہ زمانے کی ناقدری سے ہمیشہ نالان رہتا ہے اور معاصرین کی آزاد خیالی کی وجہ سے تعصب ہر چیز میں اس کو ایک نیا پہلو دکھاتا ہے لیکن وہ کسی حال میں واقعہ نگاری میں کوتاہی نہیں کرتا اور اُس کی راستبازنکتہ چینی ابو الفضل کی مشاہیر پرستی کی مکافات کر دیتی ہے۔ نظام الدین احمد بخشی گو بادشاہ کا نمک حلال ملازم ضرور ہے مگر واقعہ نگاری

کی ذمہ داری کو اتنی خوبی سے سمجھے ہوئے ہے کہ وہ دونون قسم کے تعصبات سے پاک ہو
سچ یہ ہو کہ اُس نے جس بات کا بیڑہ اُٹھایا ہو اُسکو اچھی طرح تکمیل کو پہونچایا ہو لیکن افسوس
یہ ہو کہ ان تینون حق شناس مورخون کی تصنیفات اکبر ہی کے زمانے مین ختم ہو جاتی ہین
اور اس لیئے اُس کے طویل زمانۂ سلطنت کا پورا حال ان مین نہین ملسکتا۔ اکبرنامہ
اپنے باثر مصنف کی زندگی کے ساتھ سنہ ۴۶ جلوس یعنی سنہ ۱۰۱۰ھ مین ختم ہوا۔ اور گو عبدالقادر
کا چراغ حیات سنہ ۱۰۲۴ھ مین گل ہوا لیکن منتخب التواریخ بھی صرف سنہ ۱۰۰۴ھ سے آگے
نہ بڑھ سکی اور طبقات اکبری تو سنہ ۱۰۰۳ھ ہی تک پہونچکر رہ گئی۔ اس لیئے سخت افسوس ہے
کہ ان بلند پایہ تاریخون سے اکبر کی زندگی کے آخری سنین پر روشنی نہین پڑسکتی اور
یہی وجہ ہو کہ اُسکی تاریخ وفات تک مین اختلاف پیدا ہو گیا ہو۔ لیکن پھر بھی غنیمت ہو
کہ بادشاہ کے حکم سے اکبرنامہ کا تکملہ شیخ عنایت اللہ نے لکھا اور گو اسمین ابوالفضل کی
آمد اور زور بیان کا پتہ بھی نہین ہے لیکن اتنا بھی غنیمت ہے کہ مسلسل واقعات ملجاتے ہین
تکملہ مین نہایت تفصیل سے درج ہے کہ اکبر بتاریخ ۱۲- آبان مطابق ۲۰ جمادی الاول سنہ ۱۰۱۴ھ
بیمار پڑا اور تقریبًا ایک مہینہ تک بستر رنجوری پر دراز رہکر شب چہارشنبہ کو بتاریخ ۱۵- آذر
مطابق ۱۲- جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ واصل بحق ہوا۔ اگرچہ بظاہر یہی تاریخ صحیح معلوم ہوتی
ہے کیونکہ شیخ عنایت اللہ کو جیسے ذرائع معلومات تھے ایسے دوسرے شخص کو نہ ہوسکتے
تھے لیکن دوسری تاریخون کے دیکھنے سے اسمین شبہہ پڑجاتا ہے۔ مآثر رحیمی مین جسکو
عبدالباقی نہروندی نے اپنے مربی مرزا عبدالرحیم خانخانان کے خوش کرنے لیئے لکھا تھا
اکبر کی تاریخ وفات ۲۳- جمادی الاول سنہ ۱۰۱۴ھ درج ہو اور واقعات جہانگیری مین خود
جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کی تاریخ روز پنجشنبہ ۸ جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ لکھی ہے۔ یہ تو
ظاہر ہے کہ مآثر رحیمی مین جو تاریخ درج ہے وہ کسی طرح صحیح نہین ہے لیکن جہانگیر نے جو تاریخ
اپنی تخت نشینی کی لکھی ہو اُس سے سخت شبہہ ہوتا ہو کہ جو تاریخ تکملہ اکبرنامہ مین درج ہے
وہ صحیح نہین ہو لیکن قبل اسکے کہ شبہہ قرینۂ قاطعہ کی حد تک نہ پہونچے۔ ضرور یہ ہو کہ اسکو
اصول روایت و درایت سے جانچا جائے اصول روایت کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے
تو معلوم ہوگا کہ تکملہ کا مصنف شیخ عنایت اللہ سرکاری وقائع نگار تھا اور اس لیئے
اُسکا ایک ایسے اہم واقعے مین غلطی کرنا تقریبًا امکان سے خارج ہو اور اس کے

بیان کی تصدیق انفع الاخبار مصنفہ محمد امین قلی اور نیز ہندوستان کی سب سے معتبر تاریخ
تاریخ فرشتہ" سے بھی ہوتی ہو کیونکہ انفع الاخبار مین تاریخ وفات ۱۲ جمادی الثانی سنہ ۱۰۱۴ھ
ہے اور تاریخ فرشتہ مین ۱۳ جمادی الثانی جو اُسکے قریب ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونون
مورخ بھی اکبر کے ہمعصر تھے - اب اگر اصول درایت کے لحاظ سے دیکھا جاے تو ظاہر
ہوگا کہ انتخاب جہانگیری مصنفہ شیخ عبد الوہاب مین درج ہے کہ جہانگیر چہارشنبہ کا دن
نہایت منحوس سمجھا کرتا تھا اور اسی لحاظ سے اُسنے اُسکا نام کم شنبہ رکھا تھا اور اُس کی
بڑی وجہ یہ تھی کہ اُس دن اکبر شاہ کا انتقال ہوا تھا - پس اس سے ایک امر تو قطعی طور
پہلے ہو گیا کہ اکبر کا انتقال چہارشنبہ کے روز ہوا - اور یہی تکملہ مین درج ہو - اب جہانگیر
نے جو تاریخ اپنی تخت نشینی کی قرار دی ہے اُس پر غور کرتے ہین - جبکہ یہ امر مسلم ہے
کہ اکبر کا انتقال چہارشنبہ کو ہوا اور اُس روز جمادی الثانی کی ۱۲ تاریخ تھی تو ممکن نہین کہ
۸ جمادی الثانی کو پنجشنبہ کا دن پڑے بلکہ پنجشنبہ تاریخ مذکور کے عین ماقبل ۶ جمادی الثانی
کو پڑتا ہے اور مابعد ۱۳ جمادی الثانی کو - پس یہ امکان سے خارج ہو کہ جہانگیر ۸ جمادی الثانی
کو تخت نشین ہوا ہو بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح تاریخ غلطی کتابت سے ۸ لکھی گئی ہے - اور
یہی قرین قیاس بھی ہو - کیونکہ واقعات اسدبیگ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر
باپ کے مرنیکے بعد دوسرے ہی روز تخت نشین نہین ہوا بلکہ چند روز تک ماتم اور
خیرات تقسیم کرنے مین مصروف رہا اور اس لیئے گمان غالب ہے کہ بروز پنجشنبہ
تاریخ ۲۰ جمادی الثانی تخت نشین ہوا ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ ۲۰ کا ہندسہ ذرا سی
بے احتیاطی سے ۸ کا ہندسہ بن سکتا ہے - پس اس مین شک نہین کہ اکبر کی وفات
کی تاریخ ۱۲ جمادی الثانی روز چہارشنبہ سنہ ۱۰۱۴ھ ہے جو ۱۳ - اکتوبر سنہ ۱۶۰۵ع سے مطابق ہوتی
ہے - رہا سال وفات وہ تو خود "فوت اکبرشہ" سے نکلتا ہے جو اس مضمون کا
عنوان ہے -

دربار بغداد کی ایک جھلک

تاریخ اسلام بتاتی ہے کہ خلافت اسلامیہ کی اصلی سادگی خلفاء راشدین کے زمانے تک قائم رہی اور جب عنان حکومت امیر معاویہ کے ہاتھ مین شخصی حکومت کی صورت مین آئی تو جمہوری اُصول کے خاتمہ کے ساتھ ابتدائی سادگی کی بنیاد بھی کمزور ہو گئی اور بنی امیہ کی ملکی حکومت کے ساتھ شان و شوکت بھی بڑھتی گئی یہان تک کہ عبد الملک اور ولید کے زمانے مین اُسکی صورت ایک عظیم الشان خود مختار حکومت کی ہو گئی لیکن پھر بھی بنی امیہ کے زمانہ حکومت پر ایک حد تک عربی آزادی عربی بے تکلفی اور عربی اخلاق کا رنگ چڑھا رہا یہان تک کہ ایک بدوی کو بھی دربار خلافت مین بار مل سکتا تھا اور وہ نہایت بے تکلفی سے امیر وقت کی شان مین جو چاہتا تھا کہہ گذرتا تھا۔ لیکن جب زمانہ کی اُلٹ پھیر نے ابو مسلم خراسانی کو خاک ایران سے اُٹھا کر بنی امیہ کو نیست و نابود کیا اور تاج خلافت بنی عباس کے سر پر رکھا تو جس طرح کہ ابتدائے سادگی کا خاتمہ دولت بنی امیہ کے قیام کے ساتھ ہوا تھا رہی سہی عربی شان کا خاتمہ بنی عباس کے ہاتھ مین جن پر ایران کی آب و ہوا پورا اثر کر گئی تھی علم سلطنت آنے کے ساتھ ہو گیا اور منصور نے تو بغداد کو مدائن قدیم دار السلطنت ایران کے قریب آباد کر کے اس امر کا اعلان کر دیا کہ گویا سلطنت ایران دوبارہ زندہ ہو گئی بلکہ اسی وجہ سے اس نے یہ کوشش بھی کی گو کہ اس مین کامیابی نہین ہوئی کہ وہان کے محلات کو اُکھاڑ کر سرزمین بغداد پر قائم کرے۔ خلفائے بنی عباس کے زمانے مین بوجہ اسکے کہ اکثر قبائل عرب کی نسبت گمان تھا کہ وہ بنی امیہ کے ہمدرد ہین اور اُنکا عروج جو کچھ ہوا تھا وہ عجمی تلوارون کی بدولت ہوا تھا۔ اس امر کی بھی قید باقی نہین رہی کہ ارکان سلطنت شرفائے عرب مین سے ہون بلکہ ابتدا ہی سے اُنکے مشیر و ندیم اکثر ایرانی ہوتے تھے اور

اسی وجہ سے سلطنت کی ترقی کے ساتھ قدیم عربی سادگی کے بجاے ایرانی تکلفات قائم ہونے لگے اور عام طرز معاشرت پر بھی ایرانی تمدن کا رنگ چڑھتا گیا یہان تک کہ آخر زمانہ مین خلفاے بنی عباس کج کلاہان ایران کیطرح کسی کو اس قابل بھی نہ سمجھتے تھے کہ کوئی اُنکی صورت دیکھے۔ شخصی سلطنت مین یہ بہت بڑی خرابی ہے کہ تمدنی ترقی انحطاط قوت کے دوش بدوش ہوتی ہے اور اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جسقدر قوم مین تمدنی ترقی ہوئی اور سلطنت کی ظاہری شان وشوکت بڑھی اُسیقدر اصلی قوت مین کمی ہوتی گئی۔ خلفاے اسلام کی سادگی کی تو یہ کیفیت تھی کہ جب امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے مین قیصر روم کا قاصد آیا تو آپ مسجد نبوی مین عام فقرا کے ساتھ سوتے ہوے پائے گئے لیکن اُسی کے ساتھ سطوت وجبروت کی یہ کیفیت تھی کہ خسرو ایران وقیصر روم باوجود ہزار کوس کے فاصلے کے اپنے زرنگار تخت پر بیٹھے ہوے لرزتے تھے۔ یہ تو پہلا سین ہوا اب آخری سین دیکھیے کہ ظاہری شان وشوکت کا کیا عالم تھا اور رعب وداب کی کیا کیفیت تھی۔ امیر معاویہ کے زمانے سے قیصر قسطنطنیہ سے جنگ کا سلسلہ چلا آتا تھا اور تخت حکومت کے ساتھ یہ مرض مزمن بھی بنی عباس کو ملا تھا خلیفہ المقتدر باللہ کے زمانے مین بھی جو سنہ ۹۰۸ع مین تخت خلافت پر تیرہ سال کے سن مین تخت نشین ہوا یہ موروثی مرض اپنی بہار دکھا رہا تھا اور سنہ ۹۱۷ع مین ادھر تو المقتدر کی یہ حالت ہوئی کہ اندرونی بغاوتون نے سر اٹھایا اُدھر ملکہ زوئی کو جو اپنے فرزند قسطنطین ہفتم کی طرف سے فرمان روا تھی اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اپنے لشکر کو سرحد شام سے ہٹا کر مصری سرحد پر بلغاریہ کے نیم وحشی گروہون کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے جمع کرے غرضکہ فریقین کے ایسے حالات تھے کہ صلح مقابلہ جنگ غنیمت سمجھی گئی لیکن چونکہ حال مین اسلامی سپاہ کو زیادہ کامیابی ہوئی تھی اس لیے تقدیم ملکہ زوئی کی طرف سے ہوئی اور اُسنے اپنی طرف سے دو سفیر جن کے نام جان رہادوسی اور میکائیل تھے صلح کرنے کے لیے بھیجے جس با عظمت دربار مین یہ سفیر امیر المومنین کے حضور مین حاضر ہوے تھے اُسکے حالات ابھی تک تاریخ خطیب کے صفحون مین جسکے تین نسخے برٹش میوزیم مین موجود ہین دستبرد زمانہ سے محفوظ ہین اور ان سے اسکی پوری روشنی بنی عباس کی شان وعظمت اور اُس زمانہ کی طرز معاشرت پر پڑتی ہے

کہ اُس زمانے کی تصویر ہماری آنکھون کے سامنے آجاتی ہے۔ ان حالات کی
اشاعت اس زمانے مین اور بھی زیادہ مناسب ہوگی کہ لارڈ کرزن کی جاہ پسندی
نے دربار تاجپوشی کے ذریعے سے اس امر کی کوشش کہ ایشیائی شان و شوکت
کی ایک ایسی یادگار قائم کی جائے کہ اُسکی مثال زمانۂ قدیم مین بھی نہ مل سکے۔ لیکن
اس قدیم دربار کے حالات کے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگر اہل یورپ مادّی
ترقی مین ہم سے کہین آگے بڑھ گئے ہون لیکن جہانتک کہ ظاہری شان و شوکت اور
تزک و احتشام کا تعلق ہو وہ اہل ایشیا کے پاسنگ کو بھی نہین پہنچ سکتے۔ اس دربار کے
حالات بیان کرنے مین ہمنے اس سے زیادہ تصرف نہین کیا ہو کہ تمام معتبر روایتون کو
ایک سلسلہ مین منتظم کر دیا ہے۔

جب قیصر روم کے سفیر تکریت پہونچے تو دربار خلافت سے حکم ہوا کہ وہ وہین
دو مہینہ تک رکے جائین چنانچہ اُسکے بعد اُنکو آگے بڑھنے کی اجازت ہوئی اور بغداد مین
جب پہونچے تو ایک عالیشان محل اُنکے رہنے کیلئے دیا گیا جس کا نام دار الصید تھا اور
وہان بھی دو مہینے تک اُنکی ضیافت و مہمانی ہوتی رہی۔ ادھر المقتدر نے ارادہ کیا کہ
سفیران روم کو خلافت اسلامیہ کی شان و عظمت کا ایسا تماشا دکھایا جائے کہ وہ اپنے
بادشاہ کی بے حقیقتی کے قائل ہو کر صلح کو ذریعہ نجات سمجھین اور آئندہ لڑائی کا نام بھی نہ لین۔
دو مہینے تک برابر محلات شاہی کی آراستگی ہوتی رہی اور تمام ساز و سامان درست ہو گیا تو
سفیرون کو اطلاع دیگئی کہ وہ تیار رہین صبح کو شرف باریابی حاصل ہوگا۔ دوسرے روز
صبح ہی سے تمام شہر مین عجیب دھوم دھام مچی ہوئی تھی۔ ایک لاکھ ساٹھ ہزار سوار اور
پیدل زرق برق لباس پہنے اور مختلف قسم کے مرصع ہتھیارون سے مسلح باب الشماسیہ سے
لیکر ایوان خلافت تک دو صفون مین خوش ترتیبی سے کھڑے کیے گئے۔ سوارون کے زین
سونے اور چاندی کے تھے اور اُنکے سامنے اُنکے کوتل گھوڑے مرصع زیورات اور قیمتی
زینون سے آراستہ استادہ کیے گئے تھے ہر گلی کوچے مین خلائق کا ہجوم تھا۔ اژدہام [illegible]
سڑکون بازارون دوکانون بالاخانون پر جہان نظر جاتی تھی لوگون کے پرے [illegible]
کے سوا کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ موقع کی دوکانون اور بلند بالاخانون کو لوگون نے بہت
بہت سے درہمون پر کرایہ پر لیا تھا[1]۔ دریائے دجلہ مین بھی عجیب عالم تھا قسم قسم کی کشتیان

[1] اس زمانے مین ایسے موقعون پر یورپ کے شہرون مین بڑے بڑے کرایہ دیکر لوگ بالاخانے وغیرہ لیتے ہین اس بیان سے معلوم
ہوگا کہ یہ طریقہ قدیم سے چلا آتا ہو۔ ۱۲

اور زر درقین اور ریشمی جو نہایت نفاست کے ساتھ آراستہ کیے گئے تھے خوشنما ترتیب سے
سجے تھے۔ غرضکہ جسطرف دیکھو عجیب سماں نظر آتا تھا۔ اتنے مین سفیر بھی گھوڑون پر سوار ہوکر
دار صاعد سے روانہ ہوئے۔ آہستہ آہستہ تمام شہر کا چکر کاٹتے ہوئے ایوان خلافت کے
دروازے پر پہونچے جس کا نام باب عامہ تھا۔ ایوان خلافت کی آراستگی کا کیا پوچھنا۔
اڑتیس ہزار کمخواب کے پردے جن پر سنہری کلابتون سے پیالہ و مینا اور ہاتھی گھوڑون اور
اونٹ اور شیرون اور پرندون کی خوبصورت تصویرین کڑھی ہوئی تھین جابجا اپنی بہار
دکھا رہے تھے۔ بسنا (جو خوزستان مین ہے) اور ارمن اور واسط اور بہسنا (جو سرحد روم
پر ہے) کے بنے ہوئے پھولدار اور رساوے خوشنما پردے بھی جابجا لٹکے ہوئے تھے اور صرف
دبیق کی کامدانیون کی تعداد بھی اڑتیس ہزار تھی ساڑھے چار ہزار تو صرف سنہری کمخواب
کے پردے تھے بائیس ہزار جہرم اور دارابجرد (فارس مین) اور دالدورق (خوزستان
مین) کے بنے ہوئے رنگ برنگ کے قالین اور فرش راستون اور دیوان خانون
مین بچھے ہوئے تھے اور اسی قسم کے نرم اور قیمتی قالینون پر چلکر سفیر لوگ باب العامہ
سے لیکر دربار تک پہونچے لیکن ان مین وہ قیمتی اور خوش وضع قالین شامل نہین
ہین جو طبرستان اور دبیق کے بنے ہوئے تھے اور خاص دربار کے کمرون کے دوسرے
قالینون پر بچھے ہوئے تھے مگر ان پر جوتے پہنکر چلنے کی اجازت نہ تھی۔ محلات مین فوج کو دخل
نہ تھا بلکہ صرف خواجہ سرا اور حاجب اور رومی و حبشی غلام متعین تھے اور وہ زرق
برق لباس پہنے ہوئے محلات کے چھتون اور کمرون اور راستون مین صف بستہ کھڑے
تھے۔ ان خواجہ سراؤن کی تعداد سات ہزار تھی۔ جن مین سے چار ہزار آدمی اور تین ہزار
حبشی تھے ان کے علاوہ حبشی غلامون کی تعداد چار ہزار تھی۔ سفیر جب باب العامہ سے داخل ہوئے
تو ابو عمر طرسوسی جس کا لقب صاحب السلطان تھا اور جو سرحد شام کی فوج کا سرگروہ
تھا ایک سیاہ قبا پہنے اور تلوار پر تلے مین لگائے اُنکے ہمراہ ہوا اور اُن کو اُس محل مین
لیگئے جو خان خیل کے نام سے مشہور رہا۔ اس محل مین چار طرف عالیشان دالان بنے ہوئے
تھے جنکے ستون سنگ مرمر کے تھے اور اُسکے دائین طرف پانچسو خوبصورت صبا رفتار
گھوڑیان جن پر سونے اور چاندی کے زین تھے کھڑی ہوئی تھین اور بائین طرف بھی
پانچسو گھوڑیان جن کی پشت پر کمخواب کے زین پوش اور چہرہ پر سنہری سہرے لٹکتے تھے

نقرائی تھین - ہر ایک گھوڑی کے سامنے ایک ایک سائیس جگمگاتا ہوا لباس پہنے ہوئے
کھڑا تھا - یہ تماشا دیکھنے کے بعد بہت سے آراستہ دیوان خانون اور چھتون سے گذر کر
باغ حیوانات مین داخل ہوئے - اس محل کے سامنے ایک باغ تھا جہان ہر قسم کے
چرندا اور پرند جمع تھے جو ان لوگون کو آتا ہوا دیکھکر اکٹھے ہوکر باغ سے نکلے اور محل کے
سامنے آکر انکو سونگھنے لگے اور انکے ہاتھون سے کچھ کھاکر چلے گئے - اس کے بعد سفیر
اُس محل مین گئے جس کا نام دار الفیل ہے اور وہان چار ہاتھی کھڑے تھے جنپر طاؤسی
اطلس کی جھولین پڑی ہوئی تھین اور ہر ایک کی پشت پر آٹھ آٹھ سندھی اور نیزہ باز آگ
لئے ہوئے بیٹھے تھے اور انکو دیکھکر رومیون پر بہت ہی خوف طاری ہوا - اُس کے بعد وہ
ایک محل مین گئے جہان سو شیر تھے پچاس دائین طرف اور پچاس بائین طرف ہر شیر کا
محافظ زنجیر پکڑے کھڑا تھا - اُس کے بعد سفیر الجوسق المحدث مین پہونچے جس کے چار طرف
خوش قطع باغ تھے - ایک باغ کے وسط مین ایک قلعی دار ٹین کا حوض تھا اور اُسمین
جس چشمہ سے پانی آتا ہو اُسکی ندی بھی ٹین کی بنی ہوئی تھی جو چمک مین چاندی کو مات
کرتی تھی - اس حوض کا طول تیس ہاتھ اور عرض بیس ہاتھ ہے اور اُسکے چارون کونون پر
ایک ایک خوشنما کوشک ہے جسمین زرین کرسیان بچھی ہوئی تھین جو دبیق کی بیش بہا
کامدانیون سے آراستہ کیگئی تھین اور کوشکون کے اوپر کے حصہ پر دبیق کا سنہری کام تھا -
اس حوض کے چار طرف تختے ہین جنمین چار سو کھجور کے درخت تھے اُنمین سے ہر درخت
کا تنہ بلندی مین کم سے کم پانچ ہاتھ تھا اور اُسپر جڑ سے لیکر چوٹی تک ساگون کا خول
چڑھا ہوا تھا جس پر خوبصورت کھدائی کا کام تھا اور اُسپر جابجا تانبے کے حلقے جن پر
سونے کا ملمع تھا چڑھے ہوئے تھے - لطف یہ ہے کہ یہ سب درخت پھلدار تھے اور انکا
پھل تقریبًا ہر موسم مین پختگی کو پہونچتا ہے اور سڑتا نہین - باغ کے اطراف کنارون پر
شنبویہ قسم کے سرودون کی بیلین ہین اس محل کے دیکھنے سے فارغ ہونے کے بعد وہ
دار الشجرہ مین آئے جہان ایک مدور حوض کے وسط مین جسمین شفاف پانی بھرا ہوا ہے
ایک چاندی کا درخت ہے جس کا وزن پانچ لاکھ درہم (تقریبًا ڈیڑھ لاکھ تولہ) ہے - اس
درخت کی اٹھارہ شاخین ہین اور ہر شاخ مین بہت سی ٹہنیان ہین جن پر قسم قسم کی سونے
اور چاندی کی چڑیان بڑی اور چھوٹی بیٹھی ہوئی ہین - اس درخت کی اکثر شاخین چاندی

گی ہین مگر کچھ سونے کی بنی ہین اور وہ رنگ برنگ کے پتون سے لدی ہوئی ہر طرف ہوا مین پھیلی ہوئی ہین۔ انکے جھونکون سے درخت کے پتے ہلتے اور چڑیان خوش الحانی سے گاتی اور سیٹی بجاتی ہین۔ اس محل کے ایک طرف حوض کے داہنے اور بائین طرف پندرہ پندرہ سوار وں کی قدآدم مورتین ہین جو گھوڑیون پر سوار ہین اور جن کا لباس اور گھوڑیون کا ساز ویراق سر سے پاؤن تک کمخواب کا ہے۔ سوارون کے ہاتھون مین لمبے لمبے نیزے ہین اور وہ اُن کو مقابل کی صف کی طرف بڑھائے ہوئے ہین اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا آپس حملہ کرتے ہین اور چیزین تو نہین تھین لیکن جسقدر بھی حیرت رومیون کو اس درخت کے دیکھنے سے ہوئی اتنی کسی چیز سے نہین ہوئی۔ دار الشجرہ کے عجائبات کی سیر سے فارغ ہو کر رومی قصر الفردوس مین داخل ہوئے۔ یہان بیش بہا قالین اور نفیس ساز و سامان اس کثرت سے تھا کہ کچھ بیان نہین ہو سکتا اور اس قصر کے دیوان خانے کی دیوارون پر دس ہزار سنہری زرہین لٹکتی ہوئی تھین۔ اسکے بعد سفیر ایک پٹے ہوئے رستے سے گذرے جس کا طول تین سو ہاتھ تھا اور اسکے دونون طرف کی دیوارونکو مختلف قسم کے ہتھیارون سے مثلاً ڈھالین۔ خود شیر پنجے زرہ بکتر اور مرصع تیر کمانین سجایا گیا تھا۔ یہان بھی داہنے اور بائین دو ہزار خواجہ سرا اور رومی حبشی دو صفون مین کھڑے ہوئے تھے۔

آخرکار اس طور پر تیئیس[۲۳] محلات کی سیر کرنے کے بعد سفیر لوگ قصر التسعین مین داخل ہوئے۔ یہان خاص خلیفہ کے خدمت گذار غلام خوبصورت اور قدآور نفیس لباس پہنے ہوئے اور مرصع ہتھیار لگائے کھڑے تھے۔ اُنکے ہاتھون مین تلوارین اور تبر اور عصاء تھے۔ اسکے بعد حبشی غلامون اور نائب حاجبون اور چوبدارون اور باڈی گارڈ اور قائدون کی (جنرلون) کے بیڑھ کی صفون سے گذرتے ہوئے دیوان خانے کے قریب پہونچے اور پہلے وہ ایک عالیشان قصر مین داخل ہوئے جسکی آراستگی کو دیکھکر وہ سمجھے کہ یہین امیر المومنین برآمد ہین مگر اُنکو بتایا گیا کہ یہان صرف امیر المومنین کا حاجب قصر الکلشادی اجلاس کرتا ہے۔ اُسکے بعد اُن کو ایک اور محل مین لیگئے یہ محل پہلے محل سے بھی آراستگی مین بڑھا ہوا تھا اس لیے اُنھون نے سمجھا کہ اب کی دفعہ تو ضرور شرف حضوری نصیب ہوگا مگر جب دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہان ابن الفرات وزیر اعظم برآمد ہین۔ اسکے بعد

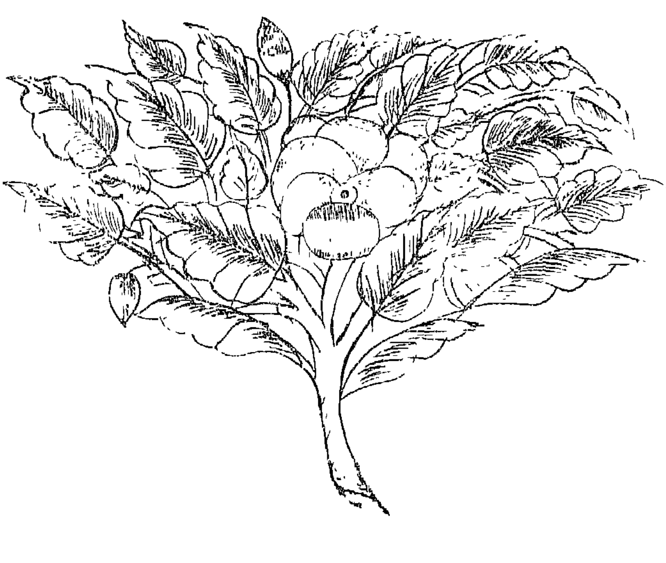
انکو ایک قصر مین لیجا کر بتا یا گیا جس کے ایک طرف دریا ئے بو جلہ عجب مستانہ چال سے بہ رہا تھا اور دوسری طرف ایک ہوش ربا باغ تھا اور قصر کی دیوارین بیش قیمت زرین پردون سے چھپی ہوئی تھین اور نیچے رنگ برنگ کے بیش بہا قالین بچھے ہوئے تھے اور چار طرف خواجہ سرا ہاتھون مین تلوارین اور عصا لئے ہوئے کھڑے تھے۔ توشہ خانون کے دروازے کھولدیئے گئے اور زیور اور جواہرات دلھن کے جہیز کی طرح خوبصورتی سے سجائے ہوئے پائے گئے۔ خاص امیر المومنین کے جواہرات کشتیون مین چن کر جسپر سیاہ کمخواب کے کشتی پوش پڑے ہوئے تھے قطار در قطار سیڑھیون پر رکھے گئے تھے ان تمام محلون مین کثرت سے صقالبہ خواجہ سرا صراحیان لیئے پھرتے تھے اور مہمانون کو برف سے سرد کیا ہوا پانی اور شربت اور فقاع (بیر) پلاتے تھے اور ان مین سے چند سفیرون کے ہمراہ بھی تھے اور جب وہ کہین تھک کر بیٹھ جاتے تھے تو اُن کو پانی پلاتے تھے اور اسطرح پر انکو سات جگہ پانی پلایا گیا تھوڑے انتظار کے بعد باریابی کی اجازت ہوئی اور وہ ایک سرنگ مین داخل ہو کر قصر التاج مین پہونچے جو دریائے دجلہ کے کنارے پر تھا اور جب انھون نے اندھیرے سے نکلکر اجالے مین قدم رکھا تو ایک عجیب سمان نظر آیا۔ المقتدر باللہ ایک آبنوس کے تخت پر جس پر دبیق کے زربفت کی مسند بچھی ہوئی تھی جلوہ گر تھا اور اُس کے جسم مین دبیق کے زرنگار دیبا کا لباس تھا اور سر پر ایک اونچی قلنسوہ[1] تھی تخت کے سیدھے ہاتھ کیطرف نو کنٹھے بیش بہا جواہرات کے جو تو باج کی قسم سے تھے (توباج کی نسبت سمجھا جاتا ہے کہ وہ نظر بد کے مضر اثر کو دفع کرتا ہے) لٹکائے گئے تھے اور اسی طرح بائین طرف اُتنے ہی کنٹھے لٹک رہے تھے۔ ان کنٹھون کے تمام جواہرات بیش وزنی اور خوش آب تھے اور سب سے بڑے جواہر سے تو ایسی نور کی شعاعین نکل رہی تھین کہ وہ آفتاب کو بھی مات کرتی تھین۔ خلیفۃ المسلمین کے سامنے اُسکے پانچون بیٹے کھڑے تھے دا ہنی طرف تین اور دو بائین طرف۔ سفیر ہاتھ باندھکر سرنگون کھڑے ہو گئے اور اُنمین سے ایک نے خواجہ سرا مونس اور نصر القشوری حاجب سے جو مترجم تھے عرض کیا کہ "مین جانتا ہون کہ آپ کے آقا کا یہ منشاء نہین ہے کہ ہم اپنے رسم کے مطابق سر بسجود ہو کر آستانہ بوسی کرین اور اگر ایسا منشاء

---

[1] یہ وہی ٹوپی ہے جس کو آب قلندری ٹوپی کہا جاتا ہے ۱۲

ہوتا تو ہم بخوشی اس رسم کو ادا کرتے۔ لیکن دیکھو کہ اب ہم وہ کر رہے ہین جو کبھی آپ کے
سفیرون کو ہمارے یہان نہین کرنا پڑا یعنی ہاتھ باندھے کھڑے ہین لیکن یہ بھی ہمارے
رسوم آداب کے خلاف نہین ہے۔ اُس کے بعد ایک گھنٹے تک وہ اسی طرح دست بستہ
امیر المومنین کے حضور مین کھڑے رہے۔ اُس کے بعد امیر المومنین نے اپنے دست
خاص سے جوابی فرمان سفیرون کو حوالہ کیا اور وہ اُسکو ادب سے بوسہ دیکر طالب
رخصت ہوئے۔ جب اجازت ہوئی تو باب الخاصہ سے نکلکر دجلہ کے کنارے پہونچے
اور وہان امیر المومنین کے خاص کشتیون مین سوار ہوکر دار السعید کو روانہ ہوئے
یہان پہونچکر اُن کو پچاس تھیلیان درہمون کی ملین جن مین سے ہر ایک تھیلی مین پانچہزار
درہم تھے اور ابو عمر کو خلعت فاخرہ عطا ہوا۔

اس کے بعد صلح ہوگئی اور ایک لاکھ بیس ہزار دینا دیکر مسلمان قیدیون کو رہا
کرا دیا گیا۔ اس آخری کیفیت سے ہمارے پہلے دعوے کا ثبوت ملتا ہے کہ گو خلافت
نے شان وشوکت کے لحاظ سے عجیب وغریب ترقی کی تھی مگر سطوت وجبروت
کے لحاظ سے زمانہ سابق سے کوئی مقابلہ ہی نہین ہوسکتا۔



ایک عظیم الشان ہندو سلطنت
اور
اُس کا دارالحکومت

اگرچہ علاؤالدین خلجی کی فتحمند فوجون اور اُس کے خوش تدبیر جنرل ملک کافور کو دکن کے فتح کرنے مین زیادہ دقت نہین ہوئی - اور تھوڑے ہی عرصے مین دکن سلطنت اسلامیہ کا ایک صوبہ ہوگیا اور قدیم ہندو سلطنتین جن کی عظیم الشان یادگارین اسوقت تک موجود ہین نام کو بھی باقی نہ رہین - لیکن جب محمد تغلق کے مجنونانہ ظلم کی وجہ سے رعایا مین عام طور پر بددلی پھیل گئی تو اُن قدیم ہندو سلطنتون کی خاک سے ایک نئی سلطنت جنوبی و غربی ہندوستان مین اُٹھ کھڑی ہوئی - جو صدیون تک ہندو تہذیب و شائستگی کا مرکز رہے - بکارایا اور ہری ہر نے سری ہما و دیا ارنیا کی رہبری سے جو اُس باعظمت مصلح قوم و ملت سری شنکر اچاری کے گیارھوین خلیفہ یا جانشین تھے سنہ ۱۳۳۶ع مین ایک نئے شہر کی بنیاد ڈالی - اور اسکا نام اپنے پیشوا کے نام پر ودیا نگر رکھا جو فارسی مین بگڑ کر بیجانگر ہوگیا -

اگرچہ ہندؤن کی معمولی نفس کشی اور دنیاوی لاپروائی کی بدولت دوسرے ممالک ہند کیطرح اس خطے کی بھی کوئی تاریخ موجود نہین ہے اور نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی ہندو مصنف نے اس طرف توجہ کی لیکن بعض مسلمانون اور انگریزی سیاحون کے سفرنامون مین بیجانگر اور اُس کے فرمانرواؤن کی عظمت اور جبروت کی تصویرین محفوظ ہین - معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء مین کچھ تو سری ہما و دیا ارنیا کے عالمگیر اثر اور کچھ زمانہ کی پُرآشوبی کی وجہ سے سلطنت بیجانگر نے بہت تیز ترقی کی اور قیام سلطنت کو

چھ برس بعد جب مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ ساحل کنارا پر سنہ ۱۳۴۲ء مین وارد ہوا تو اِس سلطنت نے یہان تک ترقی کی تھی کہ مقام ہُناور (جس کو اب ہونر کہتے ہین) کا مسلمان امیر جمال الدین ہری ہر (اسکا نام ابن بطوطہ نے ہریاب لکھا ہی غالباً اسوجہ سے کہ ہری کو ہریا بھی کہتے تھے) کے تابع تھا سلطنت بیجانگر دو صدی تک دکن کی اسلامی طوائف الملوکی کا مقابلہ کرتی اور ہندو تہذیب و شائستگی کا ضامن رہی اور گو فتح مندی کے ساتھ شکست کی صورت بھی دیکھنی پڑتی تھی لیکن بہ ہیئت مجموعی اہالی بیجانگر کو اپنی قسمت کی شکایت کا زیادہ موقع نہ تھا اور بھاری سی بھاری شکست کے بعد بھی وہان کے راجہ بہت جلد اپنی اصلی قوت حاصل کر لیتے تھے۔

بیجانگر دریائے تنگ بھدرا کے جنوبی کنارہ پر چند پہاڑیون کی چوٹی پر واقع تھا اور خشک چٹانین جن کی بلندی ایک سو سے لیکر ایک ہزار فیٹ تک تھی تین طرف سے اُس کو اپنے آغوش محبت مین لئے ہوئے تھین اور جہان اُنھون نے کوتاہی کی تھی وہان انسانی جفاکشی نے سنگین فصیلین بنا دی تھین اور جس طرف پہاڑیان نہ تھین اُس طرف ایک تالاب بنایا گیا تھا جس کا بند یا دکھنی زبان مین کٹّہ طول مین ایک میل تھا۔ غرضکہ شہر کے چار طرف مضبوط فصیل تھی جس کی حفاظت کے لئے ایک عمیق خندق موجود تھی جو بہت آسانی سے تالاب کے پانی سے بھری جا سکتی تھی[1]۔

عبدالرزاق سفیر سُلطان ابو سعید نے جو شہر کے آباد ہونے کے قریباً ایکسو برس بعد وارد ہوا مطلع السعدین و مجمع البحرین مین لکھا ہے کہ یہ شہر ایسا عظیم الشان ہی کہ نہ آنکھ نے دیکھا اور نہ کانون نے سُنا۔ اُسکا بیان ہی کہ شہر کی سات فصیلین یکے بعد دیگرے تھین۔ لیکن یہ صحیح نہین ہی کیونکہ اسوقت صرف ایک بیرونی فصیل کے نشانات موجود ہین۔ لیکن چونکہ شہر کے مختلف حصّون کی علیحدہ علیحدہ قلعہ بندی ہوئی

---

[1] کریبل تاریخ دکن وگزیٹیر کنارا۔

[2] ایلیٹ کی تاریخ ہندوستان جلد ۴ ترجمہ مطلع السعدین۔ مسٹر ڈوسن نے بیان کیا ہی کہ صاحب تاریخ روضۃ الصفا نے عبدالرزاق کی سفارت کا ذکر نہین کیا گو یہ صحیح ہی لیکن روضۃ الصفا کے آخر مین بیجانگر کے حالات بجنسہ مطلع السعدین سے نقل کر کے درج کئے گئے ہین۔

تھی اس وجہ سے غالباً عبد الرزاق کو سات فصیلوں کا دھوکہ ہوا۔

بیرونی فصیل کے متصل اندر کی طرف ایک پشتہ پچاس گز چوڑا اور قد آدم اونچا تھا جس کی وجہ سے قلعہ کا استحکام اور بھی بڑھ گیا تھا۔ پہلے تین قلعوں کے اندر مکانات کے علاوہ باغات تھے اور زراعت بھی ہوتی تھی۔ باقی قلعوں مین مکانات اور بازار تھے۔ اور ساتوین قلعہ مین جو بیچ مین تھا محل شاہی تھا شہر کی وسعت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جنوبی سے شمالی دروازہ تک دو فرسنگ کا فاصلہ تھا اور یہی قدر فاصلہ مشرقی سے مغربی دروازہ تک تھا۔ بازار کشادہ اور دور دور تک چلے گئے تھے اور ہر پیشہ کے لوگون کا بازار علیحدہ تھا۔ اور دوکانین نہایت سلیقہ سے لگائی جاتی تھین۔ رائے کے محل سرا کے پاس ایک چوک تھا اور ہر بازار کے سرے پر ایک ایک خوبصورت کمان اور خوش قطع چھتے بنے ہوئے تھے۔ گل فروشون کی دوکانین بہت کثرت سے تھین۔ اور ہر گل فروش اپنی دوکان کے سامنے اونچی اونچی تپائیان رکھتا تھا اور خوشبودار تازہ پھول اس کثرت سے ملتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا بغیر ان کے سونگھے لوگون کی زندگی محال ہے۔

جوہری بازارین رنگ رنگ کے جواہرات بہارین دکھاتے تھے اور جوہری بے خوف و ہراس اپنے مال و متاع کو کھولے بیٹھے رہتے تھے۔ بازارون کی سڑکون پر بیسیون شفاف نہرین مصفا پتھرون کی نالیون مین بہتی تھین۔ رائے کی محل سرا شمال کی طرف تھی اور بلندی اور شان و شوکت مین اپنا نظیر نہ رکھتی تھی محل کے سیدھے ہاتھ کی طرف دیوان خانہ یا وزیر کا دفتر تھا جو بہت ہی وسیع اور پلپایون کی کثرت سے چہل ستون معلوم ہوتا تھا اور اسکے سامنے ایک بلند گیلری تھی جس کی کرسی قد آدم اور طول تیس گز اور عرض چھ گز تھا یہان دفتر رہتا تھا اور اہل دفتر اپنا کام کرتے تھے۔ دیوان خانے کے بیچ مین ایک چبوترہ تھا جس پر ایک خواجہ سرا جسکا لقب دنائک تھا تنہا بیٹھتا تھا اور اُس کے نیچے دونون طرف عصابردار صفین باندھے کھڑے رہتے تھے اور اگر کسی شخص کو کچھ عرض معروض کرنا ہوتا تو وہ عصابردارون کی صفون مین ہو کر آگے بڑھتا اور کچھ نذر دکھا کر سجدہ کرتا اور پھر کھڑے ہو کر حرف مدعا زبان پر لاتا تھا۔ تمام معاملات مین ضروری تحقیقات کے بعد دنائک اُس ملک کے اصول

انصاف کے مطابق احکام جاری کرتا تھا اور اُس کے بعد کسی کی مجال نہین ہوتی
تھی کہ کسی قسم کی مخالفت کرے۔ دربار کے برخاست ہونے کے بعد وناٹک محل شاہی
کو جاتا تھا اور چند رنگین چھتر اُس کے آگے آگے رہتے تھے اور ترُم بجائے اور چوبدار
منادی کرتے جاتے تھے۔ وناٹک کو دربار خاص تک پہونچنے مین سات دروازہ
سے گذرنا پڑتا تھا۔ اور ہر دروازہ کے پاس داب شاہی کے لحاظ سے ایک چھتر جلوس
کے ساتھ چھوڑنا پڑتا تھا۔ یہان تک کہ جب رائے کی حضوری مین پہونچتا تھا تو تنہا ہوتا
تھا اور تھوڑی دیر تک کاروبار سلطنت مین مشورہ دینے کے بعد اپنے محل کو جو محلسرا
شاہی کی پشت پر واقع تھا واپس جاتا تھا۔

محلسرائے شاہی کے بائین ہاتھ کی طرف دارالضرب تھا جہان تین قسم کے سونے
کے سکّہ تیار ہوتے تھے۔ ایک سکّہ کا نام دراہا تھا جو وزن مین قریبًا ایک مثقال اور
قیمت مین دو قبطی دیناروں کے مساوی ہوتا تھا۔ دوسری قسم کے سکے کا نام پرتاب
تھا جس کا وزن نصف مثقال ہوتا تھا اور تیسرے کا نام فنم تھا جو پرتاب کے دسوین
حصّے کے برابر ہوتا تھا۔ فنم کا سب سے زیادہ چلن تھا۔ خالص چاندی کا سکّہ صرف
ایک قسم کا ہوتا تھا جس کا نام تار تھا۔ اور یہ اعتبار قیمت کے چھ تار ایک فنم کے
مساوی ہوتے تھے اور ثلث تار کے برابر ایک مسی سکہ تھا جسے جتیل کہتے تھے[1]۔
اس ملک مین یہ عام رواج تھا کہ تمام مداخل دارالضرب مین داخل ہوتے تھے۔
اور مخارج کا ادا وہین سے عمل مین آتا تھا۔

دیوان خانے کے مقابل فیل خانہ تھا۔ اگرچہ مشہور تھا کہ بادشاہ کے ایکہزار
ہاتھی ہین لیکن یہان صرف خاصے کے ہاتھی رہتے تھے۔ فیل خانے مین ایک سفید
ہاتھی بھی تھا۔ لیکن وہ اصل بالکل سفید نہ تھا بلکہ اُس کے جسم پر بہت سے سفید دھبے
تھے ہر روز صبح کے وقت یہ ہاتھی رائے کے سامنے لایا جاتا تھا کیونکہ بیدار
ہوتے ہی اُس پر نگاہ پڑنا بہت ہی نیک شگون سمجھا جاتا تھا۔ دن مین دو دفعہ ہاتھیون کو
راتب کھلایا جاتا تھا۔ راتب کو پکا کر ہر ایک ہاتھی کے سامنے الٹ دیتے تھے اور نمک

[1] آجکل کے حساب سے دراہا کی قیمت تقریبًا دس روپیہ پرتاب کی پانچ روپیہ فنم کی آٹھ آنہ تار کی سوا آنہ
اور جتیل کی قریبًا نیم آنہ ہوتی ہے۔ ۱۲

اور شکر ملانے کے بعد دو دو من کے غلے سامنے رکھے جاتے تھے۔ اگر انمین سے کوئی چیز بھی رہ جاتی تھی تو ہاتھی فیلبان کو مار ڈالتا تھا اور رائے بھی سخت سزا دیتا تھا۔ ہاتھیون کے تھان جُدا جُدا تھے اور اُنکی دیوارین نہایت مضبوط اور بلند تھین اور اُن پر موٹے موٹے تختون سے خاتم بندی ہوئی تھی۔ ہاتھیون کی گردن اور پشت کی زنجیرین چھت کی شہتیرون مین بندھی رہتی تھین اور اگلے پانوٴ ونمین بھی زنجیرین باندھی جاتی تھین۔

دار الضرب کی پشت پر ایک خوبصورت بازار تھا جو تین سو گز طول اور ۲۰ گز عرض مین تھا۔ سڑک کے دونون طرف خوش قطع مکانات بنے ہوئے تھے جنکے سامنے مختصر چمن تھے اور انمین بجائے کرسیون کے پتھر کے چبوترے بنے ہوئے تھے اور شیرون اور چیتون اور دوسرے جانورونکی خوشنما مورتین رکھی ہوئی تھین جو زندہ معلوم ہوتی تھین۔ سہ پہر کو ان مکانات کے دروازون کے سامنے جو بہت خوش قطع تھے کرسیان یا تخت بچھا دیتے تھے جن پر رام جنیان عجیب ناز و انداز و تزک و احتشام سے مرصع لباس پہنے زیور و جواہرات مین سر تا پا غرق بیٹھتی تھین۔ وہ عموماً بہت کمسن اور حسین ہوتی تھین۔ اور اُن کے سامنے دو دو تین تین خواصین کھڑی رہتی تھین جو لوگون کو کشادہ پیشانی سے عیش و طرب کی دعوت دیتی تھین۔ ہر شخص جس کو چاہتا تھا پسند کر لیتا تھا۔ خرابات مین حفاظت کا ایسا بندوبست تھا کہ ممکن نہین کہ کوئی چیز چوری جائے ورنہ وہان کے محافظ موقوف کر دیئے جاتے۔ شہر مین صرف ایک ہی خرابات نہ تھا بلکہ متعدد چکلے تھے اور اُن کی روزانہ آمدنی بارہ ہزار فنم ہوتی تھی۔

دار الضرب کے مقابل کوتوالی کی کچہری تھی جس مین بارہ ہزار جوان ملازم تھے اور اُنکی تنخواہ اُس رقم سے ادا ہوتی تھی جو خرابات کے محصول سے وصول ہوتی تھی۔ ان لوگون کا کام تھا کہ جس قدر وارداتین اور اتفاقی حادثے تمام شہر مین ہون اُن سے باخبر رہین۔ اور اگر کوئی چیز گم ہو جائے یا چوری جائے تو اُسکا سراغ لگا کے پیدا کرین۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ عبد الرزاق کے ایک ہمراہی کے چند غلام بھاگ گئے جب اس کی رپورٹ کوتوال شہر سے کی گئی تو اُس نے

اُس محلہ کے باشندون کو جہان مفلس ترین لوگ رہتے تھے حکم دیا کہ یا تو اُن کو پیدا کرین یا اُن کی قیمت بطور جرمانہ کے داخل کرو اور بالآخر اُنھین جرمانہ دینا پڑا۔

ایک پرتگیزی سیاح ڈوارٹ بار بوسا نامی نے جو ۱۵۱۴ع مین بیجانگر گیا تھا۔[1] بیان کیا ہو کہ بیجانگر ایک بہت آباد شہر ہے اور وہان کے بازار نہایت وسیع اور عمدہ ہین۔ رائے کی فوج مین ہر مذہب و ملّت کے لوگ ملازم ہین اور ہر شخص اپنے مذہب کی پابندی مین پورا آزاد ہے۔ ہر ملک و دیار کے سوداگر کاروبار تجارت مین امن و امان کے ساتھ مشغول ہین اور حکام سب کے ساتھ انصاف و مروت کا برتاؤ کرتے ہین۔ بیش بہا جواہر تمام دیار و امصار سے فروخت ہونے کے لیئے آتے ہین۔

شاہی تزک و احتشام کی کیفیت اِس سے ظاہر ہوتی ہے کہ ایک محل مین متعدد محل تھے اور ہر محل نہایت عالیشان تھا۔ محل کے دروازے کے سامنے بہت سے سوار کھڑے رہتے تھے۔ تخت سونے کا تھا جس پر بیش بہا جواہرات جڑے ہوے تھے۔ اور رائے کی خدمت گذاری کے لیئے پانچ ہزار عورتین ملازم تھین ہزار و طریقہ سے ناچ گا کر راجہ کا دل بہلاتی تھین اور جب وہ ہر روز صبح کے وقت نہانے کے لیئے جاتی تھین تو راجہ دور ہی دور سے نظر بازیان کیا کرتا تھا اور اگر کوئی مہ جبین پسند آجاتی تھی تو اُس کو خلوت خاص کی عزت حاصل ہوتی تھی۔ راجہ کمخواب کی ٹوپی اوڑھتا تھا اور گلے مین بڑے بڑے موتیون کا مالا۔ اگر کبھی جنگ پر جاتا تھا تو روئی دار کمری اور اُس پر چہہ پہنتا تھا جس پر اشرفیان اور بیش بہا جواہر ٹکے رہتے تھے۔ گھوڑے کا سامان اِس تیاری کا ہوتا تھا کہ ایک اٹلین سیاح کا بیان ہو کہ صرف اُسکی قیمت اٹلی کے ہر شہر سے زیادہ ہوتی تھی۔ رائے کی فوج مین ایک ہزار ہاتھی بیس ہزار سوار اور ایک لاکھ پیادے تھے اور جب اُسکی سواری نکلتی تھی تو پانچ چھ ہزار سوار ساتھ رہتے تھے۔

دربار کی تصویر دکھانے کے لیئے مناسب ہوگا کہ عبدالرزاق کی ملاقات کا حال درج کیا جائے۔ وہ لکھتا ہو کہ "ایک روز چند ایلچی اُس کی طلبی مین آئے اور وہ

[1] کنارا گزیٹر ۱۲

تحفہ و تحائف کے ساتھ حاضر دربار ہوا۔ رائے بڑے تزک و احتشام سے دیوان خانے
مین تخت سلطنت پر متمکن تھا اور بہت سے برہمن اور امرا، دائین بائین خواصی مین
کھڑے تھے اُس کا لباس ابنوئی اطلس کا تھا اور گلے مین خوش آب موتیون کا کنٹھا
تھا۔ اُس کی رنگت گندمی جسم دُبلا اور قد کسی قدر لمبا تھا۔ سِن بہت ہی کم معلوم ہوتا تھا
اور گو سبزہ آغاز تھا مگر داڑہی کا ابھی نام و نشان نہ تھا۔ چہرہ مہرہ بہت دلفریب تھا۔
عبدالرزاق جب پیش ہوا تھا آداب و مجرا بجا لا کر اُس نے پانچ گھوڑے اور دو
کشتیان پیش کین جنمین سے ایک کشتی مین نو تھان مشجر کے تھے اور دوسری مین نو
تھان اطلس کے۔ رائے نہایت ہی مہربانی و خلق سے پیش آیا۔ اُسکو اپنے قریب جگہ
دی اور سلطان ابو سعید کا نامہ لیکر ترجمان کے ذریعے سے کہا کہ "مجھے شہنشاہ کے سفیر
بھیجنے سے بہت ہی خوشی ہوئی" چونکہ عبدالرزاق کو گرمی کی وجہ سے سخت پسینہ آیا
تھا اس لئے رائے نے ایک قیمتی پنکھا عنایت فرمایا اور اُس کے بعد ایک کشتی
لائی گئی جس مین دو ڈھولیان پانون کی تھین اور ایک کیسۂ زر جس مین پانچ سو فنم تھے
اور بیس مثقال کافور۔ اور یہی گویا رخصتی تھی۔ راجہ نے کیسۂ زر کی طرف اشارہ کر کے
کہا کہ "جب تمھارے بادشاہ کے یہان سفیر جاتے ہین تو اُن کے سامنے کھانا رکھا
جاتا ہو لیکن چونکہ ہم ساتھ کھانا نہین کھا سکتے۔ اس لئے یہ کیسۂ زر پیش کیا گیا۔"
سرکار سے اُس کے خاصہ کے لئے روزانہ دو بکرے آٹھ مرغیان پانچ من چانول اور
ایک من گھی اور ایک من شکر اور دو درہم طلائی ملتے تھے اور جب حضوری
مین حاضر ہوتا تھا تو پہلے کی طرح کشتی عنایت ہوتی تھی۔
ملک کی فارغ البالی کی یہ کیفیت تھی کہ رائے کے خزانہ مین بے انتہا دولت
جمع تھی۔ اور کوئی قطعہ اراضی ایسا نہ تھا جہان زراعت نہ ہوتی ہو اور آب رسانی کے
قدرتی ذریعون سے فائدہ اُٹھا کر جا بجا ہزارون تالاب بنائے گئے تھے جن کو دیکھکر آج
بھی لوگ حیرت مین رہ جاتے ہین۔ معدنیات کے انتظام کا خاص طور پر اہتمام تھا جیسے
ہر قسم کے بیش بہا جواہرات قیمتی وہان نکلتی تھین۔ اسی وجہ سے سیاحون کا بیان ہو
کہ کوئی فرد بشر ایسا نہ تھا جو سونیکا زیور ہاتھون اور گلے مین نہ پہنتا ہو۔
عبدالرزاق نے ایک عجیب و غریب میلہ کی کیفیت بھی لکھی ہو جو نہایت ترکّہ

احتشام سے ہر سال ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ عبد الرزاق نے اس میلے کا نام رام نومی بیان کیا ہی۔ مگر فرانسیسی محقق رینالڈ نے بتایا ہی کہ اس کا نام اصل مہانومی تھا جو درگا پوجا کے نو دنون اور آخری روز ہوتا ہے۔ میلہ سے چند روز پہلے تمام ملک مین منادی ہوجاتی تھی کہ امراء وسردار بیجانگر مین جمع ہون۔ لوگ تین تین چار چار مہینے کی راہ سے آتے تھے۔ جس سال عبد الرزاق نے یہ میلہ دیکھا اُس سال لوگ بہت کثرت سے جمع ہوئے تھے اور ایک ہزار ہاتھی اپنے ساتھ لائے تھے جن کی سونڈون اور کانون پر رنگ برنگ کی تصویرین اور نقش ونگار پائے جاتے اور اُن کے اوپر ہودے تھے جن مین بازیگر اور آتشباز بیٹھے ہوئے تھے۔ ہر صوبہ کے امراء اور فوج کے سردار اور فاضل برہمن اور دیو پیکر ہاتھی وقت معینہ پر ایک بڑے میدان مین جمع ہوئے خلائق کا اس قدر اژدحام تھا کہ روز بعث ونشر معلوم ہوتا تھا۔ اس میدان مین جابجا خوش قطع کوشکین بنی ہوئی تھین جو دو منزل سے لیکر پانچ منزل تک بلند تھین اور اُن پر اوپر سے نیچے تک طرح بطرح کے نقش ونگار تھے اور انسانون اور حیوانون اور پرندون سے لیکر حشرات الارض مثلاً مچھرون اور مکھیون تک کی تصویرین تھین جن کے کھینچنے مین اعلیٰ درجہ کا کمال دکھایا گیا تھا۔ اِن مین سے بعض کوشکونکی تعمیر مین ایسی صناعی سے کام لیا گیا تھا کہ ہر وقت گھومتی رہتی تھین جسکی وجہ سے ہر لحظہ وہر ساعت ایک نیا سمان نظر آتا اور ہر منزل اور ہر کمرہ ایک نئی بہار دکھاتا تھا۔ میدان کے مقابل ایک عالیشان بارہ دری تھی جس کی نو منزلین تھین جو نہایت حسن وزیبائش سے آراستہ کی گئی تھین نوین منزل پر راجہ کا تخت تھا اور عبد الرزاق کا بیان ہی کہ ساتوین منزل پر اُسے جگہ ملی تھی اور وہان سوائے اُس کے دوستون کے کسی کو آنے کی اجازت نہ تھی۔ بارہ دری اور کوشکون کے مابین ایک کھلا میدان تھا جہان رامشگر اور رقاصہ گو اپنا اپنا ہنر دکھاتے تھے۔ گانے والون مین عموماً نوجوان لڑکیان تھین جو خوبصورت لباس پہنے ہوئے تھین اور اسقدر حسین ودلفریب تھین کہ ہوش اُڑے جاتے تھے۔ وہ سب ایک پردہ کے پیچھے راجہ کے مقابل بیٹھی تھین۔ دفعتہً پردہ دونون طرف سے ہٹا اور لڑکیون نے ایسے ہوش رُبا انداز سے ناچنا شروع کیا کہ ہوش وحواس دنگ ہو گئے۔ اِدھر تو ناچ ہو رہا تھا اور اُدھر بازیگر عجیب وغریب تماشہ کر رہے تھے۔ اُنھون نے تین شہتیر جو

آپس مین جوڑے ہوئے تھے کھڑے کیئے اُنمین سے ہر شہتیر آدہ گز چوڑا اور تین چار گز لمبا تھا اور بیچ کا شہتیر طول مین ایک گز تھا پہلے دو شہتیرون پر دو اور شہتیر رکھے جو طول و عرض مین اُسیقدر تھے اور اُنکی چوٹی پر ایک تیسرا شہتیر رکھا جو کسی قدر چھوٹا تھا گویا کہ دو منزلین تیار ہو گئین اور اُسکے بعد ایک بڑے قوی ہیکل ہاتھی کو لائے جو پہلی منزل پر قدم رکھکر دوسری منزل پر چڑھ گیا۔ گو کہ اس شہتیر کا عرض ہاتھی کے پانو سے بھی کم تھا۔ مگر رفتہ رفتہ اُس نے چارون پاؤن اُس پر جما لیئے اور جب گویون نے گانا شروع کیا تو ہر گت پر سونڈ سے تان اُڑانے لگا۔ جب یہ تماشا ہو چکا تو ایک ستون جو بلندی مین دس گز تھا قائم کیا گیا اور ایک سوراخ مین جو ستون کی چوٹی پر تھا ایک شہتیر ترازو کی ڈنڈی کیطرح ڈالا گیا اُسکے ایک سرے مین ایک بڑا سا پتھر جو وزن مین ایک ہاتھی کے برابر تھا لٹکایا گیا اور دوسرے سرے مین مضبوط رسیون مین ایک چوڑا تختہ باندھا گیا جو ایک گز مربع تھا ہاتھی بے تکلف اُس تختہ پر چڑھ گیا اور چڑھتے ہی رسی کھولدی گئی اور عجیب تماشا نظر آنے لگا کہ ایک پلڑے مین ہاتھی تھا اور دوسرے پلڑے مین پتھر اور کبھی یہ پلڑہ بلند ہو جاتا تھا اور کبھی دوسرا پلڑہ اور کبھی یہ لطف ہوتا تھا کہ دونون سطح زمین سے کئی گز اونچے قائم ہو جاتے تھے اور وہین سے ہاتھی کلاونتون کے گانے پر سونڈ کو ہلا ہلا کے گتین بجاتا تھا تین روز تک یہ میلہ نہایت دھوم دھام سے قائم رہا تیسرے روز رائے نے تمام قصہ گویون۔ بازیگرون۔ اور گانے والون کو بیش بہا خلعت اور اشرفیان عنایت فرمائین اور روانگی سے کسی قدر پہلے عبد الرزاق کو بھی طلب کیا عبد الرزاق جب حاضر دربار ہوا تو اُس نے دیکھا کہ دیوان خانہ مین چار تخت بچھے ہوے ہین جنمین سے ہر تخت وسعت مین قریباً دس گز مربع تھا۔ پہلے تخت کے اوپر رائے کا تخت تھا جو سونے کا تھا اور نہایت ہی صناعی سے بیش بہا جواہرات سے مرصع کیا گیا تھا اور اُس پر ابنوئی اطلس کی مسند بچھی تھی جس مین موتیون کی تین لڑون کی جھالر تھی۔ کمرے کی دیوارون اور چھت پر سونے کے پتر طلائی کیلون سے جڑے ہوے تھے اور اُن پر بھی جواہرات بوقلمون اپنی بہار دکھا رہے تھے غرضکہ ایسا سمان تھا کہ آنکھ کام نہ کرتی تھی اور حیرت ہوتی تھی کہ اتنی دولت کہان سے اُبل پڑی۔ رائے نے بالآخر عبد الرزاق کی سفارت کے جواب مین خواجہ مسعود اور خواجہ محمد خراسانی کو سفیر بنا کر خاقان ابو سعید کے پاس بھیجا۔

ان مختصر حالات سے ناظرین کو اس بات کے اندازہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے کہ سلطنت بیجانگر کیسی باعظمت وجلال تھی۔ اور اس ہندو رائے کے سایۂ عاطفت مین ہر شخص کو کامل مذہبی آزادی حاصل تھی۔ اور تجارت اور تمدن نے کس درجہ ترقی کی تھی لیکن افسوس ہی کہ زمانہ نے ساتھ نہین دیا اور ۱۵۶۵ع مین علی عادل شاہ کی حکمت عملی نے دکن کی پانچون مسلمان سلطنتون کو متفق کرکے تلی کوٹا کے میدان مین رام راجہ کو شکست دے کر قتل کیا اور بیجانگر جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ گو اُسکے بعد اُس کے بھائی تمارلج نے پھر بیجانگر کے آباد کرنے کی کوشش کی مگر کچھ نہ چلی اور در اصل رام راجہ کے ساتھ ہی اس عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہو گیا گو کہ ممالک محروسہ سرکار نظام مین اس خاندان کے نام لیوا راجگان اناگندی اسوقت تک موجود ہین اور اسی وجہ سے سمستان اناگندی کو باوجود کمی آمدنی وقلت املاک کے دوسرے سمستانون پر تفوق حاصل ہے۔ دریائے تنگ بھدرا کے کنارے پر اب بھی کئی میل تک بیجانگر کے کھنڈر چلے گئے ہین اور وہان کے شکستہ محل اور اُجڑے ہوئے مندر آج تک اس ہندو سلطنت کی عظمت کو یاد دلاتے ہین۔

مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس

بیت المقدس صرف یہود و نصارا ہی کا مذہبی مرجع و ماوی نہین بلکہ اہل اسلام کے نزدیک بھی نہایت ہی عظمت و وقعت کا مستحق ہے۔ حروب صلیبیہ مین عیسائیون کے حملون کے روکنے مین جو سرگرمی شام و مصر کے مسلمان فرمان رواؤن سے ظاہر ہوئی وہ محض اسی وجہ سے تھی۔ اور کیونکر نہ ہو وہ خاک جسمین سے ہزارہا انبیا و رسل اُٹھے اور پھر وہین پیوند زمین ہو لیے کیا کچھ با برکت نہوگی۔ اور یہی وجہ ہے جناب رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا فرماتے ہین کہ لا تشدوا الرحال الا الی ثلثۃ مساجد مسجد الحرام۔ ومسجد الاقصیٰ و مسجدی ہذا" (یعنی نہ سفر کرو مگر تین مسجدونکا مسجد حرام (خانہ کعبہ) مسجد اقصیٰ۔ اور میری مسجد کا یعنی مدینۂ طیبہ کی مسجد نبوی کا) لیکن مسلمان در اصل مسجد اقصیٰ کے حالات سے بہت کم واقف ہین کہ وہ کیا چیز ہے۔ کب بنی اور کیونکر اور کس غرض سے تعمیر ہوئی پہلی اسلامی برکت اس مسجد مین تو یہی ہے کہ آنحضرت صلعم شب معراج مین پہلے مکۂ معظمہ سے اسی مسجد مین تشریف لے گئے۔ یہان تمام انبیائے ماسبق کی امامت سے نماز جماعت ادا کی۔ اور پھر عالم بالا کی سیر کیلئے آسمانکی طرف بلند ہوا پر روانہ ہوے۔

دوسری برکت یہ ہے کہ عساکر اسلام جب قیاصرۂ روم کی سطوت کو الٹتے ہوے ارض شام مین گھسے اور خاص شہر بیت المقدس کے گرد خیمہ زن ہوے تو مذہبی پیشواے نصارا سفرینوس کی درخواست کے مطابق جناب خلافت مآب سیدنا عمر فاروق کو مدینۃ النبی کی چاردیواری سے نکل کے بیت المقدس کا سفر کرنا پڑا۔ حضرت فاروق کے تشریف لے جانے پر جب یہ متبرک شہر فتح ہو گیا تو کعب احبار کی رہبری سے جو خود امیر المومنین کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوے تھے اس متبرک

مقام کا پتہ لگایا گیا جو مقام داؤد کہلاتا تھا اور جس کی تیاری میں حضرت سلیمانؑ کی سطوت و حشمت نے بہت کچھ شان و شوکت دکھائی تھی۔ اور اُس خاص صخرہ کا بھی نشان ملا جہاں سے رسول اللہ صلعم شب معراج کو آسمان پر تشریف لے گئے تھے یہ مقامات نجاست سے پاک کئے گئے اور مسجد اقصیٰ تعمیر ہوئی۔ ایک قدیم زائر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق کی تعمیر سے یہاں جو عمارت قائم ہوئی تھی ایک سیدھی سادی مربع عمارت تھی جس میں تین ہزار آدمی خدا کی عبادت کر سکتے تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی شکستہ عمارت پر اُسکی بنیاد قائم کی گئی ہے۔

اس فتح کے بعد ۴۰ برس تک اگرچہ اسلامی دنیا میں بڑے بڑے انقلاب ہوتے رہے لیکن بیت المقدس پر اُن کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ گو کلام اللہ میں مسجد اقصیٰ کا درجہ کعبہ کے بعد قائم کیا گیا تھا لیکن اُس عہد تک مسلمانوں کا بیت المقدس کی زیارت کو زیادہ جانا بھی نہیں ثابت ہوتا۔ مگر رو سائے حجاز نے جب خلافت کے آگے سر جھکانے سے انحراف کیا اور خاص دولت بنی اُمیہ کے مقابلہ میں عبد اللہ بن زبیر تخت خلافت پر متمکن ہوئے تو تمام جزیرہ نمائے عرب میں عبد اللہ بن زبیر کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔ اور حاجیان بیت اللہ کے قافلے کثرت سے مکہ معظمہ جانے عبد اللہ بن زبیر کا اثر دور و دراز ممالک اسلام میں پھیلانے لگے تو عبد الملک بن مروان کی حکمت عملی نے قبۃ الصخرہ اور مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا ارادہ کیا۔ اور تمام مسلمانوں سے اس امر میں مشورہ طلب کیا۔ تمام رائیں اُسکے موافق ہونے کے بعد اس نے اس اہم کام کے لیے اتنا روپیہ فراہم کیا جو سات سال کے خراج مصر کے برابر تھا۔ اس روپیہ کی حفاظت کیلیے ایک مختصر گنبد تعمیر کیا گیا۔ جو آج تک قبۃ الصخرہ کے مشرقی پہلو پر قائم ہے اور قبۃ السلسلہ کے نام سے مشہور ہے۔ اُس گنبد کا نقشہ اُسنے خود اپنی ہی رائے سے قائم کیا تھا اور تیاری کے بعد اُسکی خوبصورتی اور موزونیت سے اسقدر خوش ہوا کہ اُسی کے نمونہ پر قبۃ الصخرہ کی تعمیر کا بھی حکم دیا۔ اس تمام کام کی نگرانی رجاء بن حیاۃ الکندی اور یزید بن سلام کے سپرد کی گئی۔

تعمیر مین قبۃ الصخرہ کی عمارت سے ابتدا کی گئی۔ اور مسجد اقصی کی تیاری پر کام ختم ہوا۔
مسجد اقصی (ابن عساکر۔ تاریخ دمشق)۔ کا طول ۷۵۵ ہاتھ اور عرض ۴۶۵ ہاتھ تھا۔
اور مسجد مین علاوہ ستونون کے چھ ہزار تختے چھت اور فرش مین لگے تھے۔ پچاس
دروازے تھے۔ جن مین سے بعض کے نام یہ ہین۔ باب القرطبی۔ باب داؤد۔
باب التوبہ۔ باب الرحمۃ۔ انھین دروازون مین چھ دروازے ایسے تھے جن کے
کنواڑون پر سونے چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے۔ یہ چھ دروازے باب الاسولہ کے
نام سے مشہور تھے۔ ۶۰۰ سنگ مرمر کے ستون تھے۔ سات محرابین تھین۔
۳۸۵ زنجیرین لالٹینین لٹکانے کی تھین۔ جن مین سے ۲۳۰ مسجد اقصی مین تھین
اور ۱۵۵ قبۃ الصخرہ مین۔ ان زنجیرون کا مجموعی طول ۴۰۰۰ ہاتھ اور وزن
۴۳۰۰۰ رطل شامی تھا اور اُس کے سوا ۵۰۰۰ لیمپ اور تھے۔ ہر شب جمعہ کو
ایک ہزار شمعین ان سب کے علاوہ روشن ہوتی تھین۔ مسجد کے علاوہ
پندرہ قبے تھے۔ مسجد کی چھت پر ۷۷۰۰ چادرین سیسہ کی جن مین سے ہر ایک کا وزن
۷۰ رطل شامی تھا لگی ہوئی تھین۔ ۲۴ بڑے حوض تھے اور چار مینار۔ جب تعمیر کا
کام ختم ہوا تو مہتممین نے اطلاع دی کہ ایک لاکھ دینار ابھی باقی ہین ان کی
نسبت کیا ارشاد ہے۔ عبدالملک نے جواب دیا کہ یہ اُن کی نگرانی کا حق ہے
لیکن اُن کی دیانتداری نے اُس کو قبول نہ کیا اور جواب دیا کہ نہ صرف
یہ رقم بلکہ خود ہمارا مال و متاع بلکہ ہماری عورتون کا زیور بھی خلیفہ کی نذر ہے۔
خلیفہ کو جب یہ جواب ملا تو اُس نے حکم دیا کہ اشرفیون کو گلا کر قبۃ الصخرہ کی
آراستگی مین لگا دیا جائے۔ چنانچہ اس قدر طلاکاری کی گئی کہ قبہ پر نظر
کام نہ کرتی تھی۔ اُس کے بعد ایک غلاف نمدہ اور چمڑے سے تیار کیا گیا
جو موسم سرما مین قبہ پر چڑھا دیا جاتا تھا کہ برف و باران سے محفوظ رہے
اور قبہ کے گرد آبنوس کا جنگلا لگایا گیا جس پر نہایت خوشنما کھدائی کا کام
تھا اور دروازون مین کمخواب کے پردے لٹکائے گئے۔ یہ مشہور ہے
کہ عبدالملک کے زمانہ مین گنبد کی زنجیر سے ایک بے بہا موتی اور حضرت
ابراہیم و بکری کا سینگ اور خسرو کا تاج لٹکتا تھا۔ لیکن بعد مین بنی ہاشم

نے ان چیزون کو مکہ معظمہ مین بھیجدیا۔
مسجد کے آراستہ رکھنے کے لئے تین سو خادم مقرر کئے گئے اور یہ قاعدہ
مقرر کیا کہ اگر ان مین سے کوئی شخص مرے تو اُسکا بیٹا یا پوتا اُسکی جگہ
مقرر ہو۔ دس یہودی مسجد مین جھاڑو دینے اور غسل خانون کے پاک کرنے
اور اسی طرح دس عیسائی فرش کے پوچھنے اور حوضون کے صاف
کرنے کے لیے مقرر کئے گئے اور یہ خدمتین ان کے خاندانون مین موروثی
قرار دی گئین اور ابدالآباد تک یہ لوگ جزیہ سے معاف کئے گئے
ہر صبح چند خادم زعفران پیستے اور معطر پانی تیار کرتے تھے سب سے پہلے
حمام سلیمان صاف کیا جاتا تھا اُس کے بعد گودام سے خالوق (ایک قسم کی
خوشبو) لیے جاتے تھے اور قیمتی کپڑے پہن اور مرصع پیٹیان باندھ اور
خالوق ہاتھون مین لے کر صخرہ پر لگاتے تھے اور جب ہاتھ نہ پہونچ
سکتے تھے تو پاؤن دھو کر اوپر چڑھ جاتے تھے۔ یہان تک کہ تمام صخرہ
مہکنے لگتا تھا اُسکے بعد سونے اور چاندی کی انگیٹھیان لائی جاتی تھی
جن مین پردون کو گرا کر عنبر و عود جلایا جاتا تھا جس سے تمام گنبد
مہک جاتا تھا اس کے بعد پردون کو باندھ دیتے تھے تاکہ خوشبو تمام مسجد مین
پھیل جائے۔ جب یہ سب ہو چکتا تھا تو بازار مین منادی کر دیتے تھے
کہ صخرہ زیارت کے لیے تیار ہے اِس پر لوگ اس کثرت سے دوڑتے تھے
کہ ہر شخص کو دو رکعتین ادا کرنا بھی مشکل ہوتا تھا۔ معمولی طور پر تمام دروازون مین
قفل پڑے رہتے تھے اور ہر دروازہ پر دس دربان مقرر رہتے تھے اور صرف
دوشنبہ اور جمعہ کے دن عام طور پر لوگون کو زیارت کی اجازت ہوتی تھی
قبۃ الصخرہ کی کارنس پر خوشنما کوفی خط مین ایک کتبہ ہے جسمین تاریخ تعمیر
سنہ ۷۲ھ مطابق سنہ ۶۹۱ء درج ہے اور اگرچہ بعد کے زمانہ کی خوشامد
پسندی نے عبداللہ المامون کا نام بجائے عبدالملک کے قائم کر دیا ہے
مگر کوتاہ بین جعلساز کو تاریخ کے بدلنے کا خیال نہین آیا۔ اس کتبہ مین
مذہب عیسوی کے مقابلہ مین خدا کی وحدانیت اور تثلیث کے بطلان کا اظہار

کیا گیا ہے اور سورۂ اخلاص کو درج کرکے بتایا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے فرزند نہ تھے بلکہ اُس کے مقبول خاص بندے تھے۔ اس قدیم کتبہ سے دو نہایت مفید باتین مستخرج ہوتی ہین۔ ایک تو یہ کہ کوفی خط کی اصل شان کا اندازہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ ابتدائے اسلام مین مذہب عیسوی کی نسبت کیا خیالات تھے جب مسجد اقصیٰ تیار ہوئی تو کچھ تو اس وجہ سے کہ مسلمانون مین دو فریق ہو گئے تھے اور بنی امیہ کی یہ حکمت عملی تھی کہ لوگون کو کثرت سے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جانے سے روکین اور کچھ اس عالیشان عمارت کے دیکھنے کے شوق سے بہت کثرت سے لوگ آنے لگے۔ اور اکثر عابد و زاہد اپنی عمر کے آخری حصہ کو ایسے متبرک مقام مین گزارنے اور قبور انبیاء بنی اسرائیل کے پاس دفن ہونے کی خواہش سے سکونت پذیر ہونے لگے۔ بنی امیہ کے زمانہ تک تو بیت المقدس کا عروج قائم رہا چنانچہ خلیفہ سلیمان وہین تخت نشین اور فوت بھی ہوا۔ لیکن جب خلیفہ منصور کی دور اندیشی نے سلطنت کی وسعت پر نظر کرکے بغداد کو عروس البلاد اور مستقر خلافت بنایا تو بوجہ بعد مسافت کے بیت المقدس کو وہ بات حاصل نہ رہی جو دمشق کے قرب کی وجہ سے تھی۔ اور عیسائیون سے بھی سلطنت کے ویسے تعلقات نہ رہے جیسے کہ پہلے تھے۔ لیکن جس وقت تک کہ حکومت کو زور رہا اُس وقت تک اس کا نتیجہ ظاہر نہین ہوا۔ ہارون الرشید کے روشن زمانہ مین مغرب و مشرق مین پہلی دفعہ دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور شہنشاہ شارلی مین کے جوش مذہبی نے کلیساؤن کی مرمت کرائی۔ اور چند شفاخانے اور ایک کتب خانہ بیت المقدس مین قائم کیا۔ عیسائی مورخون نے ایک عجیب واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ہارون الرشید نے شہر بیت المقدس کی کنجی ہدیۃً شارلی مین کو بھیجی تھی۔ گویا کہ یہ شہر اُس کے حوالہ کر دیا تھا۔ اگرچہ اس حکایت کا عربی تاریخون مین پتہ نہین چلتا لیکن اگر ایسا کیا بھی گیا ہو تو اُس کے معنی حوالگی شہر کے نہ تھے۔ بلکہ یہ مراد تھی

کہ اگر وہ زیارت کے لیے آنا چاہتا ہے تو اپنا ہی شہر سمجھ کر آسکے۔ یورپ مین مصنف چونکہ مشرقی خوش اخلاقی سے ناواقف ہین۔ اِس لیے اُن کو ایسا خیال پیدا ہوا ہوگا۔ لیکن شارلی مین کو ایسا وہم گمان بھی نہین ہوا۔

مامون الرشید نے ولید اور ابوجعفر المنصور اور محمد المہدی کی طرح مسجد اقصیٰ کی مرمت کی لیکن اس کے خوشامدی کارپردازون نے خود تعمیر ہی کو اُس کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ قبۃ الصخرہ کے کواڑون پر جو جستی پتر لگے ہوے ہین اُن پر اس مضمون کا ایک کتبہ آجتک موجود ہے

مامون الرشید کے زمانہ مین پٹرک ثامن نے دارالقامہ کو جو بختی ایام سے کھنڈر ہوگیا تھا ازسرنو تعمیر کیا۔ اور ایک قبطی برکم نامی نے اس پٹرک کام مین ایسی فیاضی سے روپیہ خرچ کیا کہ عیسوی کلیسا کی شان وشوکت اسلامی حرم سے بھی بڑھ گئی اور دارالقامہ کا گنبد بلندی مین قبۃ الصخرہ سے بات کرنے لگا۔ یہ دیکھکر مسلمانون کی رگ حمیت کو جنبش ہوئی۔ اور قدیم عہد پر کہ کوئی گرجا پہلے سے زیادہ شاندار نہ بنایا جائے زور دینے کا خیال پیدا ہوا اور پٹرک کو قید کرکے تحقیقات شروع کی۔ عجب چالاک پٹرک نے مذہب کے خاطر ایمان کو بالائے طاق رکھکر یہ جھوٹا ثبوت قائم کیا کہ کلیسا کا گنبد بالکل اُتنا ہی اونچا ہے جتنا کہ پہلے تھا اور تعمیر جدید مین قدیم حدود سے مطلق تجاوز نہین کیا گیا تو بار ثبوت الزام لگانے والون پر عائد ہوا اور گو ہر شخص کے حواس خمسہ اسکے کذب پر شہادت دے رہے تھے۔ لیکن بات ایسی تھی کہ شرعی ثبوت پیش کرنا ممکن نہ تھا اور اسلامی انصاف دیکھنا چاہیے کہ گو یہ ایک مذہبی معاملہ اور وہ بھی غیر مذہب رعایا کے مقابلہ مین تھا لیکن ملزمین بلاتامل بری کر دیے گئے۔

عیسائی زائر بھی جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے بہت کثرت سے

بیت المقدس کو آتے تھے اور اس لیے بنی عباس کے زمانہ کی کیفیت بتانے
کیلیے اُنکے سفرنامہ چراغ ہدایت کا کام کرتے ہین۔ یہ بیانات اس وجہ سے
اور بھی قیمتی ہین کہ ہماری تاریخین ایسے حالات سے بالکل خالی ہین
اور گو عام حکومت کی شان بعض قدیم اسلامی سفرنامون سے بھی ظاہر ہوسکتی ہے
لیکن فاتحین و مفتوحین کے تعلقات کی نسبت وہ بھی خاموش ہین۔ یہ وہ زمانہ ہے
جب کہ یورپ گرداب جہالت مین مبتلا تھا۔ اور اولوالعزم بادشاہ بجائے
ملک گیری کے خانہ جنگی کو باعث فخر سمجھتے ہین۔

ایک انگریز ول بالڈ نے سنہ ۷۲۱ء مین بیت المقدس کا سفر کیا اور گو
اُسکا سفرنامہ بہت ہی مختصر ہے اور زیادہ حالات اس سے معلوم نہین ہوسکتے
لیکن پھر بھی اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ممالک اسلامیہ مین اسقدر محفوظ تھے
غیر مذہب والے آزادی سے اپنے معبدون مین ارکان مذہبی ادا کرتے تھے
اور تمام انتظام ایسا خوش اسلوبی سے قائم تھا کہ غیر ملک کے لوگونکو
کوئی تکلیف تو نہین دیجاتی تھی۔ لیکن اس امر کی کامل نگرانی رکھی جاتی تھی
کہ وہ جاسوسی نہ کرسکین

سکہ کی ابتداء اسلام مین

دُنیا مین وہ کون ہی جو ابیض نورانی کی ناز آفرین اداؤن کا دل سے والہ و شیدا یا اُسکی قدر و قیمت سے واقف نہین ہی۔لیکن ایسے بہت کم لوگ ہین جو اُسکی ابتدا اُس کی ترقی اور اُسکی حالت موجودہ پر آنے کی تاریخ سے واقف ہوئے ہین جس طرح پر کہ سکہ کی ابتدا قدیم سلطنت لیڈیا مین جہان کے دولت مند بادشاہ قارون کا نام ابیض نورانی کے عشق کے لحاظ سے آج تک ضرب المثل ہے ہوئی اور پھر یونانیون اور رومیون مین بتدریج ترقی پاکر تمام عالم مین پھیل گیا اُس پر بحث کرنا تو ایک طول امل ہی کیونکہ اسوقت ہم صرف اسلامی سکہ کی ابتدا پر بحث کرنا چاہتے ہین۔

ابتداء مین جبکہ جماعت انسانی کی ضرورتین محدود ہوتی ہین تبادلہ سے کام چل جاتا ہے لیکن جب ترقی تمدن کے ساتھ مختلف افراد کی ضرورتون مین مختلف طور پر ترقی ہوتی ہے تو کسی ایسی چیز کی ضرورت پیدا ہوتی ہے جو سب اشیاء کی خرید و فروخت کے لیے ذریعہ تبادلہ بن سکے اور چونکہ ایسی شئے کے مقبول عام ہونے کے لئے علاوہ دوسری صفات کے ضرور ہے کہ وہ (۱) کمیاب ہو (۲) بدقت حاصل ہو سکتی ہو (۳) وزن کے اعتبار سے جسامت مین کم ہو (۴) بطور خود بھی اُسکی قدر و قیمت ہو (۵) سخت ہو۔ اسی وجہ سے قدیم سے دُنیا نے بالاتفاق فیصلہ کر دیا ہے کہ جیسی قابلیت چاندی اور سونے مین ذریعہ تبادلہ بننے کی ہے ویسی کسی دوسری شئے مین نہین ہے۔پس اسیوجہ سے یہ قیمتی دھاتین عام اشیاء کی خرید و فروخت مین استعمال ہونے لگین لیکن جب تجربہ سے ثابت ہوا کہ حرص و طمع ایسی چیز ہے کہ انسان کو دغا و فریب کی طرف مائل کرتی ہے اور رفتہ رفتہ ان دھاتون تک بھی اُسکا سلسلہ پہونچا تو کسی ایسے معیار کی ضرورت داعی ہوئی جس سے بآسانی خالص و قلب مین تمیز ہو سکے اور چونکہ

صنعت وحرفت اور تجارت و سلطنت سب کے کاروبار کے لئے کسی عام ذریعہ تبادلہ کی ضرورت تھی اس لیئے سلطنت نے اس کا اہتمام اپنے ہاتھ مین لیا اور ان دھاتون کے مختلف ٹکڑون کو اپنی خاص علامت ثبت یا منقوش کرکے جاری کیا تاکہ ہر شخص کھرے کھوٹے مین تمیز کرسکے - یہی ابتدا سکے کے چلن کی ہے - عرب مین قدیم زمانے مین کوئی ملکی سکہ رائج نہ تھا بلکہ جس جس حصہ ملک پر جس سلطنت کا اثر تھا یا تجارتی تعلقات تھے اُسکا سکہ وہان رائج تھا جنوبی عرب مین جہان قدیم سے یمنی تمدن پھیلا ہوا تھا - حمیری سکے رائج تھے اور وسط عرب مین جو سلطنت ایران سے متاثر تھا ساسانی سکون کا رواج تھا اور شمال مین جہان رومی سلطنت کا سایہ پڑا تھا رومی درہم و دینار عام طور پر مروج تھے - جب ہمارے ہادی برحق نے جزیرہ نمائے عرب مین کلمۃ الحق کا اعلان کرکے اسلام کی تبلیغ کی تو جس زمانے تک کہ اسلام کے بیرونی تعلقات قائم ہوئے تھے وہی قدیم سکے رائج رہے - لیکن جب نور اسلام نے دوسرے ممالک کو روشن کیا اور جدید تمدنی ضرورتون اور تجارتی وسعت کے لحاظ سے پردیسی سکون کی تعداد جو قدیم زمانے مین اہل عرب کی محدود ضرورتون کے لیئے کافی تھی ناکافی ثابت ہوئی تو جس طرح پر کہ دوسرے مفید انتظامات کی بنیاد امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک زمانے مین پڑی تھی اُسی طرح سکہ کو بھی پہلی دفعہ ممالک اسلامیہ مین ضرب ہونے کی عزت اُسی متبرک عہد مین ۱۸ھ مین حاصل ہوئی[1] - لیکن چونکہ طبیعت انسانی کا خاصہ ہے کہ جن اشیاء سے مانوس ہو جاتی اُس کو بہت ہی مشکل سے ترک کرتی ہے اور گو سمجھدار لوگ علم و عمل کے زور سے خاصۂ طبیعت کو روک بھی لیتے ہین مگر جاہل و نادان تو اُس کے ہاتھ مین بالکل ہی بے بس ہوتے ہین اور یہ ظاہر ہو کہ سکہ ایسی چیز ہے جس کو جاہلون اور عالمون دونون بلکہ جاہلون سے بیشتر اور عالمون سے کمتر سابقہ پڑتا ہے اس لیئے اُس کا بدلنا کچھ آسان کام نہین ہے اور اگر ایسا قصد بھی کرتے ہین تو بہت ہی بتدریج اور آہستہ آہستہ حصول مرام کی طرف قدم بڑھاتے ہین - اس کے علاوہ یہ بھی بڑی دقت تھی کہ صرف مسلمانون ہی مین لین دین محدود نہ تھا بلکہ تجارتی کاروبار کی ضرورتون نے دوسری قومون سے تعلقات

---

[1] المقریزی - ۱۲

قائم رکھنے پر بھی مجبور کیا تھا اور اس لیئے خالص اسلامی سکہ کے اجراء کے لیئے استحکام سلطنت مقدم تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ابتدا مین سکہ جب ضرب کیا گیا تو نہ اُسکا نام یا وزن بدلا گیا اور نہ صورت و ہیئت چنانچہ جو سکے حضرت عمر کے زمانے مین مضروب ہوئے تھے وہ درہم و دینار و فلوس ہی کہلاتے تھے اور بعد مین بھی یہی نام مروج رہے حالانکہ لفظ دینار رومی لفظ (DINARUUS OVARIUS) اور درہم (DRACHMI) لفظ ڈرکم اور فلس لفظ (FOLIS) سے نکلا ہے اور اسیطرح ہیئت کے اعتبار سے رومی اور ایرانی ٹھپّے قائم رکھے گئے تھے صرف اُن پر نام یا کوئی برکت کا کلمہ عربی زبان کا بڑھا دیا گیا تھا حضرت عمر کے زمانے کا کوئی سکہ ہماری نظر سے نہین گذرا لیکن ایڈورڈ ٹامس نے جن ساسانی سکون کی تصویرین دی ہین اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ ابتداء مین نام بھی عربی زبان مین نہین لکھتے تھے بلکہ بنانیوالے اور دارالضرب کا نام بھی دری زبان مین لکھا جاتا تھا اور اُن پر ایک طرف خسرو پرویز کی مورت اور دوسری طرف آتش و قربان گاہ اور دو موبدونکی تصویر بنائی جاتی تھی۔ سب سے زیادہ اِس قسم کے سکے زیاد ابن ابیہ کے زمانے کے پائے جاتے ہین جبکہ وہ امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ کے طرف سے بصرہ کا گورنر تھا۔ اُس کے بعد جب عبداللہ ابن زبیر کا زمانہ آیا تو اُنھون نے اِس وجہ سے کہ اکثر مختلف قیمتون اور عیار کے سکے رائج تھے اور اُن کی وجہ سے عام طور پر کاروبار مین نہایت خرابی پڑتی تھی۔ اس طرف توجہ فرمایا اور اُن کے بھائی مصعب ابن زبیر کے حکم سے حارث ابن عبداللہ ابن ربیعہ المخزومی نے۔ سنہ ھ مین سکے بنانے شروع کیئے مگر یہ سکے بھی بالکل ایرانی قطع کے تھے صرف اتنا فرق تھا کہ اُنپر ایک طرف الفاظ "برکت اللہ" اور دوسری طرف "اللہ" بڑھا دیئے جاتے تھے لیکن چونکہ عبداللہ ابن زبیر کا زمانہ خلافت محض چند روزہ تھا اور یوسف بن حجاج کے ظالم مگر قوی ہاتھون نے بہت ہی جلد اُسکا خاتمہ کردیا اسلیئے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے زمانہ کے سکے زیادہ عرصہ تک مروج نہین رہے۔ ابتدا مین ایرانی طرز کے سکون کے مضروب ہونے کی یہ وجہ تھی کہ دارالضرب قسطنطنیہ تو جارہی تھی اس لیئے ممالک شام وغیرہ مین سکون کی کمی ہوتی تھی تو وہان سے

پوری ہو جاتی تھی مگر برخلاف اُس کے دارالضرب ایران ساسانیون کی تباہی کی وجہ سے بند ہو گئی تھی اور اس لیئے وہان سلطنت اسلامیہ ہی کو جدید سکے بنانے پڑے غرضکہ عبداللہ بن زبیر کے زمانے تک سکون کی وہی قدیمی شان قائم رہی لیکن جب خلیفہ عبدالملک بن مروان نے یوسف بن حجاج کی سختی اور تدبیر ملکی کی بدولت ممالک اسلامیہ کو اندرونی بغاوتون اور فتنون سے پاک کیا تو خلافت اسلامیہ کی سطوت و جبروت مین یہان تک ترقی ہوئی کہ اُس نے فرامین کی پیشانی سے تثلیثی طغرا کو نکالکر توحیدی طغرا قائم کیا جسٹنین دوم قیصر روم نے رسم قدیم کے پھر اختیار کیئے جانے سے مایوس ہو کر یہ دھمکی دی کہ مین اپنے سکہ مین نعوذ باللہ تمھارے پیغمبر (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام کے ساتھ ایسے الفاظ منقوش کرادونگا جو تمکو نہایت ناگوار گذرینگے اور چونکہ ہمارا سکہ عالمگیر ہے اس لیئے ساری دنیائے اسلام مین بآسانی پھیل جائیگا یا یہ ہو جیسا کہ ابن خلدون نے بیان کیا ہے کہ قیصر روم نے اُن خطوط کی پیشانی پر جو اُس کے پاس خلیفۂ اسلام کے یہان سے آئے تھے قل ہو اللہ احد اور آنحضرت صلعم کا نام نامی دیکھکر پیچ و تاب کھایا اور ایسی دھمکی دی معلوم ہوتا ہے کہ جب سلطنت بنی امیہ دمشق مین قائم ہوئی تو اُنھون نے رومیون کے تثلیثی طغرا اور طراز کو محض علامات حکومت و سلطنت سمجھکر اختیار کر لیا اور گو بعد مین اُس کے معنی سمجھ بھی گئے لیکن چونکہ اندرونی بغاوتون اور آئے دن کے فسادون کی وجہ سے اتنی قوت نہ تھی کہ رومی غیض و غضب کا مقابلہ کر سکتے - اِس لئے اُنھون نے اُنکو نہین بدلا لیکن جب عبدالملک کے زمانے مین سلطنت کی بنیاد قوی ہوئی تو اُسنے پہلے ہی موقع پر اس غلط طریقہ کو بدل دیا جو قیصر روم کو نہایت ناگوار گذرا لیکن چونکہ اُسکی رعایا کی منصفانہ بغاوت نے جیسا کہ گبن نے کہا ہے جلد اُس کا خاتمہ کر دیا اس لیئے اُس سے کوئی بد نتیجہ پیدا نہین ہوا - اصل یہ ہے کہ اگر قیصر روم دھمکی نہ بھی دیتا تو تمدنی ضرورتین خود اس امر پر مجبور کرتین کہ ممالک اسلامیہ مین سکہ بنایا جائے اور کثرت سے بنایا جائے کیونکہ اس زمانہ مین ممالک محروسہ کے حدود ایک طرف تو سرحد چین سے ملی ہوئی تھی اور دوسری طرف خلیج بسکے سے ٹکر کھاتی تھی - پس گویا قیصر روم کا دھمکی دینا بارود مین شتابہ ہو گیا اور عبدالملک بن مروان نے خالد بن یزید بن معاویہ کے صلاح و مشورہ سے جن کو

بوجہ علم فضل اور دانش و فرہنگ کے حکیم بنی امیہ کا معزز خطاب دیا گیا ہے سنہ ۷۶ھ
مین اسلامی سکہ بنانا شروع کیا گیا مختلف تاریخون کے دیکھنے سے ایک عجیب
اختلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۷۴ھ مین سکہ ضرب ہوا
اور اکثر کا اسپر اتفاق ہے جیسا کہ ہمنے بھی لکھا ہے کہ سنہ ۷۶ھ مین سکہ کا رواج ہوا۔
لیکن اگر خود سکون کو علامہ مقریزی کے بیان سے مقابلہ کرکے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا
ہے کہ ابتدا مین جو سکہ عبد الملک نے بنوایا تھا اُسمین بڑی حد تک رومی شان قائم
رکھی گئی تھی یعنی اُس مین عبد الملک نے خود اپنی تصویر بنوائی تھی جس کی کمر سے
تلوار لٹکتی تھی۔ اب ہم چند قدیمی سکون کی تفصیل بتاتے ہین۔

(۱) طرف اول۔ رومی طرز کی مورت سر پر تاج اُس پر صلیب۔ سیدھے ہاتھ
مین ایک کرّہ اُس پر صلیب اور اُسکی دائین طرف لفظ "حمص" عربی خط مین
اور بائین طرف یونانی لفظ K.AAN عمدہ۔

طرف ثانی۔ حرف M اُس پر ایک ستارہ اور دو دائرہ اور حاشیہ پر
یونانی لفظ IMECHC اور اُسکے نیچے عربی لفظ "طیب"۔

(۲) طرف اول۔ رومی طرز کی مورت جسم سیدھا ہاتھ اوپر کو اُٹھا ہوا برچھا لیئے
ہوئے دوسرے ہاتھ مین ایک کرّہ جس پر صلیب چڑھی ہوئی۔ بائین طرف
"بسم اللہ" سیدھے طرف ۸۵ ل

طرف ثانی۔ M اُس پر صلیب۔ حاشیہ IMEHC اُس کے نیچے
"طیب"۔

(۳) طرف اول۔ دو قدِ آدم مورتین ہر ایک کے ہاتھ مین عصائے شاہی
جس پر صلیب لگی ہوئی اور اُن مورتون کے بیچ مین "محمد رسول اللہ" اور حاشیہ
پر "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ"۔

(۴) طرف اول۔ قدآدم مورت بال بڑے بڑے اور ایک طرف کمر سے تلوار
لٹکتی ہوئی اور حاشیہ پر "محمد رسول اللہ"۔

طرف ثانی۔ M حاشیہ پر ایلیا "فلسطین"۔

(۵) طرف اول۔ مورت نصف جسم چہرہ سامنے اور بال لنبے حاشیہ پر "لا الہ الا اللہ"

طرف ثانی۔ مٹا ہوا۔

(۶) طرف اول۔ کھڑی ہوئی عورت چوغہ پہنے ہوئے ہاتھ سینے تک اٹھا ہوا اُس ہاتھ میں تلوار کا غلاف جو کمر سے لٹکتی ہے اور حاشیہ پر خط کوفی میں "بعبد اللہ عبد الملک امیر المومنین" لکھا ہوا۔

طرف ثانی۔ ایک صلیب جس کا سرا چار سیڑھیوں پر قائم ہے اُس کے سیدھے طرف "بقنسرین" اور اُلٹے طرف "واف" حاشیہ پر "لا الہ الا اللہ وحدہ محمد رسول اللہ"

(۷) دینار طلائی۔ طرف اول۔ وسط میں۔

"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ"

حاشیہ پر۔

"محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ"

طرف ثانی۔ وسط میں۔

"اللہ احد اللہ الصمد لم یلد و لم یولد"

حاشیہ پر۔

"بسم اللہ ضرب ہذا الدینار فی سنۃ سبع و سبعین"

(۸) درہم نقروی۔ طرف اول۔ وسط۔

"لا الہ الا اللہ

وحدہ لا شریک لہ"

حاشیہ پر۔

"بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم فی سنۃ تسع و سبعین" اور حاشیہ پر پانچ علامات وقف (ہ)۔

طرف ثانی۔

"اللہ احد اللہ

الصمد لم یلد و

لم یولد و لم یکن

لہ کفواً احد"۔

حاشیہ پر

"محمد رسول اللہ ارسلہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ و لو کرہ المشرکون"۔
ان سکّون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نمبر ۴ و ۵ کے غالباً وہی سکّے ہین۔
جنکے ابتداء مین ضرب کیئے جانیکا علامہ مقریزی نے ذکر کیا ہے اور اس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ موزخون کے جو بیانات دربارۂ تقدیم و تاخیر ہین اُنمین در اصل کوئی اختلاف
نہین ہے کیونکہ رومی طرز کا سکہ پہلے سے ضرب ہوتا تھا مگر خاص عربی عبارت کا سکہ
سنہ ۷۶ھ مین ضرب ہوا۔ اگر دوسرے پہلو سے ان سکّون پر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو
معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ہمنے پہلے بیان کیا ہے کہ کس قدر آہستہ آہستہ خالص اسلامی
سکہ کے ترویج کے لیئے راستہ صاف کیا گیا ہے۔ سکہ نمبر (۱) مین تو کوئی تصرف
سوائے اسکے نہین کیا گیا کہ کوفی خط مین لفظ "محص" لکھدیا گیا تاکہ معلوم ہوجائے
کہ یہ سکّہ ممالک اسلامیہ مین مضروب ہوا ہے اور دوسری طرف اس خیال سے
کہ لوگ اسکو جدید سمجھ کر کہین بُرا یا جعلی نہ سمجھین لفظ "طیّب" منقوش کر دیا گیا۔ دوسرے
سکّہ مین رومی و عیسائی علامتون کو قائم رکھکر "بسم اللہ" کو داخل کر دیا گیا ہے اور
دوسری طرف رفع شک کے لیئے پھر لفظ "طیّب" لکھا گیا ہے۔ تیسرے سکّہ مین رومی
و عیسائی علامتون کو قائم رکھکر ساتھ کے ساتھ اپنے مذہبی اعتقاد کا بھی اعلان کر دیا گیا
اور ایک طرف دو صلیبون کے مابین "محمد رسول اللہ" اور دونون طرف حاشیہ پر
"لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" لکھدیا گیا تثلیث و توحید کا یہ عجیب اتحاد ہے اور اس
سکّہ پر "طیّب" کے لفظ کے نہونے سے پایا جاتا ہے کہ اب لوگ اسلامی سکّے سے مانوس
ہو چلے تھے چوتھے سکے سے اور بھی ترقی ظاہر ہوتی ہے کہ علامت صلیب غیر موجود ہے
اور پانچوین سکّے مین تو خالص وحدانیت کا اظہار ہے گو کہ ایک مورت بھی موجود ہے
چھٹے سکّے مین پوری طرح پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ سکّہ خلیفۂ اسلام کا ضرب کیا ہوا ہے
مگر اُسی کے ساتھ بنظر احتیاط علامت صلیب کو قائم رکھا ہے گو کہ اس کی شکل ایسی
بدل دی ہے کہ چاہو تو اُسے کچھ اور سمجھ لو اور رفع شک کے لیئے لفظ "وافٍ"
بھی لکھدیا ہے۔ یہ چند سکّے سمی ہین اور اس سے اور بھی اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے کہ

کس طرح اور کیسے آہستہ آہستہ خلائق کو خالص اسلامی سکہ کے اجراء کے لیئے تیار کیا
گیا کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ مسی سکہ ایک تو تعداد مین زیادہ ہوتا ہے دوسرے
امیر و غریب سبھی کے ہاتھ مین جاتا ہے تیسرے اُس کی قیمت اس قدر کم ہوتی ہے
کہ کسی کو شبہ ہو جائے تو بھی اُس کا چلن مشکل سے رُک سکتا ہے جب عام طور پر
ان خالص اسلامی سکون کو رواج ہو گیا اور ممالک متصلہ مین بھی وہ بے تکلف
چلنے لگے اور ادھر مسلمانون مین بھی خالص اسلامی سکہ پر تصویر ہونے سے ایک قسم
کی برہمی پیدا ہو گئی تو عبد الملک نے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے خالد بن یزید کے
مشورہ سے سنہ ٧٦ھ مین خالص اسلامی سکہ جاری کیا اس سکہ مین وہی عبارت
تھی جو سکہ نمبر (٢) مین ہے جو ایک سال بعد کا ہے - اسمین تمام رومی و عیسوی علامات
کو ترک کر کے صاف صاف لفظون مین خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ کے نبی برحق
اور دین اسلام کے صراط مستقیم ہونیکا اعلان کیا گیا ہے اور عیسائیون پر ظاہر کر دیا گیا کہ
کہ اُنکا دین باطل اور ہمارا حق ہے - ان پر زور جملون کے کندہ کرنے سے غالباً جنتیون مین
کا جواب دینا مقصود تھا اور شاید یہ پولیٹکل خیال بھی ہو کہ ایسے پُر جوش فقرے لکھنے سے
سکون کے مروج ہونے مین مسلمانون کے مذہبی جوش سے بھی مدد ملیگی لیکن میرے
خیال مین اصلی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان پر جوش الفاظ سے تثلیث کے مقابلے مین توحید
کی خوبی و عظمت کا اظہار ہوا اور لوگون کو معلوم ہو جائے کہ بیجان تصویرون سے فصیح الفاظ
زیادہ موثر اور معنی خیز ہوتے ہین - جب یہ سکہ جاری ہوا تو اُس پر سورہ اخلاص کے کندہ
ہونے سے مسلمانون مین پھر ایک جوش پیدا ہوا کہ سکہ ایک ایسی چیز ہے جو مطہر و غیر مطہر
سب کے ہاتھ مین جاتا ہے اس لیئے اُس پر ایسے متبرک سورہ کا منقوش کرنا مناسب
نہین ہے لیکن چونکہ اُس سے صرف اعلائے کلمۃ اللہ مقصود تھا اسلیئے اس قسم کی نکتہ
چینیون کی پروا نہین کیگئی اور وہ چند ہی روز مین خود بخود دب گئین - سکہ نمبر (٨) کے دیکھنے سے
ظاہر ہوتا ہے کہ چونکہ وہ چاندی کا تھا اور اسلیئے اُسکا دور بڑا تھا اسمین چند الفاظ اور بھی بڑہا دیئے
گئے ہر قسم کے سکون کے نام اخیر تک وہی رہے جو رومیون مین قدیم سے مروج تھے - غرضکہ
سنہ ١٣٢ھ تک سکہ کی یہی صورت رہی مگر سنہ مذکور مین اسقدر ایجاد اور ہوئی کہ دار الضرب کا
نام بھی لکھنے لگے سنہ ١٢٨ھ ابو مسلم خراسانی داعی بنی عباس نے اپنی دعوت کے اعلان کیلیئے

اپنا سکہ جاری کیا اور اسمین بعض عبارتونکا اضافہ کیا۔ اُسکی صورت یہ تھی۔

طرف اول ۔ وسط مین ۔

لا الہ الا

اللہ وحدہ

لا شریک لہٗ

اُس کے گرد "لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ فی القربیٰ"

اور حاشیہ پر

"بسم ہ اللہ ہ ضرب ہ بجی ہ

سنۃ ہ ثمان ہ و عشرین ہ و مئتہ ہ"

طرف ثانی ۔ وسط مین ۔

"اللہ احد اللہ

الصمد لم یلد و

لم یولد و لم یکن

لہٗ کفواً احد"

حاشیہ پر حسب معمول "محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علے الدین کلہ و لو کرہ المشرکون" مگر علامات وقف نہ تھین۔

یہ پہلا سکہ ہی جو علاوہ خلفائے وقت کے کسی شخص نے چلانیکی جرأت کی لیکن اِس باغی نے بھی اصلی عبارت کے بدلنے کا خیال نہین کیا بلکہ فقط ایک ایسی عبارت بڑہا دی جس سے اُسکی پالیسی کا اظہار ہوتا تھا۔

اگرچہ کوئی خاص ضرورت نہین ہی لیکن غالباً اس امر کا بتانا دلچسپی سے خالی نہوگا کہ خلفائے بنی عباس مین پہلا درہم جو عبداللہ السفاح نے سنہ ۱۳۲ھ مین تخت نشینی کے بعد مضروب کرایا اُسمین بھی بنی اُمیہ کے درہم سے کچھ زیادہ تغیر و تبدل نہین کیا گیا بلکہ اُسکو تقریباً اُسی حالت پر قائم رکھا۔ البتہ وہ آیات قرآنی جنکے منقوش کیئے جانے پر اہل تقویٰ کو اعتراض تھا خارج کر دی گئین۔

اُسکی صورت یہ ہے۔

طرف اول ۔ وسط مین ۔

لا الہ الا
اللہ وحدہ
لا شریک لہ"

حاشیہ پر۔
"بسم اللہ ضرب ہذا الدرہم۔
بالکوفۃ سنۃ اثنتین وثلثین ومئۃ"۔

طرف ثانی۔ وسط مین۔
"محمد
رسول
اللہ"

حاشیہ پر۔
"محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون"۔

منصور کے زمانے مین اس قدر ترمیم ہوئی کہ طرف ثانی مین ولیعہد کا نام سطر ذیل درج ہونے لگا۔

"بما امر بہ
المہدی محمد
بن امیر المومنین"

اور مہدی کے زمانے سے خلیفہ کا نام لکھا جانا شروع ہوا اور ہرون الرشید کے زمانے مین یہ رواج عام ہوگیا کہ جس صوبہ کے دار الضرب مین سکہ مضروب ہوتا تھا وہان کے والی کا نام بھی اسپر منقوش کیا جاتا تھا چنانچہ ایسے اکثر درہم اور بعض دینار رہا رسے ذخیرہ مین بھی موجود ہین۔ اسلامی سکہ بنی عباس کے دور کے آخر تک تھوڑے تھوڑے اختلاف سے قریب قریب اسی شکل پر رہا۔

چونکہ قدیم سے سکہ اور خطبہ علامت شاہی رہا ہے اور مسلمانون مین صدہا حکمران خاندان ہوئے ہین اس لیے اسلامی سکہ کا مضمون نہایت دلچسپ اور اس سے تاریخ پر گہری روشنی پڑ سکتی ہے لیکن اسکے لیے ایک ضخیم کتاب چاہیئے۔

ایک گلی کتب خانہ

انسان بھی عجب متضاد صفات کا مجموعہ ہو ایک طرف تو یہ کیفیت ہو کہ وہ اپنی موجودہ حالت سے ہمیشہ بیزار رہتا، اور گذشتہ کی طرف آہ سرد بھر بھر کر دیکھتا ہے، اور دوسری طرف جب خود اپنی طبع خدا داد پر نظر ڈالتا ہو تو سر افتخار آسمان سے باتین کرنے لگتا ہے اور گذری ہوئی نسلون کے بڑے سے بڑے کارنامے بھی اُسکو ہیچ کے گرد و غبار مین لپٹے ہوئے معلوم ہوتے ہین۔ گو قدم سعی کا ہمیشہ آگے بڑھتے رہنا زمانے کا اقتضا ہے، اور جہان ہم برسون تھے وہان کل نہ تھے، اور جہان کل تھے وہان آج نہین ہین، لیکن جس طرح کہ گھوڑدوڑ مین جیتنے کے مقام سے کوئی گھوڑا آگے اور کوئی پیچھے نکلتا ہے، اسی طرح جولانگاہ عالم مین بعض قومین مدارج ترقی پہلے طے کرتی ہین اور بعض بعد مین، لیکن سب کو کم و بیش ایک ہی راستہ قطع کرنا پڑتا ہے، اسمین شک نہین کہ زمانے کی مجموعی ترقی کے اعتبار سے متاخرین کو متقدمین پر تفوق ہوتا ہو کیونکہ ہر زمانے مین موجودہ نسل تمام گذشتہ نسلون کی وارث ہوا کرتی ہے۔ لیکن پھر بھی بہت سی باتین جو ہماری نظر مین جدت کا رنگ لیئے ہوئے اور بلا تکلف اپنی ہی خداداد ذہانت کا نتیجہ معلوم ہوتی ہین، در اصل نئی نہین ہوئین، بلکہ اگر تاریخ عالم کے کرم خوردہ صفحون کو ذرا بھی توجہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہو کہ ہماری قوم مین نہ سہی مگر دوسری قومون مین ضرور اس قسم کے مدارج ترقی سب پہلے ہی طے ہو چکے ہین، اور حضرت سلیمانؑ کا یہ ارشاد کہ "آفتاب کے تلے کوئی چیز نئی نہین ہے" نہایت صحیح ہی۔ کتب خانون ہی کو دیکھیئے کہ اس زمانے مین لندن مین برٹش میوزیم اور پیرس مین بیلوتھیک نیشنیل کو دیکھکر خیال ہوتا ہو کہ کم سے کم اس بارے مین تو کسی قوم نے زمانہ سابق مین ایسی توجہ نہ کی ہوگی۔ لیکن ایشیائے کوچک کے کھنڈر جن کو صدیون کے گرد و غبار نے تودہائے خاک بنا دیا ہے، دبی زبان سے

کہتے ہین ۔ مصرع ؏ این خیال ست و محال ست و جنون ٭ اور فلک شعبدہ باز بھی کبھی کبھی ہکو نیچا دکھانے کے لیئے فراموشی کی نقاب جو ہزار دن سال تک گرم و سرد زمانے کا مقابلہ کرتے کرتے کچھ متحجر سی ہو گئی ہے، اُٹھا کر قدامت کی کچھ ایسی جھلک دکھا دیتا ہی کہ ہم دنگ ہو کر رہ جاتے ہین۔ یہ تو کھلی ہوئی بات ہے کہ ابتدا مین عہد طفلی کی طرح انسان کا سینہ ہی اُس کا کتب خانہ ہوتا ہے لیکن جب قوم میدان ترقی مین قدم رکھتی ہی اور تمدنی ضرورتون کی وجہ سے ترقی کے رُخ مختلف اور ذخیرۂ معلومات اس قدر وسیع ہو جاتا ہے کہ نہ کوئی ایک شخص اُن سب کی پیروی کر سکتا ہے اور نہ ایک شخص کا حافظہ اُسکا متحمل ہو سکتا ہی اور نہ ایک یا چند اشخاص اُس کی اشاعت پوری قوم مین کر سکتے ہین تو کتابت کی ضرورت محسوس ہوئی اور کتابت کے ساتھ کتابین اور جہان کتابین ایک سے دو اور دو سے تین ہوئین، کتب خانے عالم وجود مین آتے ہین۔ انسان جبکہ دماغی ترقی کے اس درجے پر پہونچتا ہے تو تمدنی طور پر بھی وہ بہت سے مدارج طے کر چکتا ہے، اور باپ کو جو نسبت سابق مین اولاد سے اور اُس کے بعد سرگروہ کو خاندان سے تھی، وہی نسبت اب بادشاہ کو رعایا کے ساتھ ہوتی ہی اور اس لیئے دوسرے انتظامات کے ساتھ دماغی ترقی کا انصرام بھی بادشاہ ہی کے ہاتھ مین رہتا ہے ۔

تاریخ عالم شاہد ہے کہ جن قومون نے سب سے پہلے لباس تمدن زیب بدن اور انسانی دماغ کی سوتی ہوئی قوتون کو بیدار کیا وہ مصری اور بابلی تھے لیکن مصریون نے جہان تک کہ دریافت ہو سکا ہے کوئی باقاعدہ کتب خانہ قائم نہین کیا، اور اُس کی وجہ یہ تھی کہ اُن کے یہان علمی ترقی کا دار و مدار پیشوایان مذہبی پر تھا اور وہ اپنی گرم بازاری کے لیئے ضروری سمجھتے تھے کہ وہ اپنے فتوحات دماغی کو غیر حقیقی روشنی کے ہالے مین ایسا چھپا دین کہ دیکھنے والون کی نگاہ کام نکرے اور اُنکو اُنمین کسی اور عالم کا جلوہ نظر آئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج تک اُن کے کارنامے دنیا کے خیال مین ایک عظیم الشان راز کی ہیبت اور وقعت رکھتے ہین لیکن باینہمہ اُنکے اُلوالعزم بادشاہونکے گورستان تھا اور اُن کے تعمیر کیے ہوے بوالعجب چوپہل مینار جو اپنے فوق الانسان استحکام سے گرم و سرد زمانہ پر طعن مارتے ابدالآباد

سے باتین کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہین، اپنے انھون کتبون سے کتب خانون کا کام
دیتے ہین۔ لیکن برخلاف اسکے اہل بابل نے جو قدامت مین اہل مصر سے کم نہ تھے مگر علم
اثر مین ان سے بہت بڑھے ہوئے تھے کیونکہ دُنیا کی موجودہ ترقی کی بنیاد اُنھین کے مبارک
ہاتھون نے ڈالی تھی، ابتدا ہی مین ترویج علوم کی طرف توجہ کی اور چونکہ ہر زمانے مین ہر قوم
اپنی ضرورتین اُنھین چیزون سے پوری کیا کرتی ہے، جو آسانی سے ہاتھ آسکتی ہین، اور
سرزمین بابل مین دجلہ و فرات کی طغیانیون کی بدولت عمدہ قسم کی چکنی مٹی بہ کثرت ہوتی
تھی اس لیئے اُنھون نے مٹی کی کچی اینٹون یا تختیون کو جنھین بعد مین پکا دیا کرتے تھے تحفظ
و ترویج علوم کا ذریعہ بنایا، اور اس قسم کی کُل کتابون سے بڑے بڑے کتب خانے قائم کیئے۔
اگرچہ اہل بابل کے علوم کی جھلک ہم تک بواسطہ در بواسطہ اہالی آسیریا و فینشیا و یونان
کے ذریعے سے پہونچی ہے لیکن افسوس ہے کہ زمانے نے اُن کے علمی ذخیرون کے ساتھ
اچھا سلوک نہین کیا، گو اہل یورپ کے محنت طلب علمی تجسس نے جستہ جستہ اُن کی کُلی
کتابون کو اُن کے بھولے ہوئے شہرون کے کھنڈرون سے نکالا ہے، لیکن جو عظیم الشان
کتب خانے اُن کے علم پرست بادشاہون نے قائم کیئے تھے، وہ ریگ زمانہ مین ایسے
نہین دبے کہ نکالے سے نکل سکین، قدیم کتبون سے معلوم ہوتا ہے کہ بابل کیا دُنیا کا سب سے
پہلا کتب خانہ شاہ سارگن نے، جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے تین ہزار آٹھ سو سال پیشتر گذرا
ہے، قائم کیا تھا، اِس بادشاہ نے ایک ضخیم کتاب تنویر بیل کے نام سے تصنیف کرائی تھی
جو بہتر جلدون مین تھی اور جس مین علم ہیئت و نجوم کے مسائل پر تفصیل سے بحث کیگئی
تھی۔ بادشاہ سارگن کے کتب خانے کے علاوہ ایک مشہور کتب خانہ سنقریا لارسیا مین تھا،
جس مین خاصکر علوم ریاضی کے متعلق کثرت سے کتابین جمع کی گئی تھین۔ اور ایک اور
قدیم کتب خانہ نیپور مین تھا، اور اسی طرح ارک اور رکونہا کے کتب خانے بھی قابل ذکر ہین
تو بخت نصر کے زمانے مین، جو ۶۰۲ ق م مین گذرا ہے دو عظیم الشان کتب خانے
خاص بابل مین قائم ہوئے تھے مگر اُن سب کتب خانون کا صرف نام ہی نام باقی ہے۔
اہل بابل کے برخلاف اہل آسیریا، جو اُنھین کے ایک شاخ تھے اس بارے مین
زیادہ خوش قسمت تھے، چنانچہ جو کوشش نینوا کے کھنڈرون کے کھودنے مین ہوئی
زیادہ بار آور ثابت ہوئی ہے، اور ایک پورا کتب خانہ جو شاہان آسیریا کی علم پروری

کی یادگار ہے ہاتھ آگیا ہے۔ اگرچہ سلطنت اسیریا کی قدامت کا پتہ سنہ ۱۹۰۰ ق م تک لگا ہے لیکن چونکہ علمی ترقی کے لیئے استحکام سلطنت اور تمدنی ترقی لازم ہے اس لیئے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصۂ دراز تک کسی بادشاہ کی توجہ اس طرف نہین ہوئی۔ لیکن سنہ ۷۴۵ ق م مین جبکہ تغلب پلیسر ثالث تخت نشین ہوا تو اُس نے اتنا کیا کہ قدیم سلاطین کے کتبون کو دست فنا سے محفوظ کرنے کے لیئے جمع کیا، اور اُن کی نقول سے ایک کتب خانے کی بنیاد ڈالی، اور اُسکے بعد شاہ سارگن نے جو سنہ ۷۲۲ ق م تک حکمران رہا بعض رسالے علم ہیئت و نجوم وغیرہ کے داخل کرکے اُس کو اور وسعت دی۔ سارگن کا بیٹا سناکریب جو سنہ ۶۸۱ ق م تک تخت نشین رہا تاج شاہی کے ساتھ ذوق علمی کا بھی وارث ہوا تھا اور اُس نے قوانین اسیریا کا مجموعہ اور چھوٹے چھوٹے تاریخی اور مختلف قسم کے علمی رسالے داخل کتب خانہ کیئے اور اُسی نے کتب خانے کو قلاہ سے نینوا مین بھی منتقل کیا، اُس کے بعد اُس کے خلف الرشید اسرحیدن۔ (المتوفی سنہ ۶۶۹ ق م) نے اُس مین بہت سے تاریخی اور مذہبی بابلی کے رسالے شریک کیئے۔ اگرچہ اِس خاندان کے تمام بادشاہ علمی قدردانی کے لحاظ سے آفتاب تھے، لیکن علمی دُنیا کا سب سے بڑا محسن اسرحیدن کا بیٹا اور جانشین اشر بنی پال تھا، جو سنہ ۶۲۶ ق م مین اپنا نام پردۂ عالم پر ہمیشہ کے لیئے یادگار چھوڑ کر راہی مُلک عدم ہوا۔ اُسکی اُولوالعزمی صرف بیرونی فتوحات اور اندرونی انتظامات ہی پر محدود نہ رہی، بلکہ اُس کے علمی ذوق نے بابل کے مٹے ہوئے علوم کو بھی حیات جاوید بخشی۔ اُس کے مبارک عہد مین ہزارہا منقوش تختیان جو تقریبًا ہر علم و فن کے متعلق اور ہر مقام سے لائی گئی تھین نینوا کے کتب خانے مین داخل ہوئین۔ اور اُس کے کتبون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے ایسی محنت سے جمع کرنے کی غرض صرف رفاہ خلق اللہ تھی کہ لوگ عام طور پر اس بے نظیر علمی ذخیرہ سے فیضیاب ہون اور رعایا مین علم کی اشاعت ہو، اشر بنی پال نے اِس کتب خانے کو ایک عالیشان محل مین رکھا تھا جو سلطنت اسیریا کی بربادی کے ساتھ تباہی کے نذر ہوا، لیکن نینوا کے عبرتناک کھنڈرون نے اُس کو کئی ہزار برس تک اپنے سینے مین امانت کیطرح محفوظ رکھا، یہان تک کہ اہل یورپ کی اولوالعزمی نے صدہا سال کے خس و خاشاک سے اِس بے بہا خزانے کو نکالا۔ یہ بھی حسن اتفاق یا اُن قدیم لوگون کی

خوش نیتی کا باعث ہو کہ اُنھون نے اپنی دماغی فتوحات کی حفاظت کے لیئے استعداد بھی کی، تو نادر گیتی ہے کہ وہ آجتک گرم و سرد زمانے سے محفوظ رہین بقول شاعر ؎

امانت کیطرح رکھا زمین نے روز محشر تک
نہ اِک مُو کم ہوا اپنا نہ اِک تار کفن بگڑا

برخلاف اُس کے اس زمانے مین گو ہمارا ذخیرۂ معلومات بہت کچھ بڑھ گیا ہے اور لطافت اور نزاکت مین ترقی تمدن کے ساتھ ہم کہین سے کہین پہنچ گئے ہین، لیکن ہمکو یہ تامل اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اگر ہماری کتابون کے ساتھ بھی زمانہ ویسا ہی سلوک کرے جیسا کہ اہل اسیریا کی انگڑہ گلی کتابون کے ساتھ کیا تو اُن کا صدیون تو کیا دو سال بھی ٹھہرنا مشکل ہے۔

اب اگر ان جواہر بے بہا پر ایک تفصیلی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جسطرح تغلت پلیسر ثالث کے تاریخی مذاق نے اس کتب خانے کی بنیاد ڈالی تھی اُسی طرح اُس کے جانشینون نے بھی فن تاریخ کی طرف زیادہ توجہ کی، اور ہزارون تختیان آج تک شاہان آسیریا کی فتوحات، الوالعزمی، دینداری اور سرپرستی علم و ہنر کی شہادت دینے کے لئے موجود ہین۔ اِن تختیون مین سے بعض پر قدیم سلاطین کے کتبون کی نقول ہین، جو اُن کے حالات پر گہری روشنی ڈالتی ہین۔ اور بعض پر عہدنامون فرمانون اور احکام شاہی کی نقول ثبت ہین، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ صرف تحریرات سرکاری ہی کی حفاظت کی طرف توجہ نہین کی گئی، بلکہ رعایا کے عرائض اور لوگون کے باہمی خانگی خط و کتابت کا بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا تھا، جس سے اُس زمانے کی معاشرت اور تمدن کی تصویر آنکھون کے سامنے پھر جاتی ہے۔

جغرافیہ بھی اُس زمانے مین ایک مستقل فن کی حیثیت حاصل کر چکا تھا اور اس شاخ مین اگر کسی تختی پر شہرون، قصبون، دریاؤن، پہاڑون کی فہرستین درج تھین تو کسی پر مختلف مقامات کے موقع اور خصوصیات اور پیداوار وغیرہ کے حالات ثبت تھے۔ کتب خانے کی ایک بڑی شاخ قوانین سے تعلق رکھتی تھی۔ اسمین بعض تختیون پر قوانین نافذہ کی نقول تھین اور بعض معاہدات خانگی مثلاً بیع نامے۔ دستاویزات قرضہ کفالت نامجات وغیرہ کی حیثیت رکھتی تھین۔ اس زمانے کے لوگون کو یہ سُن کر بڑی حیرت ہوگی

کہ اُس قدیم زمانے مین بھی مقدمات کے فیصلے محفوظ کیئے جاتے تھے، تاکہ آئندہ بطور نظائر کے کام آئین یا قوانین موجودہ کی ترمیم اور جدید قوانین کی وضع کا ذریعہ بنین۔

ایک اہم صیغہ روایاتِ مذہبی سے متعلق تھا، جنمین سے بہت سی روایتین دوسری قومون سے لیگئی تھین۔ ان روایات مین سب سے زیادہ ذکر کے قابل گلگامیش کا قصہ ہے، جو غالباً حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال قبل مرتب ہوا تھا۔ یہ قصہ بارہ جلدون مین تھا اور ہر جلد کا نام کسی ایک نہ ایک بُرج پر رکھا گیا تھا اور گیارھوین جلد مین، جسکا نام کو تھا طوفانِ نوحؑ سے متعلق وہ روایت درج تھی جو اہالی بابل مین مشہور تھی جس سے طوفانِ نوح کے اس قصے کی جو عہد قدیم مین درج ہے پوری تصدیق ہوتی ہے، گلگامیش غالباً وہی شخص ہے جسکا ذکر نمرود کے نام سے عہد قدیم مین آیا ہے، اسیطرح بہت سی تختیون پر مختلف قسم کی روایتین اور حکایتین درج تھین، اور بعض پر بھوت پلید کے قصے اور اُنکے اُتارنے کے منتر ثبت تھے۔

ایک شاخ دیومالائی سے تعلق رکھتی تھی اور اسمین جو تختیان تھین اُنپر دیوتاؤنکی فہرستین اور اُنکے نام اور صفات اور مندرون کی تفصیل مندرج تھی، اور بعض تختیون پر مختلف دیوتاؤنکی شان مین مناجاتین اور وہ دُعائین جو مختلف درجے اور طبقے کے لوگونکو خاص خاص حالتون مین مثلاً جبکہ کوئی مصیبت نازل ہو، یا جنگ مین شریک ہونا پڑے، مانگنی چاہیئین، منقوش تھین۔

اہل اسیریا کا علمی تجسس زمین ہی تک محدود نہ رہا، بلکہ اُنکی فکر بلند پرواز نے آسمان تک بھی رسائی پیدا کی تھی، چنانچہ اُن کی کتابون کا ایک بڑا ذخیرہ علم ہیئت سے متعلق تھا، جنمین اجرام فلکی کی اشکال، اور گردشونکی کیفیت تحریر تھی اور مختلف آثار اور مناظر فلکی کی بھی توضیح کیگئی تھی شاہان اسیریا نے اس عظیم الشان قدیم تصنیف کا بھی ترجمہ اپنی زبان مین کرایا تھا، جو نور بیل کے نام سے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے سارگن شاہ بابل کے زمانے مین (۷۲) جلدونمین تصنیف ہوئی تھی۔ اس کتاب کا ترجمہ یونانی زبان مین بھی مورخ بروسس نے کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ آج نہ اصل کتاب باقی ہے اور نہ یونانی ترجمہ لیکن خوش قسمتی سے آسیری ترجمہ کی فہرست کا ایک حصہ موجود ہے جسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسمین سورج اور چاند کے قران اور مریخ اور زہرہ کی گردشون اور دُمدار ستارون پر بحث کی تھی، ان الفاظ مین کیگئی تھی، وہ ستارے جو پس پشت دُم اور پیشانی پر تاج رکھتے ہین۔ مکمل رسالے تھے چونکہ جوتش یا نجوم بھی علم ہیئت کی ایک شاخ سمجھی جاتی تھی، اسلیئے اُسکے متعلق بھی بہت سی تختیان تھین جنمین ثوابت اور سیارون کی تاثیرات پر بحث کیگئی تھی۔

ایک نہایت دلچسپ صیغہ حیوانات و نباتات و معدنیات سے متعلق تھا جسمین چوپایون،
پرندون حشرات الارض، گھاسون اور پتھرون وغیرہ کی فہرستین اُنکے اقسام و انواع کے
لحاظ سے ضبط تحریر مین لائی گئی تھین اور اُنمین سے ہر ایک کی تاثیرات پر بھی بحث کیگئی تھی۔
وہاں تونکی فہرستین بھی بعض تختیون پر اس تفصیل کے ساتھ کہ وہ کس کام مین آتی ہین لکھی گئی تھین
اور بعض پر مختلف قسم کی کھانے پینے کی چیزون کی فہرستین درج تھین۔

ایک چھوٹی سی شاخ ریاضی و حساب سے تعلق رکھتی تھی اور اُسمین بعض لگی رسالے
ایسے بھی تھے جنمین جذر مربع و مکعب نکالنے اور پیچیدہ سوالات کے حل کرنیکا طریقہ بتایا گیا
تھا مختلف اعداد کے مربعون اور مکعبون کی جدولین آج تک موجود ہین۔

یہ کُل کتب خانہ جن علوم و فنون پر حاوی تھا وہ زیادہ تر کلدانیون اور بابلیون کی
جولانی طبع کا نتیجہ تھے، اور چونکہ وہ پہلے سے ایک اجنبی زبان اور غیر مانوس خط مین قلمبند
تھے اس لیئے شاہان آسیریا کو انھین اپنی زبان مین لانیکے لیئے ترجمہ کا بھی بڑا اہتمام کرنا پڑا
اور اکثر کتابون کے نہ صرف ترجمے کرائے گئے، بلکہ بہ لحاظ دقت مضامین اُن پر مبسوط شرحین
بھی لکھی گئین چنانچہ اسی ضرورت سے علوم صرف و نحو بھی مدوّن ہوا اور لغات کی کتابین
بھی تصنیف ہوئین جسمین بابلی اور آسیرین دونون زبانونکی خصوصیات پر بحث تھی۔

یہ کُل تختیان بڑی چھوٹی سب قسم کی ہوتی تھین یعنی اگر کوئی طول مین ایک فٹ ہوتی
تھی، تو کوئی ایک ہی انچ اور اُن کے چارون طرف خشک ہونیسے پہلے لوہے یا پیتل کے
نوکدار قلم سے لکھتے تھے اور خشک ہونیکے بعد اُنکو آوے مین پکا لیتے تھے حروف بعض
اوقات اسقدر باریک ہوتے تھے کہ کلان بین سے بھی مشکل سے نظر آسکتے ہین اور خط
وہی قدیم پیکانی تھا، جو زمانۂ قدیم مین کلدانیا اور بابل اور ایران مین مروّج تھا اور جسکو
یہ نام حروف ابجد کے تیر نما ہونے کی وجہ سے دیا گیا ہے، اس قسم کی تیس ہزار سے بھی زیادہ تختیان
نینوا کے کتب خانے مین جمع کی گئی تھین اور یہ خوشی کی بات ہے کہ اُنمین سے بہت ہی
برٹش میوزیم اور یورپ و امریکا کے دوسرے ملکونکے عجائب خانون مین آج تک دنیا کے
قدیم تمدن پر گہری روشنی ڈالنے کے لیئے موجود ہین۔

کاغذ کا رواج اسلام مین

انسانی ترقی پر اگر غور سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان موجودہ شایستگی کے درجہ تک بہت ہی آہستہ آہستہ قدم بڑھا کے پہنچا ہے۔ یہ کلیہ کسی چیز کے ساتھ مخصوص نہین بلکہ اس قدر عام ہے کہ کوئی چیز نہین جس پر منطبق نہ ہو سکتا ہو۔ سب سے پہلی چیز جو انسان کی ترقی کا باعث ہوئی زبان ہے جس کی مدد سے تبادلۂ خیالات کا موقع ملا۔ لیکن زبان بھی ایسی چیز تھی جسکا اثر بہت ہی غیر مستقل اور ناپائدار تھا۔ وہ اثر جو زبان سے پیدا ہوتا ہے اُس کی زیادہ سے زیادہ ترقی یہ تھی کہ صرف چند آدمیون کے گروہ مین محدود رہتا یا علم سینہ کی کمک سے چند پشتون تک قائم رہ سکتا تھا لیکن جب علم بڑھنے لگا اور اُس کے محفوظ رکھنے مین قوت حافظہ عاجز نظر آئی تو ضرورت نے کتابت کی ایجاد کی طرف متوجہ کیا۔ جس کی بدولت علم کی بنیاد اس قدر مضبوط ہو گئی کہ علما کو زندگی جاوید نصیب ہوئی۔ اور ہر شخص متقدمین اور نیز اپنے معاصرون کی علمی تحقیقات کا وارث بن گیا۔

مسلمانون مین اس کی ایک بین اور نمایان مثال بھی موجود ہے۔ علم حدیث جس سے جناب رسالتمآب روحی فداہ کے ملفوظات کا محفوظ کرنا مراد ہے ابتداءً اسی شان مین تھا کہ صرف صحابیون اور تابعین و تبع تابعین کے سینون مین تھا۔ لیکن ایک صدی بھی نہین گزرنے پائی تھی کہ اُن مقدس کلمات کو تحریر مین منضبط کرنے کی ضرورت ظاہر ہو گئی۔ اور باوجود بعض علما خلاف تھے اور ایک آدھ حدیث بھی اس کے خلاف نقل کی جاتی تھی مگر ہر جگہ علما اُٹھ کھڑے ہوے اور احادیث کی تدوین و ترتیب مین

مشغول ہو گئے۔

بہر حال زمانہ نے خود ہی کتابت کی ضرورت ظاہر کی۔ لیکن کتابت کی ایجاد کے ساتھ ہی ایک اور چیز کی ضرورت معلوم ہوئی۔ جس کے بغیر کتابت کا ہونا اور نہ ہونا یکساں تھا۔ وہ کیا چیز تھی؟ سامان کتابت۔ جس طرح پانی اپنے لئے کسی نہ کسی طرح راستہ پیدا کر لیتا ہے اسی طرح جو ضرورت پیدا ہوتی ہے اُس کے پورے ہونے کا بھی کوئی نہ کوئی ذریعہ ہاتھ آ ہی جاتا ہے۔

دنیا میں مختلف زمانوں میں مختلف چیزوں پر لکھنے کا رواج رہا ہے اور غالباً سب سے پہلے انسان نے دیواروں اور پتھروں پر لکھنا شروع کیا۔ لیکن جب ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی دشواریاں نظر آئیں تو لوگ مٹی کے برتنوں پر لکھنے لگے چنانچہ مصر کی زمین سے سیکڑوں ایسے برتن نکلے ہیں اور نکلتے آتے ہیں جن پر حساب اور مختلف قسم کی دستاویزیں وغیرہ لکھی ہیں اور ہزارہا ایسے کتابے اب بھی وہاں کی خاک میں دبے پڑے ہیں جن کو قدامت پسند نگاہیں ہر وقت ڈھونڈھتی رہتی ہیں اور شوق کے ہاتھوں سے لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح قدیم اسیریا (سُریانیا) کے باشندے کچی اور پکی اینٹوں پر لکھا کرتے تھے جو مقدس تبرکات کی طرح آج بھی وہاں سے نکل کے یورپ کے عجائب خانوں میں پہنچتی ہیں اور جنکو بڑی دقتوں کے بعد پڑھ پڑھ کے مورخین یورپ نے اسیریا کی تاریخ مکمل کر لی ہے۔

فلزات کا دنیا میں جب عام طور پر رواج ہوا تو لکھنے والے لوہے تانبے سیسے اور پیتل کے پتروں کو بھی کام میں لانے لگے لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز لکھنے کے کام میں لائی جائے اُس کے لئے چند صفات ضروری ہیں اول یہ کہ اُس کی سطح صاف اور نرم ہو تا کہ لکھنے میں آسانی ہو۔ دوسرے پائدار ہو تا کہ مدتوں تک قائم رہ سکے۔ تیسرے ہلکی اور سُبک ہو تا کہ نقل و حرکت میں دشواری نہ پیدا ہو۔ مٹی کے برتنوں اور فلزات میں یہ صفات پوری طرح موجود نہ تھے۔ اور اسی وجہ سے آج سے ساڑھے چار

ہزار سال پیشتر مصر کے قدیم شایستہ اور مہذب لوگون نے دوسری اشیا کی طرف نظر دوڑائی۔ اور اُن کے طباعی نے ایک درخت کو منتخب کیا جسے مصری زبان مین ہیبار اور یونانی زبان مین پپائرس کہتے ہین۔ یہ درخت اگرچہ اب مصر سے معدوم ہوگیا۔ لیکن ممالک نوبہ وحبش مین اج بھی پایا جاتا ہے۔ اس کی جڑ آدمی کی کلائی کے برابر موٹی اور تقریباً دس ہاتھ سطح زمین سے اوپر نکلی اور قائم ہوتی ہے جس سے پھوٹ پھوٹ کے چھوٹی چھوٹی جڑین زمین مین پیوست ہوجاتی ہین۔ اور تنہ کوئی چار ہاتھ لمبا مثلث نما مخروطی شکل کا ہوتا ہے۔ اور بلندی پر باریک باریک پتے مورچھل کے طور پر لٹکتے تھے۔ مصری لوگ اس کے پتہ کو ہار بنا کے دیوتاؤن پر چڑھاتے تھے۔ اور باقی حصہ مین بھی کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کو دوا یا غذا کے طور پر استعمال نہ کرتے ہون۔ اس درخت کے تنہ سے اُنھون نے لکھنے کا سامان بھی فراہم کیا۔

یہ عہد عتیق کا مصری کاغذ اس طرح بنایا جاتا تھا کہ اُس درخت کے تنے کے تیز چھُریون سے باریک باریک ورق اُتارتے تھے اور کسی بڑے ورق پر تہ در تہ اُن ورقون کو جماتے جاتے تھے جب یون تھین جما کے ایک بنڈل یا مٹھا بنا لیتے تو اُسے دریائے نیل کے پانی مین غوطے دیتے۔ اور خوب غوطہ دے لینے کے بعد شکنجے مین کس کے دھوپ مین سکھا ڈالتے۔ اور جب خوب سوکھ چکتا تو موگریون سے کوٹتے۔ کوٹنے کے بعد کھول کے ورق ورق علیحدہ کرتے اور اُن پر ہاتھی دانت کی تختیون یا بڑی کوڑیون سے مہرہ کرتے۔ اور چونکہ یہ ورق طول مین ہاتھ ہاتھ بھر سے زیادہ نہ ہوتے تھے لہذا جس طرح نئے مختلف خطوط کو جوڑ جوڑ کے مکتوب بناتے ہین اسی طرح وہ لوگ اس قسم کے بیسیون ورقون کو جوڑ کے لکڑیون پر لپیٹ دیا کرتے اور مکتوب کی شکل بنا لیتے تھے یہی وہ کاغذ ہے جسکو عربی مین قرطاس کہتے ہین۔ قرطاس کا لفظ بھی یونانی زبان سے لے کے معرب کیا گیا ہے۔ مصر مین ایک پرانی قبر سے ایک کتاب نکلی ہے

جو ابھی قرطاس پر لکھی ہے اور جناب مسیح سے دو ہزار سال پیشتر کی لکھی ہوئی ہے ک
اس سے قرطاس کی قدامت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے ل

یونانی قدیم زمانے مین چمڑے پر لکھا کرتے تھے ل چنانچہ ایک مرتبہ کسی نے سقراط سے پوچھا کہ آپ کتابین کیون نہین لکھتے؟ تو اُس نے جواب دیا مین نہین چاہتا کہ اپنے خیالات کو آدمیون کے زندہ دلون سے چھوڑ کے بھیڑیون کی مردہ کھال پر منتقل کر دون۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مسیح سے پانچ سو سال پیشتر یونان مین قرطاس کا عام طور پر رواج ہو گیا تھا جب یومینیز ثانی بادشاہ پرگیمس م تخت نشین ہوا اور اُس کی علم پسندی نے مقام پرگیمس مین ایک عظیم الشان کتب خانہ کی بنیاد ڈالی تو اُس پر مصر کے بطلیموسون کو جو علم کی سرپرستی مین شہرۂ آفاق تھے رشک آیا اور اُنھون نے قرطاس کی روانگی موقوف کر کے اُس کی تجارت یونان مین یک لخت موقوف کرا دی۔ یومینیز نے یہ دیکھ کے پھر قدیم طریقہ کو جاری کر دیا۔ اور چمڑون کی تیاری کا حکم دیدیا۔ اور اُس کی تیاری مین ایسی تدبیر کی کہ دونون طرف لکھا جا سکے۔ اس کے بعد سے یونان اور روم دونون ملکون مین قرطاس اور چمڑا دونون چیزین استعمال ہونے لگین۔ اس لیے کہ چند ہی روز بعد مصر سے پھر قرطاس کے آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا اور جب دولت روما کو عروج ہوا تو وہان چمڑے کو لکھنے کے کام مین لانے کے لیے ایسی خوبصورتی سے رنگتے تھے کہ آج تک دیکھ کے حیرت ہوتی ہے۔ پھر جب سلطنت مصر رومیون کے ہاتھ مین آ گئی تو اُنھون نے قرطاس بنانے کے کارخانون کو اور ترقی دی اور یہ قاعدہ بنا دیا کہ قرطاس کے ہر مکتوب کی پیشانی پر لاطینی بادشاہ حاکم کا نام مع تاریخ و مقام لکھ دیا جایا کرے۔

ک راولنس کی تاریخ مصر قدیم اور انسائکلوپیڈیا برٹانیکا۔

ل کتاب الہند بیرونی ص ۸۲ و انسائکلوپیڈیا برٹانیکا۔

م ۱۹۷ قبل مسیح مین تخت نشین ہوا اور ۱۵۹ قبل مسیح مین فوت ہوا۔

اس کے علاوہ انھیں رومیوں نے ایک اور طریقہ اختیار کیا۔ وہ یہ کہ لکڑی یا ہاتھی دانت کی شفاف تختیوں پر موم جماتے۔ اور اُن پر لوہے کے قلم سے لکھتے۔ یہ طریقہ یورپ میں سولھویں صدی عیسوی تک جاری رہا۔ اِس امر کا بیان کرنا بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ قرطاس کو تو مکتوب کی شکل میں رکھتے تھے اور چمڑوں اور تختیوں کو کتابوں کی شکل میں مرتب کرتے اور حفاظت کی غرض سے دفتی یا جلد کیطرح دونوں طرف لکڑی کی تختیاں لگا دیتے تھے۔

ہندوستان میں قدیم سے تاڑ کے پتوں پر لکھنے کا رواج ہے۔ ہندو لوگ جب لکھ چکتے تو سب پتوں کے بیچ میں سوراخ کرکے ایک ڈوری میں پرو دیتے تھے تاکہ وہ ایک کتاب کی شکل میں مرتب ہو جائیں۔ ان میں سے ہر پتہ چار انگل چوڑا اور گز سوا گز لمبا ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ پتے خط و کتابت کی تمام ضرورتوں پر حاوی نہ ہو سکے تو توز کے درخت کی چھال کو جسے بھوج پتر کہتے ہیں کام میں لانے لگے گو اڑیسہ اور بنگالہ کی طرح بعض مقامات میں آج بھی عوام تاڑ کے پتوں ہی کو کام میں لاتے ہیں۔ اور لوہے کے قلم سے کھود کھود کے لکھتے ہیں۔ بھوج پتر کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ چھال کا ایک ٹکڑا جو ایک گز لمبا ایک بالشت چوڑا ہوتا لے لیتے اور اُس پر روغن چڑھا کے مہرہ پھیرتے تاکہ سخت اور چکنا ہو جائے۔ اور ایسے چند اوراق کو لکڑی کی تختیوں سے مجلد کرکے کتاب کی صورت بنا لیتے اور اُسے پوتھی کہتے تھے۔ بھوج پتر صرف کتابوں ہی کے کام میں نہیں آتا تھا بلکہ خطوط بھی اسی پر لکھے جاتے تھے[1] ایک تیسرا طریقہ جو ہندوستان میں مروج تھا یہ تھا کہ لکڑی کی تختیوں کو سیاہ رنگتے اور اُس پر کھریا سے لکھتے تھے۔ یہ طریقہ اگرچہ خط و کتابت کے لئے مطلب نہ تھا لیکن حساب اکثر ایسی تختیوں ہی پر لکھتے۔ اور یہ طریقہ بھی آج تک [illegible] تھا۔

مملکت چین کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہاں بہت قدیم زمانے سے [illegible] تھا جو آج ساری دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ خود چین والوں کو یہ دعویٰ ہے کہ [illegible] ایجاد اس میں حضرت عیسیٰ سے کئی ہزار سال پیشتر [illegible] یورپ کو دوسری صدی قبل مسیح سے پیشتر پتہ نہیں لگ سکا۔ [illegible]

(۱) کتاب الہند بیرونی صفحہ ۹۲

جہان بہت سے نقصانات ہین وہان یہ فائدہ بھی ہو کہ فریقین کو ایک دوسرے سے مفید باتون کے سیکھنے کا موقع ملتا ہی۔ جس سے دونون کو ترقی کے اسباب ہاتھ لگتے ہین۔ تاتاریون اور چینیونمین چونکہ ہمیشہ لڑائی رہا کرتی تھی اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ روئی کے کاغذ کا علم سب سے پہلے ترکستان والون کو بعض چینی قیدیون کے ذریعے سے حاصل ہوا۔ اور چونکہ تمدنی ضرورتون کے لحاظ سے یہ ایک ضروری چیز تھی اس لیے چند ہی روز مین کاغذ سازی کے بعض کارخانے سمرقند مین قایم ہوگئے۔

جزیرہ نماے عرب مین سنہ عیسوی شروع ہونیکے کئی ہزار سال پیشتر یمن کے قبائل حمیری نے تمدن مین بہت نمایان ترقی کی تھی۔ انمین بھی لکھنے کا رواج تھا اور مصریون کی طرح وہ بھی مٹی کی تختیون یا پتھر کی سلون پر لکھا کرتے تھے[1]۔ کئی صدی بعد جب رومیون نے ملک عرب پر حملہ کیا تو گو کہ ناکامی کے ساتھ واپس جانا پڑا۔ مگر یہ ناکامی بھی تاجرانہ تعلقات قایم ہونے مین بہت معین ہوئی۔ اور زمانہ جاہلیت ہی مین عربی کاروانین تجارت کا مال لیکر شام کو جانے لگین۔ ان تعلقات تجارت کی بدولت اُنھین دونون عربون مین بھی چمڑے پر لکھنے کا رواج ہوگیا۔ لیکن چونکہ چمڑہ کثرت سے اور ضرورت کے موافق نہین ملتا۔ اس لیے مٹی کے ٹھیکرون اور ہڈیون اور پتھرون وغیرہ کو بھی کام مین لاتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جاہلیت عرب مین قرطاس کو بھی لوگ جانتے تھے۔ چنانچہ کلام پاک مین سورۂ انعام مین "قراطیس" کا لفظ موجود ہے۔ عرب کے قدیم تاجرانہ تعلقات مصر و حبش سے ثابت ہین۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونون اہل عرب قرطاس سے بھی واقف نہ تھے۔

اہل عرب بلکہ ساری دنیا کی خوش قسمتی سے اہل عالم کی رہبری کے لیے جب ہمارے سرتاج نبی برحق مبعوث ہوے اور کلام اللہ نازل ہونا شروع ہوا تو آیات قرآنی جس شان سے نازل ہوتی تھین اُسی شان سے ہرن کے چمڑے مٹی کے ٹھیکرون اور پتھر کے ٹکڑون پر لکھ لی جاتی تھین یہی چیزین تھین جنپر قرآن پاک

[1] پروفیسر سائس آثار قدیمہ عرب ۱۲

کا پہلا نسخہ لکھا گیا۔ لیکن معلوم ہوتا ہی کہ زمانہ مین عام طور پر چمڑے کا رواج ہو چکا تھا اس لیے کہ آنحضرت صلعم نے جو عہد نامہ یہود خیبر سے کیا وہ بھی چمڑے پر لکھا گیا تھا اور آپ نے جو مشہور و معروف فرمان کسریٰ پرویز کے نام لکھا وہ بھی چمڑے پر تھا اور اگرچہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے انتقال فرماتے وقت لوگون کو قلم و قرطاس لانے کا حکم دیا تھا مگر اس کے بعد خلیفہ رسول اللہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور امیر المومنین حضرت فاروقؓ کے زمانے تک چمڑے ہی پر لکھنے کا رواج رہا۔ پھر حضرت عمرؓ کے بابرکت زمانے مین جب عمرو بن العاص کی بیقرار حوصلہ مندی خوش تدبیری نے مملکت مصر کو فتح کیا تو چونکہ قدیم سے مصر مین یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ قرطاس سلطنت ہی کی طرف سے بنایا جاتا تھا اور کسی دوسرے شخص کو اس کے بنانے کی اجازت نہ تھی لہذا قرطاس کے کارخانے بھی خلافت کے قبضے مین آ گئے اور اُسکی تیاری چونکہ بہت ضروری اور فائدہ بخش خیال کی جاتی تھی لہذا وہ کارخانے بجنسہ قایم رکھے گئے۔ اور اس لحاظ سے کچھ بعید نہین کہ قرآن کا دوسرا اڈیشن یعنی مصحف عثمانی قرطاس ہی پر لکھا گیا ہو۔

لیکن ایک مدت تک ان قرطاسون کی پیشانی پر حسب دستور رومی علامتین لکھی جاتی رہین۔ یہانتک کہ عبد الملک بن مروان تخت نشین ہوا۔ اور اُسکی متجسس نظر نے اُس کے متعلق ایک معمہ حل کر کے قرطاسون کا خط پیشانی بدلا۔ وجہ یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ اُس نے اس تحریر کو اپنے مترجم سے پڑھوایا تو معلوم ہوا کہ اگلا رومی جملہ تو موقوف ہو گیا اور مدت سے اس کی جگہ عیسائیون کا کلمہ تثلیث یعنی باپ بیٹا۔ روح القدس لکھا جاتا ہے۔ عبد الملک کو یہ امر ناگوار ہوا اور اُس نے والی مصر کے نام فوراً فرمان بھیجا کہ قرطاسون کی پیشانی پر پہلے جو رومی عبارت لکھی جاتی تھی اب اُس جگہ عربی خط مین یہ جملہ لکھا جایا کرے کہ "شہد اللہ انہ لا الہ الا ہو" اور اسی بنا پر قیصر روم اور خلافت کی فوجون مین ایک سخت لڑائی ہوئی[1]

اگرچہ اس زمانے مین عرب مین پوری طرح قرطاس اور چمڑے کا رواج ہو گیا تھا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون تاریخ کامل حالات سنہ وحیوة الحیوان دمیری

مگر زیادہ قیمتی اور گران ہونے کی وجہ سے غریب طالب علم دونون کو کام مین نہ لا سکتے تھے چنانچہ امام ابو یوسفؒ کا ایک واقعہ شاہد ہے کہ اُن کی طالب علمی کے زمانے تک سنگا ہون وغیرہ مین ہڈیون پر لکھنے کا رواج باقی تھا۔

سنہ [illegible]ء مین جب سمرقند فتح ہوا[1] تو مسلمانون کے ہاتھ ایک ایسی چیز لگی جسنے چند ہی روز مین قرطاس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔ اور وہ چیز روئی کا کاغذ تھی جسکے کارخانونکے سمرقند مین قائم ہونیکا ہم پہلے ذکر کر چکے ہین۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مسلمان اپنے علوم کی تدوین مین نہایت سرگرمی سے مصروف تھے۔ اس لیے یہ چیز نہایت ہی غنیمت معلوم ہوئی۔ اور چند ہی روز مین تمام بلاد اسلامیہ مین پھیل گئی۔ بڑے بڑے شہرون مین کارخانے قائم ہوگئے۔ اور دمشق مین تو کاغذ کی تیاری مین اسقدر ترقی ہوئی کہ کاغذ کا نام بھی یورپ مین کئی صدیون تک "کارٹا داسکینا" تھا۔ تھوڑے ہی زمانے مین کاغذ کا عام طور پر مروج ہو جانا اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ لائیڈن کے کتب خانہ مین آج بھی ایک کتاب "غریب الحدیث" موجود ہے۔ جو [illegible]ء مین لکھی گئی تھی۔ یورپ مین پہلے پہل کاغذ کی تیاری کے کارخانے مسلمانون ہی کی بدولت قائم ہوئے۔ جب مسلمانون نے اندلس کو فتح کیا تو وہان وہ اس صنعت کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اور مختلف شہرون مین کاغذسازی کے کارخانے قائم کر دیئے۔ جن مین مدینۂ شاطبہ۔ مدینۂ بلنسیہ اور مدینۂ طلیطلہ کے کارخانے بہت مشہور ہوئے۔ اٹلی والون نے کاغذ بنانیکا ہنر جزیرہ صقلیہ (سسلی) سے سیکھا جو مسلمانون کے زیر حکومت تھا۔ اور وہین سے یہ صنعت رفتہ رفتہ تمام ممالک یورپ مین شائع ہوگئی۔ اس بارہ خاص مین جو شرف مسلمانون کو اہل یورپ پر حاصل ہے اُسکا نمایان ثبوت اس سے بھی

[1] امام ابو یوسفؒ کا زمانہ طالب علمی بہت عسرت اور فقر و فاقہ کا تھا۔ خود بھی فاقہ کرتے تھے اور وہ پاکدامن خاتون بھی جسکو انکی بی بی ہونیکی عزت حاصل تھی۔ ایک دن بہت بھوکے گھر مین آئے کئی دن سے فاقہ کرتا اور نہایت بھوکے بی بی سے کہا کہ اسوقت تو کوئی چیز لاؤ دیکھو کہ مارے بھوک کے برا حال ہے۔ وہ نیکبخت بھی فاقہ سے تھی۔ اور [illegible] بیٹھی تھی انکے سامنے دستر خوان بچھا دیا اور وہ ہڈیان لاکے ڈھیر کر دین جن پر انھون نے اپنے اساتذہ کے املا لکھے تھے۔ اور کہا کہ تمھاری کمائی تو یہی ہے اسی کو کھاؤ۔ نامۂ دانشوران

[2] کتاب الہند بیرونی و انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔

ملتا ہے کہ اگرچہ مسلمانون کے عہد قدیم کی لکھی ہوئی سیکڑون کتابین کتب خانون مین محفوظ ہین لیکن یوروپ کی قدیم کتابون مین سے کوئی کتاب سنہ ۱۰۰۰ء سے پہلے کے کاغذ پر لکھی ہوئی موجود نہین ہے۔

مسلمانون کی ترقی کے بعد کوئی ایسا مقام نہ تھا جہان کاغذ کا کوئی کارخانہ موجود نہو مگر کشمیر نے خاص دبیز ریشمی کاغذ کے لحاظ سے جو پائداری مین اپنا جواب نہ رکھتا تھا بہت کچھ شہرت حاصل کی لیکن اسپر بھی کشمیری کاغذ چین کے کاغذ پر فوقیت نہ لیجا سکا اور آجتک خان بالیغ یعنی کیٹین کے کاغذ کا نام پرانی کتابین ڈھونڈھنے والون کی زبان پر چڑھا ہوا ہے صفائی کے لحاظ سے جو رتبہ خان بالیغ کو حاصل ہے اور کسی کاغذ کو نہین نصیب۔

اس زمانے مین یوروپ مین اگرچہ کاغذ کی ساخت مین بھی دوسری صنعتون کی طرح دخان اور کمینکس کی بدولت بے انتہا ترقی ہوئی ہے لیکن اس کا ذکر اس مضمون مین خارج از بیان ہے۔



اخیۃ الفتیان

صلیبی جنگیں اگرچہ بظاہر قہر خدا تھیں اور انسان کے وحشیانہ جذبات کو ابھار کر قصدون
تک خون کی ندیان بہاتی رہیں۔ لیکن در اصل یہی پہلا موقع تھا کہ مغرب و مشرق کا ملاپ اور
ایک کو دوسرے سے استفادہ کا اتفاق ہوا۔ مشرق اس زمانہ میں حسن اخلاق کا معدن اور
تہذیب و شائستگی کا مرکز تھا۔ اور برخلاف اسکے مغرب وحشیانہ جذبات کا کھیت تھا اس لیے
ظاہر ہے کہ اس اتصال سے زیادہ تر فائدہ مغرب کو پہونچ سکتا تھا۔ لیکن ایک انگریزی مثل ہے
کہ کیسی ہی کالی ہو اُسکا استر ہمیشہ روپہلی ہوتا ہے۔ اسی طرح اہل مغرب میں بھی باوجود
بہیمیت کے غلبہ کے بعض عالی صفات موجود تھیں جن سے مشرق بھی سبق لے سکتا تھا چنانچہ
کو عیسائیت کے ساتھ جو مناسبت ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے اور اگرچہ ابتدا سے مذہب
عیسوی کے پیروؤں میں اُس کا زور چلا آتا تھا۔ مگر پیٹر دی ہرمٹ اور سینٹ برنارڈ کے جوش
نے اسکو سپہگری کا جامہ پہنایا اور رہبان شہسواروں کے چند طبقے مثل نائٹس
ٹمپلر اور نائٹس آف سینٹ جان کے قائم ہوئے جن کا قدم حمایت صلیب میں ہمیشہ
آگے رہا۔ یہ لوگ ترک دنیا کر کے مذہب کے لیے اپنی زندگی وقف کر دیتے تھے اور
نہ صرف مذہبی لڑائیوں میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ بلکہ زمانہ امن میں ان کا کام راستوں
کی حفاظت، غریبوں کی دستگیری، بیماروں کی تیمارداری اور بے نوا زائروں کی مہمان داری
ہوتا تھا۔ ہمارے تاریخ خیال مورخوں کو لڑائی اور آپس کے فساد کی تفصیل سے اتنی
فرصت نہیں ملی کہ ایسی باتوں کی طرف توجہ کرتے۔ لیکن خوش قسمتی سے چند سفرنامے
دست برد زمانہ سے محفوظ رہ گئے ہیں جن سے اُس زمانہ کی سوسائٹی کی حالت اور اجمالاً
زمانہ جو تغیرات اُس میں ہوئے ہیں انکی کیفیت کسیقدر معلوم ہو سکتی ہے۔ ابن بطوطہ اگرچہ
دنیا کے ایک کونے کا رہنے والا تھا۔ مگر ... سبق اسکی ہمت کی ... اسقدر ... سکی

نظر بھی باریک تھی ۔ اگرچہ اسکا اصلی سفرنامہ اسکے مال و منال کے ساتھ نذر آب ہوا لیکن جو مختصر نوٹ اُسنے اپنی یادداشت کیلئے لکھ لئے تھے وہ بھی ایسی وسعت نظر کا پتہ دیتے ہین کہ میرے خیال مین اس وقت تک بھی کسی سیاح کو کم نصیب ہوئی ہے جس شہر یا ملک سے اُس کا گذر ہوتا ہے ایک نگاہ مین وہان کے تمام خصوصیات کو محسوس کرکے اپنے ذہن مین محفوظ کرلیتا ہے ۔ بلاد روم کے حال مین جس سے اُسکی مراد ایشیا ے کوچک ہے اُس نے درویشون کے ایک عجیب طبقے کا حال لکھا ہے جو تمام دیہات اور قصبون اور شہرون مین پھیلا ہوا تھا اور کوئی مقام ایسا نہ تھا جو اُنکے زیر اثر نہو ۔ اس طبقہ کا نام اخیۃ الفتیان یعنی برادری نوجوانان تھا - وہ لکھتا ہے کہ بلاد روم مین کوئی شہر خواہ چھوٹا ہو یا بڑا قریہ ہو یا قصبہ اس طبقہ کے لوگون سے خالی نہین ہے اور تمام روے زمین پر کوئی شخص ان اخیہ (بھائیون) سے بڑھکر مہمان نواز غریب الوطن لوگون کی خاطر و مدارات مین اہتمام بلیغ کرنے والا بھوکون کو کھانا دینے والا - غریبون کی حاجتین بر لانے والا مظلومون کی طرف سے ظالمون سے بدلا لینے والا اور شریر اور ایذا رسان اشخاص کو قتل کرنے والا نہین ہے -

وہان کی اصطلاح مین اخی اُس شخص کو کہتے ہین جو اپنے ہم پیشہ لوگون یا دوسرے نوجوانون اور مجرد لوگون کو جمع کرکے ایک طبقہ قائم کرے اور خود اس طبقہ کا پیشوا یا گرینڈ ماسٹر ہو اور اُس کا نام فتوت بھی ہے جو شخص اس درجہ کا ہوتا ہے وہ ایک مکان خانقاہ کے طور پر بنواتا ہے اور اُسکا فرش و فروش اور سامان روشنی سے آراستہ کرتا ہے اور وہان اپنے طبقہ کے لوگون کو جو فتیان کہلاتے ہین رہنے کے لیے جگہ دیتا ہے اور ہر روز صبح کے وقت انکو اُنکے پیشے کے کام پر بھیجتا ہے ۔ عصر کے وقت سب لوگ اپنے اپنے کام سے فارغ ہوکر ہوکر خانقاہ مین آتے ہین اور دن بھر کی کمائی جمع کرکے اخی کو دیتے ہین اور وہ انکا کھانے اور فواکہات اور نیز دیگر ضروری خرچ مین لاتا ہے ۔ اگر اُس روز شہر مین کسی مسافر کا گذر ہوتا ہے تو نہایت انکسار و لجاجت کے ساتھ اُس سے مہمان ہونے کی درخواست کرتے ہین اور بہت عزت و احترام کے ساتھ اُس کو خانقاہ مین لاتے ہین اور جو کچھ دن بھر کی کمائی سے خریدا ہے اُس سے اُس کی دعوت کرتے ہین اور جب تک وہ مقیم رہے ہر روز اُسی طور پر اسکی دعوت مین اہتمام کرتے ہین اور اگر وہ مہمان خود ہی چلا جائے تو خیر ورنہ اگر وہ مدتہا ے دراز تک بھی ٹھہرے تو انکی طرف سے اسکی خاطر و

مدارات مین فرق نہین آتا۔ اگر اتفاقاً کسی روز کوئی مہمان نہ ملا تو خود ہی جمع ہو کر کھانا
کھا لیتے ہین اور اسکے بعد وجد و سماع اور سرود و طرب مین مصروف رہتے ہین - اور
صبح کو پھر اپنے اپنے کام پر چلے جاتے ہین -

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ جس روز وہ شہر انطاکیہ مین پہونچا اس کے دوسرے روز
ایک شخص نہایت بوسیدہ کپڑے پہنے اور سر پر نمدے کی ٹوپی اوڑھے ہوے شیخ شہاب الدین
حمری کے پاس آیا اور اُن سے کچھ ترکی زبان مین باتین کین شیخ نے کہا کہ کچھ سمجھے اس نے
کیا کہا ؟ مین نے جواب دیا کہ مین زبان ترکی نہین جانتا - اسپر شیخ نے کہا یہ شخص تمکو مع
تمہارے تمام ساتھیون کے دعوت دینے آیا ہے۔ مجھے اس سے بہت تعجب ہوا اور مین نے
ٹالنے کے لیے کہدیا کہ اچھا مگر جب وہ چلا گیا، تو مین نے شیخ سے کہا کہ بیچارہ بہت غریب
معلوم ہوتا ہے۔ اتنے آدمیون کی ضیافت کا کیونکر متحمل ہو سکے گا۔ ہم اسکو تکلیف دینا نہین
چاہتے شیخ میری زبان سے یہ جملہ سُنکر بہت ہنسا اور کہنے لگا کہ اسکے کپڑون پر نجاؤ۔ یہ بہت بڑا
آدمی ہے۔ اگرچہ یہ موچی کا پیشہ کرتا ہے۔ مگر فتیان واخیہ کے شیوخ سے ہے اسنے اپنے ہم پیشہ لوگون
سے دوسو آدمیون کا جتھا قائم کیا ہے اور یہ اون سب کا پیشوا ہے۔ ان لوگون نے ایک نہایت
عمدہ خانقاہ بنائی ہے۔ اور دن بھر جو محنت و مزدوری مین کماتے ہین وہ رات کو مسافرون
کی دعوت مین خرچ کر دیتے ہین مغرب کے وقت یہ شخص پھر آیا اور ابن بطوطہ کو مع اُس کے
ہمراہیون کے لے گیا۔ وہان جا کر کیا دیکھتے ہین کہ ایک نہایت عالیشان مکان ہے جسمین
نہایت نفیس رومی قالین بچھے ہوے ہین اور شیشہ و آلات سے آراستہ ہے۔ روشنی
کا سامان بھی نہایت اعلیٰ درجہ کا ہے۔ محفل مین ایک جماعت نوجوانون کی صف بستہ
بیٹھی ہے۔ جن مین ہر شخص گلے مین قبا اور پاؤنمین موزے اور سر پر ٹوپی پہنے ہے
جس کی نوک پر ایک ٹکڑا کپڑے کا جو ہاتھ بھر لنبا اور دو انگل چوڑا ہے لگا ہوا ہے اور کمر مین
پیٹی جسمین وہ ہاتھ کا لنبا چھرا ہے۔ لگائے ہوے ہے۔ جب سب لوگ بیٹھ گئے تو ہر شخص نے
ٹوپی اُتار اپنے سامنے رکھ لی اور ایک چھوٹی ٹوپی زردہ خال وغیرہ کی۔ جو نہایت خوشنما اور بڑی
ٹوپی کے نیچے تھی اپنے سر پر رہنے دی۔ محفل کے بیچ مین تازہ وارد لوگون کے لیے برتن جما
گئے۔ جب سب لوگ اپنی جگہ پر بیٹھ گئے تو بہت کثرت سے عمدہ عمدہ کھانے اور میوے اور مٹھائیان
لائی گئین۔ اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد یہ لوگ وجد و سماع مین مصروف ہوے

شہر لاذق کے حال مین ابن بطوطہ نے انھین لوگون کے متعلق ایک عجیب پُر لطف واقعہ بیان کیا ہی۔ وہ لکھتا ہی کہ جب ہم شہر لاذق مین پہونچے' تو ہمارا گذر ایک بازار مین ہوا۔ ہمارا دیکھنا تھا کہ بہت سے لوگ دُکانون سے کود کر ہمپر آپڑے اور اُنھون نے ہمارے گھوڑونکی باگون کو پکڑ لیا۔ یہ دیکھکر کچھ لوگ دوسری طرف سے آئے اور اُنھون نے چاہا کہ اُنکے ہاتھون سے باگین چھین لین۔ اس پر اُنمین آپس مین تکرار ہونے لگی اور یہان تک نوبت پہونچی کہ چھُرے نکالکر لڑنے مرنے پر تیار ہو گئے۔ ہم یہ دیکھکر ڈرے کہ یہ غالباً جری قوم کے لوگ ہین' جو قزاقی مین مشہور ہین اور ہمکو لوٹنا چاہتے ہین۔ اتنے مین اتفاق سے ایک حاجی آگیا' جو زبان عربی سمجھتا تھا۔ ہم نے اُس سے پوچھا کہ یہ کیا مضمون ہی' اُسنے کہا کہ یہ لوگ طبقہ' فتیان سے ہین اور پہلے جو لوگ آئے ہین' وہ اخی سنان کی جماعت سے ہین اور بعد مین آئے ہین' وہ اخی طومان کے گروہ سے ہین اور ہر جماعت کی یہ کوشش ہی کہ تم اُنھین کے ہان ٹھہرو۔ ابن بطوطہ کو ان لوگون کی کریم النفسی پر بڑا تعجب ہوا۔ بالآخر ان لوگونمین اس امر پر مصالحت ہوئی کہ قرعہ ڈالا جائے اور جسکے نام قرعہ نکلے اُسکے ہم مہمان ہون۔ چنانچہ اخی سنان کے نام قرعہ نکلا اور جب اُسکو یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے اصحاب کی بڑی جماعت کے ساتھ ہماری پیشوائی کیلئے آیا اور جب یہ گروہ ہمارے نزدیک پہونچا' تو سب نے ہمکو سلام کیا اور اپنی خانقاہ مین لیجا کر ٹھہرایا اور قسم قسم کے کھانے کھلائے اور اسکے بعد ہمکو حمام مین لے گئے اور اخی سنان نے خود مجھکو نہلایا اور اُسکے اصحاب نے میرے ساتھیونکو تین تین چار چار آدمی ایک ایک شخص کی خدمت کرتے تھے۔ جب حمام سے فارغ ہوئے' تو عمدہ عمدہ کھانے اور مختلف قسم کے میوے اور مٹھائیان کھلائی گئین اور کھانے سے فارغ ہونیکے بعد قاریون نے آیات قرآنی خوش الحانی سے پڑھین اور اُسکے بعد ذکر اور رقص و سماع شروع ہوا۔ دوسرے روز شام کو اخی طومان مع اپنے تمام اصحاب کے آیا اور ابن بطوطہ اور اُس کے ہمراہیون کو خانقاہ مین لے گیا وہان بھی اُنکے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا گیا بلکہ اُس پر اس قدر اور مستزاد ہوا کہ جب یہ لوگ نہانے سے فارغ ہو کر حمام سے نکلے اُن پر گلاب چھڑکا گیا اور کھانون اور مٹھائیونمین پہلے سے بھی زیادہ تکلف کیا گیا۔ ابن بطوطہ شام کے جتنے شہرون اور قصبونمین گیا وہان اضیت الفتیان نے اُس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا بلکہ کہین کہین اس سے بھی بڑھکر خاطر و مدارات کی۔

ابن بطوطہ کا گذر ایک گاؤنمین ہوا جس کا نام کادیہ تھا وہان اُسکو ایک عجیب پُر لطف

واقعہ پیش آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ یہان ہم ایک اخی کی خانقاہ مین گئے۔ ہمنے اُس سے عربی مین باتین شروع کین جنکو وہ نہ سمجھا اور اُسنے ترکی زبان بولنی شروع کی جس کو ہم نہ سمجھے یہ دیکھکر اُس نے ایک شخص سے کہا کہ فقیہ کو بُلالاؤ وہ عربی جانتا ہے جب فقیہ آیا تو ہمنے اُس سے پہلے فارسی مین اور پھر عربی مین باتین کین مگر وہ نہ سمجھا۔ لیکن تھا بڑا چالاک اُسنے اخی سے کہا کہ "ایشان عربی کُہنہ می گویند ومن عربی نو میدانم" فقیہ کی جہالت اُن لوگون کے حق مین آب حیات ثابت ہوئی کیونکہ اُن کو فقیہ کی عربی دانی مین تو شبہہ نہ تھا اخی نے عربی کُہنہ کے الفاظ سُنکر اور بھی اُنکی خاطر و مدارات کی اور سب لوگون سے کہا کہ یہ لوگ خاصکر واجب التعظیم ہین کہ قدیم عربی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تھی بولتے ہین۔

اگرچہ ابن بطوطہ نے صرف ان لوگون کی مہمان نوازی اور عام اخلاق اسلام کے حالات ہی لکھنے پر قناعت کی ہے کیونکہ اُسکو زیادہ تر اُنھین باتونکا تجربہ ہوا تھا لیکن اُسنے تمہید مین جو اُمور بیان کیئے ہین اُن سے اُس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ صرف مسافرون کی خاطر و مدارات تک ہی اپنی کوششون کو محدود نہ رکھتے تھے بلکہ اُنھون نے ایک باضابطہ منتظم سوسائٹی قائم کی تھی جس کے فرائض مین اہل احتیاج کو ہر قسم کی مدد دینا داخل تھا۔ اور اُن کے اپنی کمر مین لمبے لمبے چھُرے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف راہ روؤن کو ڈاکوؤن اور رہزنون کے پنجے سے نجات دیتے ہون گے بلکہ مذہبی لڑائیون مین بھی حصہ لیتے ہونگے غرضکہ اُن تمام فرائض کو ادا کرتے ہون گے جو عیسائیوں مین نائٹس ٹمپلرز اور نائٹس آف سینٹ جان وغیرہ انجام دیتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سوسائٹی مین داخل ہونے کے لیے کچھ امیر و غریب پیشہ ور یا عہدہ دار سرکاری کی قید نہ تھی بلکہ ہر فرقہ اور گروہ کے لوگ شریک ہو سکتے تھے چنانچہ ہم بتا چکے ہین کہ شہر انطاکیہ مین اخی فتیان موچی تھا اور قیساریہ کا اخی فتی امیر اعلیٰ تھا جو اُس ملک کے کبائر اُمراء سے تھا۔ اور شہر قرنیہ کے فتیان کا سرگروہ وہان کا قاضی ابن قلم شاہ تھا۔ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ان لوگون کا لباس بھی یکسان ہوتا تھا۔ اور جس طور پر کہ صوفیون کا خاص خرقہ ہے اسی طور پر اِن لوگون کا لباس فتوت سوادیان (پاجامہ) تھا۔ اِس سے بھی ان لوگون کے فوجی مذاق کا پتہ لگتا ہے۔

اگرچہ اسلام نے بمقتضاے لا رہبانیۃ فی الاسلام۔ رہبانیت کو اپنے دائرہ سے خارج

سلہ رحلہ ابن بطوطہ حالات انطاکیہ۔ ۱۲

کر دیا تھا، مگر یہ لوگ مثل عیسائی رہبان شہسوارون کے عالم تجرد مین اپنی زندگی بسر کرتے تھے اور فکر فردا سے اس قدر فارغ البال تھے کہ ہر روز کی کمائی اُسی روز خرچ کر دیتے تھے انمین عیسائی رہبانون کے لحاظ سے اسقدر ترقی معلوم ہوتی ہو کہ اُنکی گذر صرف پُرجوش مذہبی لوگون کی خیرات پر تھی اور خود کسی پیشہ مین داخل ہونا گناہ عظیم سمجھتے تھے جس سے بعد مین نہایت بدنتائج پیدا ہوئے، مگر یہ لوگ بمقتضائے الکاسب حبیب اللہ[۱] مختلف قسم کے پیشے انجام دیتے تھے اور اپنے ہاتھ کی محنت سے اکل حلال پیدا کرتے تھے۔ یہ امر کہ یہ جماعت کیونکر عالم وجود مین آئی۔ اس پر ابن بطوطہ نے کوئی روشنی نہین ڈالی ہو اور نہ اسکے متعلق کوئی تاریخی مواد ہمکو مل سکا ہو، لیکن اس مسئلہ پر بحث کرنے سے پہلے اس امر کا پتہ لگانا ضرور ہو کہ وہ کس زمانہ مین قائم ہوئی۔ علامہ ابن جبیر اُندلسی نے مشرق کا سفر ۵۷۸ھ مین شروع کیا تھا اور اُسکا گذر اکثر بلاد روم مین ہوا، لیکن اُسنے کہین اس سوسائٹی کا ذکر نہین کیا ہو۔ ورنہ اگر یہ اسوقت موجود ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ ایک غریب الوطن سیاح کو ایسی یادگار اور پُرخلوص مہمان نوازی کا تجربہ ہوا ہو اور وہ اُس کا ذکر نہ کرے برخلاف اسکے ابن بطوطہ کی سیاحت ۷۲۵ھ مین شروع ہوئی ہو۔ پس اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اِس سوسائٹی کا قیام اسی سوا سو برس کے اندر ہوا اور چونکہ ابن بطوطہ نے اسکو نہایت منتظم حالت مین پایا۔ اس لیے قیاس چاہتا ہو کہ اُس کو قائم ہوئے ایک عرصہ دراز گذر چکا ہوگا۔ پس اِس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہو کہ جب بلاد روم مین آل سلجوق کی حکومت کمزور ہو کر طوائف الملوکی کا دورہ ہو گیا اور کوئی ایسی قوت باقی نہ رہی جو شہنشاہ روم یعنی والی قسطنطنیہ کا مقابلہ کر سکے اور اس لیے آئے دن عیسائیون سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی ہوگی جس سے سخت بدامنی پیدا ہوئی ہوگی۔ اس قوم ترک کے بعض پُرجوش نوجوانون نے نائٹ ٹمپلر وغیرہ کی تقلید مین اپنے ملک کی حفاظت اور اہل ملک کی مدد کے لئے یہ سوسائٹی قائم کی ہوگی اور زمانے کی ضرورت اور جوش مذہبی کے تقاضے سے یہ تحریک بہت جلد تمام ملک مین پھیل گئی ہوگی۔ گویا کہ یہ سوسائٹی اُس زمانے کی ینگ ٹرکش پارٹی تھی۔ اس امر کا ایک ثبوت کہ اس سوسائٹی کا قیام کچھ ایسی ہی ضرورتون کے لحاظ سے ہوا ہوگا۔ یہ ہو کہ ابن بطوطہ شہر قلیسانہ کے حال مین ضمناً لکھا ہو کہ ممالک شام کا یہ دستور ہو کہ جس شہر مین کوئی سلطان نہین ہوتا

[۱] کمائی کرنیوالا خدا کا دوست ہے۔ ۱۲۔

وہان کا حاکم اُس شہر کے فتیان کا اخی ہوتا ہی اور وہی سلاطین کیطرح مسافرون کی تواضع علی قدر مراتب سواری ولباس سے کرتا ہی اور اوامر ونواہی اور سواری کے جلوس کی ترتیب مین وہ سلاطین کے مثل ہوتا ہی اس سے ظاہر ہوتا ہی کہ طوائف الملوکی کی کمزوری سے آشنا ہوکر ان لوگون نے اپنی ذاتی ایثار نفسی اور ہمدردی خلق اللہ اور جوشِ مذہب سے ایک ایسی قوت قائم کی تھی جو کسی عظیم الشان سلطنت کی قائم مقام تھی۔
قیاس یہ بھی چاہتا ہی کہ یہ سوسائٹی ایشیائے کوچک مین آل عثمان کی حکومت مضبوطی سے قائم ہونے تک باقی رہی ہوگی اور جب آل عثمان نے قوت پکڑ کر اُن تمام فرائض کو اپنے ہاتھ مین لیا ہوگا جو ایک قوی سلطنت سے متعلق ہون تو ضرورت کے باقی نہ رہنے کی وجہ سے یہ سوسائٹی خود بخود خاتمہ کو پہونچ گئی ہوگی، بلکہ گمان غالب یہ ہی کہ صوفیہ کے جو بہت سے فرقے ہین، اُنھین سے کسی ایک فرقے مین شریک ہوکر عالم فراموشی کی سیر کر رہی ہوگی۔ معلوم ہوتا ہی کہ جس طرح اکثر طبقات صوفیہ کا سلسلۂ بیعت حضرت علی ابن ابیطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک منتہی ہوتا ہی۔ اسی طرح ان لوگون نے بھی اپنا سلسلۂ فتوت خدا سے ملایا تھا اور غالباً یہ نام بھی اسی وجہ سے رکھا گیا تھا کہ پہلے فتی جیسا کہ مشہور رہی۔ ”لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی قرار پائے تھے۔

ایک بے پردہ مسلمان قوم

ہمارے اسلاف مین جو طریقہ تعلیم مروج تھا - اس کا جزو اعظم سفر تھا - گردش زمانہ سے دوسری خوبیون کی طرح یہ بات بھی ہم مین سے اٹھتی جاتی ہے لیکن یورپ مین ابھی تک سیر وسیاحت کو تکمیل تعلیم کے لیے ضروری سمجھتے ہین - سیر وسیاحت مین خواہ کچھ اور فائدہ ہو یا نہو لیکن یہ بہت بڑا فائدہ ہے کہ مختلف ممالک کے مختلف رسم ورواج اور مختلف اقوام کے مختلف عادات واخلاق دایرۂ نگاہ کو وسیع اور ایک ہی شے کو کئے سطح نظر سے دیکھنے کا عادی کردیتی ہے جو تمام ترقی کی جڑ ہے اور وہ دیہاتی نشان جو کسی قوم کو اپنی قوم سے شریف اور کسی خاندان کو اپنے خاندان سے عالی مرتبت اور کسی شخص کے اخلاق کو اپنے اخلاق سے بہتر سمجھنے نہین دیتی - کم ہوجاتی ہے اگر کوئی چیز ہم مسلمانون کی ترقی کے مانع ہے تو در اصل یہی دیہاتی نشان ہے - کیونکہ جب ایک دفعہ اپنے مقابلہ مین دنیا کو ہیچ اور اپنے آپ کو سب سے اعلیٰ وافضل سمجھ لیا تو ہم نہ ترقی کی ضرورت سمجھ سکتے ہین اور نہ ہمارے قدم سعی آگے بڑھ سکتے ہین اگر ہر شخص کو سیر وسیاحت نصیب نہ ہوسکے تو نامور سیاحون کے سفرنامے پڑھنے سے بھی دایرہ معلومات بہت کچھ وسیع ہوسکتا ہے - اخلاق ایک ایسی چیز ہے جو بہت کچھ ابتدائی تعلیم اور عام رواج پر مبنی ہے اور ہم عموماً انہین چیزون کو برا سمجھتے ہین جنکو شروع سے برا سنتے رہتے ہین خواہ ان کو برا کہنا مذہب نے سکھایا ہو یا سوسائٹی نے - لیکن ہم اگر تکلیف اٹھاکر دوسرے ممالک کے سیر وسیاحت کرین تو معلوم ہوگا کہ بہت سی باتین جنکی عمدگی مین ہم کو ذرا بھی کلام نہین ہوسکے وہان بری سمجھی جاتی ہین - اور بہت سی باتین جن کو وہان برا سمجھا جاتا ہے - اون کو ہم سرمایۂ حیات سمجھتے ہین ان مختلف حالات کے دیکھنے یا کم سے کم معلوم ہونے سے بھی ہمارے خیالات کی اصلاح ہوتی ہے - بلکہ ایک عام قسم کی روشن ضمیری پیدا ہوتی ہے

پیدا ہوتی ہو اور دیہاتی شان کے کم ہونے سے انسان ترقی کے لیئے تیار ہوجاتا ہو
ہندوستان مین ایشیائی قدامت اور مغربی جدت کے تقابل سے موجودہ زمانہ انقلاب
کا زمانہ ہو رہا ہو - قدیم و جدید خیالات مین عجب کشمکش ہو اور یہ زمانہ کی رفتار کا اقتضا ہو کہ گو
قدیمی خیالات کی بُنیاد قوت مین کچھ کم نہین ہو لیکن جدید خیالات آگے بڑھتے اور قدیم
خیالات پیچھے ہٹتے جاتے ہین - گو کہ جدید خیالات ہمکو بہت اچھے معلوم نہین ہوتے لیکن
زمانہ کے زبردست ہاتھ ہمکو انھین کے طرف کھینچے لیئے جا رہے ہین اور تعلیم یافتہ گروہ
کی یہ کیفیت ہو کہ کبھی تو بخندہ پیشانی اُن کے خیر مقدم کا قصد کرتا ہو اور کبھی کچھ سمجھکر جھجک کر
رہجاتا ہو غرضکہ حالت یہ ہو رہی ہے کہ اگر ہم دو قدم آگے بڑھاتے ہین تو پھر دو قدم پیچھے
ہٹ جاتے ہین - اس تذبذب کا سبب اگر غور کیا جائے تو سوائے نقص تعلیم کے کچھ
نہین ہو اور اگر اس نقص تعلیم کی تشریح کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دیہاتی شان جسکا
ابھی ذکر ہوا اُس کا جزو اعظم ہو - پس اس زمانے مین ترقی کرنے کے لیئے ہمارے لیئے
اگر کوئی آلہ ہو سکتا ہو تو وہ سیر و سیاحت ہو اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہو تو کم سے کم
دوسرے ممالک کے حالات کا غور سے مطالعہ کرنا چاہیئے - جدید خیالات کا اصل الاصول
ہے آزادی اور آزادی بھی شخصی آزادی اور چونکہ شخصی اعتبارات سے مردون
اور عورتون کو مساوی سمجھا گیا ہو اور ایک کا اثر دوسرے پر بہت کچھ پڑتا ہو اسلیئے
یوروپ مین یہ خیال کیا جاتا ہو کہ کوئی قوم اُسوقت تک کامل ترقی نہین کر سکتی
جب تک کہ مرد اور عورتین میدان ترقی مین دوش بدوش نہون - برخلاف اسکے
ہمارے قدیم رسم و رواج نے ہمکو عورتون کی متابعت کا اسقدر عادی بنا دیا ہے
کہ یہ خیالات ہم کو نہ صرف اجنبی معلوم ہوتے ہین بلکہ اُن سے وحشت ہوتی ہے اور
اگر عالم خیال مین بھی آزادی نسوان کا بھوت ہمارے سامنے آجاتا ہو تو ہم اسکی
بو العجب صورت اور خلاف توقع حرکات حیرت و نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہین - گو زمانہ ایک
عالمگیر ادا سے اُسکی خوبیونکو جتا جتا کر اشارہ کرتا ہے مگر ہمارے قوائے دماغی کچھ ایسے معطل
ہوجاتے ہین کہ نہ نفرت ہی کرتے بنتی ہے اور نہ رغبت ہی کر سکتے ہین - اگرچہ عام
خیال مین ایک تحریک سی پیدا ہوگئی ہو اور تعلیم نسوان کیطرف میلان پایا جاتا ہو یا اگر میلان نہین تو ایسی کیفیت
ہوگئی ہو کہ ایک تعلیمیافتہ شخص کو عام جلسون مین اسکی مخالف گفتگو کرنیکی جرات نہین ہوتی اور اگر اسکی تائید مین کوئی تقریر کرتا ہو تو

خواہ مخواہ ہان مین ہان ملانی پڑتی ہو۔ لیکن ابتدائی تعلیم عادت اور رسم و رواج وہ قوت رکھتے ہین کہ ہم آزادی نسوان کو نہ صرف اپنی طرز معاشرت اور طرز خیال کے خلاف سمجھتے ہین بلکہ اُس کو اپنے مذہب کے بھی مخالف تصور کرنے مین تامل نہین کرتے حالانکہ ہمارا سچا مذہب بمقابلۂ عیسائیت کے آزادی نسوان کا بہت زیادہ موئد ہے۔ اگر کسی قوم کے رسوم و رواجات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم کہ ہر رواج کی ابتدا ایک عمدہ مصلحت سے ہوتی ہے اور جو خرابیان کہ بعد پیدا ہوجاتی ہین وہ صرف افراط و تفریط یا زمانہ کی ہوا کا رُخ بدل جانے سے ہوتی ہین اس لحاظ سے اسمین شک نہین کہ عورتون کے پردے مین رہنے کا طریقہ جو ہندوستان مین مروج ہو وہ ابتداء مین ایک حکیمانہ مصلحت پر مبنی تھا لیکن اسی کے ساتھ یہ دعوی کرنا کہ یہی طریقہ بالکل احکام شرع شریف کے مطابق ہو اور اسکے خلاف تمام طریقے ممنوع ہین صحیح نہین ہے۔ اگرچہ پردہ جس طریقے سے کہ ہندوستان مین مروج ہو وہ ہمارے خاص قومی اور ملکی حالات کے لحاظ سے بالفعل نامناسب نہین ہے اور نہ پردہ فی نفسہ جیسا کہ اہل یوروپ کا خیال ہو اعلیٰ درجے کی قومی ترقی کا مانع ہو کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ گو یونان مین عورتون کے پردے مین رہنے کا عام طور پر رواج تھا لیکن اہل یونان نے جیسی مُلکی اور تمدنی ترقی کی وہ محتاج بیان نہین ہے اور اسیطرح خود تاریخ اسلام کے روشن صفحے اسکے خلاف شہادت دے رہے ہین لیکن ہمارا خیال یہ ہو کہ فی نفسہ شرعی پردہ اُس پردے سے سخت تر نہین ہے جسکی ضرورت کہ تمام مہذب اقوام عورتون کے لیے تسلیم کرتی ہین اور جو کچھ افراط و تفریط اسمین ہوئی ہو اُسکو مذہب سے کوئی تعلق نہین ہو بلکہ قومی و مُلکی خصوصیات کا نتیجہ ہے اسکا ثبوت اس سے بہتر نہین ہوسکتا کہ دُنیائے اسلام پر ایک سرسری نظر ڈالیجائے اور دیکھا جائے کہ مختلف ممالک مین باوجود اتحاد مذہب پردہ کے متعلق کیا کیا رواج ہین۔ یہ بات تو صرف ہندوستان ہی مین ہے کہ پردے کے معنی قید کے سمجھے گئے ہین۔ عرب و شام مین پردہ تو ہے مگر عورتین قید نہین رہتین اور اب مصر اور ٹرکی مین اعلیٰ طبقون مین عورتین سوائے اسکے کہ چہرے پر نقاب ڈالتی ہین اسیطرح آزاد ہین جسطرح کہ یوروپ مین۔ اگرچہ ان ممالک کی نسبت یہ کہا جا سکتا ہو کہ انہین جو یہ حالت

پیدا ہوگئی ہے وہ براہ راست یوروپین شائستگی کا اثر ہے لیکن ہم اس مضمون مین ایک ایسی قوم کے حالات درج کرتے ہین کہ جن پر مغربی تہذیب کا سایہ تک نہین پڑا ہی اور جو ایسے ملک مین رہتے ہین جہان اہل یوروپ کا گذر بھی نہین ہو سکتا۔

افریقہ کے شمال و غربی کونہ مین ایک وسیع مملکت واقع ہے جو ایشیا مین ملک مغرب اور یوروپ مین مراکو کے نام سے مشہور ہی۔ اس ملک مین قدیم سے مختلف اقوام جن کو بربر کہتے ہین آباد ہین اور گو قیام حکومت اسلامیہ کی بدولت انہین سے جو قبیلے کہ شہرون مین آباد ہین اُنہین عربونکا میل کم و بیش ہو گیا ہی لیکن صحرائی قبیلے اپنی اصلی حالت پر قائم ہین۔ اس ملک مین ایک خاص خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا سے اسلام کا مامن رہا ہی اور اہل اندلس نے جب مسلمانون کو اپنے ملک کی رونق کے ساتھ خارج کیا تو اُنھون نے اسی ملک مین پناہ لی۔ اس ملک کے جنوب مین ایک صحرائے لق و دق واقع ہے جو سیکڑون کوس تک چلا گیا ہے اور جسکا صاف و شفاف ریت آفتاب کی سیدھی شعاعون کی چمک اور ہوا کے پُر زور ہاؤ کی بدولت سمندر کیطرح موجین مارتا ہوا معلوم ہوتا ہی اور ہر طرف جہان تک کہ نگاہ کام کرتی ہے سوائے ریگستان کے کچھ نظر نہین آتا۔ اس ریتیلے سمندر مین بھی کہین کہین کوئی بہتا ہوا چشمہ کھجورونکے جھنڈ مین گھرا ہوا نظر آجاتا ہی اور اُسکے گرد قدیم آزاد منش اقوام کو آباد ہونیکا موقع ملجاتا ہی۔ اس قسم کے ایک جزیرے مین قوم بربر کا ایک قبیلہ آباد ہی جسکا نام بنی توارغ ہے۔ یہ لوگ پکّے مسلمان ہین اور انہین خصوصاً عورتونکے متعلق جو رسم و رواج ہی وہ غور سے مطالعہ کیئے جانے کے قابل ہی۔ توارغ مین عورتین بالکل آزاد ہین یہانتک کہ اولاد بھی انہی سے منسوب ہوتی ہی۔ غلام باپ اور آزاد مان کا بچہ آزاد ہوتا ہی چنانچہ انکے یہان ایک ضرب المثل ہے کہ بچّہ رحم سے رنگ پکڑتا ہی۔ عورت اپنے مال و متاع کی پوری مالک ہوتی ہی اور اپنی ذات اور اپنی اولاد پر کامل اختیار رکھتی ہے۔ وہ مختار ہے کہ جہان چاہے جائے اور جو جی مین آئے کرے صرف اپنے ننگ و ناموس کا خیال رکھے اُنہین لڑکی کی بیس سال کی عمر سے پہلے بہت ہی کم شادی ہوتی ہے اور شادی کے متعلق اُسکو پورا اختیار ہوتا ہی کہ جس سے چاہے کرے والدین کو صرف اتنا اختیار ہے کہ غیر کفو مین نہ ہونے دین۔ مردون سے بہت زیادہ تعداد مین عورتین لکھنا پڑھنا جانتی ہین۔

گھر کے معمولی کامون کو لونڈی غلامون پر چھوڑ کر وہ اپنا پورا وقت لکھنے پڑھنے فن موسیقی
مین کمال حاصل کرنے اور سینے پرونے مین صرف کرتی ہین اور یہ اُنھین کی علم دوستی
کا نتیجہ ہے کہ قدیم بربر اور لیبین خطوط صفحہ ہستی سے نابید نہین ہوئے۔ شام کا وقت نغمہ و
سرود کے لئیے وقف ہے اور اُن کی سُریلی آوازین ربابۂ (ایک قسم کا ستار ہے) کے دلکش
سرون سے ملکر آسمان کی طرف اُٹھتی ہین۔ طرز معاشرت کی یہ کیفیت ہے کہ وہ اپنے شوہر
کے ساتھ کھانا کھاتی ہین اور اُسکے ہر طرح مطیع ہوتی ہین لیکن اگر وہ نکاح ثانی کا نام لیتا ہے
تو اُسکو طلاق دینے پر مجبور کرتی ہین۔ اونٹ کی سواری مین تمام دُنیا کی عورتون سے زیادہ
مشاق ہین۔ اپنی خوبصورت محملون مین حفاظت سے بیٹھکر مردون کے ساتھ دوڑون مین
شریک ہوتی ہین۔ اور بڑے سے بڑے شہسوارون کو گرد تک نہین پہونچنے دیتین مشق
کے لیئے اکثر چند عورتین ملکر ایک مقام پر جمع ہوتی ہین اور دو دو رد و نکل جاتی ہین اور ان
مہمون مین کوئی مرد اُن کے ساتھ نہین ہوتا۔ کبھی کبھی بڑی دھوم دھام سے نغمہ و سرود کے
جلسہ ہوتے ہین جنمین بہت دور دور سے مرد آ آکر شریک ہوتے ہین۔ ان جلسون مین
عورتین گاتی اور طنبورہ اور ربابۂ بجاتی ہین۔ شادی کے بعد جس عورت کی مردون مین
جس قدر زیادہ وجاہت ہوتی ہے اُسیقدر وہ معزز و محترم سمجھی جاتی ہے اور وہ مجاز
ہین کہ اپنے دوستون کی عباؤن پر پھول پتیان بنائین اور اُن کی ڈھالون پر اشعار
لکھین جن مین اُن کی دلیری کی تعریف اور اُنکی فتحمندی کے لیئے دعائین ہون۔ مرد بھی
اپنی نسائی دوستون کی تعریف مین قصیدہ کہ سکتے ہین اور پہاڑون پر اُن کے نام کندہ
کرتے ہین۔ لیکن اسی کے ساتھ عفت و عصمت کا اسقدر خیال ہے کہ گو عورتین
ہر شخص سے ملسکتی ہین لیکن کسی خاص شخص سے زیادہ اختلاط نہین کرسکتین اور گو
مردونکی حکومت سے بالکل آزاد ہین لیکن زنا کی سزا قتل ہے اور شوہر اس الزام مین
اپنی زوجہ کو قتل کرنیکا مجاز ہے۔ اُن مین عورت و مرد کی دوستی بالکل پاک ہوتی ہے
چنانچہ اُن کے یہان ایک ضرب المثل ہے کہ مردون اور عورتون کی دوستی آنکھون اور
دل کے لیئے ہوتی ہے نہ کہ صرف پلنگ کے لیئے جیسا کہ عرب مین ہے۔

ایک قدیم اسلامی گھڑی

یورپ کی موجودہ ترقی کو اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اُس کا سب سے بڑا اور قوی سبب یہ ثابت ہوگا کہ اہل یورپ عیسویت کے اخلاقی و روحانی تعلیم کی سخت قید سے نکل کر ہمہ تن مادی ترقی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اور لذائذ دنیوی کو زندگی کا اعلیٰ مقصد سمجھنے لگے ہین۔ اسی وجہ سے ہر قوم کی بلکہ یون کہنا چاہیئے کہ ہر شخص کی ضرورتین بے انتہا زیادہ ہو گئی ہین جن کی تکمیل کے لیئے روز بروز نئی نئی ایجادون کی ضرورت ہوتی رہتی ہے۔

اسلام اگرچہ عیسائیت کی طرح سائنس کا مخالف نہین ہو لیکن اخلاق محمدی کا سایہ ایسا تھا کہ انسان دنیوی لذتون کے پیچھے روحانی برکتون سے بے خبر ہو جاتا اور یہی سبب تھا کہ اگرچہ خالص علمی ترقی مین مسلمانون کا قدم کسی قوم سے پیچھے نہین رہا۔ بلکہ اکثر علوم مین اُن کی انوکھی تحقیقات آج تک مشعل ہدایت کا کام دے رہی ہو۔ مگر صنعت و حرفت اور خصوصًا فن مکینکس یعنی آلات مین جیسی ترقی کہ اس عہد مین ہو رہی ہے اُس کی عشر عشیر بھی مسلمانون کے زمانے مین نہین ہوئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ دعوی بھی بے اصل نہین ہے کہ عیسائیت کی طرح اسلام تمدن کا مخالف نہ تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ تمدنی ترقی کے ساتھ خواہ وہ کسی درجے کی ہو ایجادات کا ہونا لوازمات سے ہے۔ اصل یہ ہے کہ ضرورت ایجاد کی مان ہو۔ ممکن نہین کہ کوئی ضرورت پیدا ہو اور ذہن رسا اُس کے رفع کرنے کی صورت نہ نکالے۔ اس لیئے اگر یہ قیاس کیا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ عربون نے جب بدویت سے نکل کے مدنیت مین قدم رکھا تو اُس کی مناسبت سے بہت سی مفید ایجادین بھی ہوئی ہون گی۔ مگر افسوس ہو کہ ہمارے مورخین نے اُن کو

اتنا اہم خیال کیا کہ اپنی تاریخون کے صفحون پر اُن کو جگہ دیتے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ایجادین جس بے پروائی سے خود رو طریقہ پر وقوع مین آئی تھین اسی طرح گمنامی کے پردے مین مٹ بھی گئین -

یہ امر تھوڑے افسوس کا نہین ہو کہ مسلمان مورخون نے ہمیشہ فوجی کارنامون فتوحات - اُمراء کی سازشون اور بغاوتون کو تاریخ کا موضوع تصور کیا - اور اُن چیزون کو جن سے ایک قوم کی اصلی زندگی اور قوت کا اندازہ ہوتا ہے اپنے صفحون مین جگہ دینے کے قابل نہین سمجھا - یہی سبب ہے کہ اگرچہ ایک ایک جنگ کے لئے سو سو صفحے وقف پائے جاتے ہین - مگر ایجادات کا بیان کسی ایک جگہ بھی نہین ہو تاہم اُن کی اس خاموشی سے یہ نتیجہ نکال لینا سخت غلطی ہوگا کہ اسلام کے قرون اولی مین کوئی ایجاد ہی نہین ہوئی -

تاریخ اسلام کے پریشان اوراق کو اگر تحقیق کے ہاتھون سے اُلٹ کے دیکھا جائے تو کہین کہین ایسی چیزون کا پتہ مل جاتا ہے جن کی نظیر آج بھی دنیا مین بہ دشواری ملے گی - اور اگر اُن سب ایجادون کے حالات کو ایک خاص جگہ جمع کیا جائے تو غالباً ایک اچھی خاصی کتاب بن جائیگی - مگر ہمکو اپنے مورخون کی اس غفلت و لاپروائی پر افسوس ضرور معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے بیجا استغنا کی بدولت کیسی کیسی نادر چیزین چاہ گمنامی مین غرق ہوگئین - خیر اس افسوس کو ایک طرف رکھ کے سردست ہم مسلمانون کی ایک خاص ایجاد کی طرف توجہ کرتے ہین جو اُن کے زمانے ہی مین نہین آج بھی موجب حیرت ہے -

دمشق کی جامع امویہ کی شان و شوکت کا حال دلگداز کے ناظرین سے پوشیدہ نہین ہے کیونکہ اُس کے تفصیلی حالات کئی نمبرون کو رونق دے چکے ہین - لیکن اس مضمون مین اُسی کے متعلق ایک ایسی چیز کا ذکر کیا جاتا ہو جس نے جامع امویہ کی عظمت کو اور بھی دوبالا کر دیا تھا - اندلس کا مشہور سیاح علامہ ابن جُبیر اپنے سفرنامے مین لکھتا ہو کہ اس جامع کے مشرقی دروازے مین داخل ہوتے داہنے ہاتھ کی طرف ایک شہ نشین نظر آتی ہو جس کی قطع ایک محراب دار دروازہ کی ہے - اور اُس کے چارون طرف پیتل کی بارہ محرابین بنی ہوئی ہین جن مین

چھوٹے چھوٹے دروازے لگے ہین۔ پہلے اور اخیر دروازے کے اوپر ایک ایک برنجی عُقاب کھڑا ہے اور اُن کے سامنے کسی قدر نیچے کی طرف ایک ایک برنجی پیالہ نصب ہے۔ ہر گھنٹہ کے گذرنے کے بعد عُقاب کچھ عجیب ہوش رُبا طرز سے گردنین بڑھا کے پیالے کی طرف جھکتے ہین اور ایسی سُرعت سے جس کا اندازہ نگاہ سے مشکل ہو سکتا ہے ایک ایک برنجی گولہ اُگل دیتے ہین جو پیالے مین گر کے گھنٹہ کی سی گونج کی نغمہ خیز آواز پیدا کرتا ہے اور فوراً غائب ہو جاتا ہے۔ پیالہ مین ایک سوراخ ہے جسمین سے ہو کے یہ گولے شہ نشین مین پہونچتے ہین اور اُن کے پہونچتے ہی بارہ دروازون مین سے ایک دروازہ پیتل کے اڑون سے بند ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر گھنٹے پر ایک دروازہ باری باری سے بند ہوتا رہتا ہے۔ یہان تک کہ شام تک کل دروازے بند ہو جاتے ہین اور اُس کے بعد پھر وہی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

یہ بند وبست تو دن کے لئے ہی۔ رات کے لئے کچھ اور ہی انتظام ہے۔ اِن چھوٹی محرابون کے اوپر جن مین دروازے نصب ہین ایک بڑی برنجی محراب ہے جس مین بارہ گول حلقے بنے ہوئے ہین۔ اور ہر حلقے کے مقابلے مین دروازے کی پشت پر ایک ایک شیشہ لگا ہوا ہے اور ہر شیشے کے پیچھے ایک خوشنما فانوس رکھا ہی اِن مین سے ہر فانوس باری باری سے خود بخود پانی سے بھرتا رہتا ہے اور جہان لبالب پانی بھر گیا یکا یک شمع روشن ہو جاتی ہے جسکی تیز شعاعین شیشہ کو منور کرتی ہوئی اُس حلقہ کو جگمگا دیتی ہین۔ اور ہر حلقہ ایک سُرخ نورانی دائرہ کی وضع سے آنے جانے والون کو یہ وقت کا پتہ بتاتا ہے اِسی طرح شام سے صبح تک باری باری سے روشن ہوتے ہوتے پورے بارھون حلقے چمک اُٹھتے ہین۔ یہ حیرت انگیز گھڑی تھی جو چھٹی صدی ہجری مین ابن جُبیر کو دمشق مین نظر آئی۔ اور علّامہ مذکور کا بیان ہے کہ اُن کے ورُود کے زمانے مین خاص اِس گھڑی کے درست رکھنے کے لئے گیارہ شخص ملازم تھے اور عُرف عام مین یہ گھڑی ویکانیہ کے نام سے مشہور تھی۔

جاپان اور ہم

جب آفتاب تمدن بجائے مشرق سے مغرب مین طلوع ہونا شروع ہوا تو مشرق مین جہالت و اوہام پرستی کی کالی گھٹا چھا گئی لیکن دیکھتے ہی دیکھتے علوم و فنون جدیدہ کی بجلی یوروپین اقوام کے میل جول کی بدولت ایسی چمکی کہ اُسنے تمام مطلع آسمان کو منور کردیا دوسری قومین تو اس لڑکھڑاتی چمک سے ایسی محو حیرت ہوئین کہ آنکھین ملتی کی ملتی رہ گئین - لیکن اہالی جاپان جو اپنی قومی و تمدنی حالات کے لحاظ سے پہلے ہی سے اُس کے منتظر بیٹھے تھے اُنھون نے اُسکی تیز تڑپتی ہوئی کرنون کو اپنی عملی قوت سے مقید کرلیا جو بالآخر آفتاب ہوکر چمکین اور چمکین بھی ایسی کہ تمام سرزمین کو مطلع انوار بنا دیا۔

اسمین شک نہین کہ گزشتہ تیس چالیس سال مین جاپان نے جو تیز رفتار ترقی تمدن یوروپ مین کی ہے اُسنے دُنیا کو حیرت مین ڈالدیا ہے - اہالی جاپان کی مردانہ ہمت بحری و بری طاقت - تمدنی ترقی اور صنعتی مناسبت نے مہذب دُنیا پر ثابت کردیا ہے کہ جن آلات نے یوروپ کو نصف النہار کمال پر پہونچایا ہے وہ ایشیائی اقوام کے ہاتھ مین بھی ایسے ہی کارگر ثابت ہوسکتے ہین - جنگ چین سے پہلے پہلے گو جاپانیون کی ترقی کے چرچے تھے - لیکن غالبًا خود اُن کو بھی اپنی اصلی قوت کا علم نہ تھا اور اسی جنگ نے خود اُن کی اور دُنیا کی آنکھین کھولین لیکن چونکہ سلطنت چین بالآخر بوسیدہ ہڈیون کا ایک ناہموار انبار اور قدیم وسوسون اور باطل اوہام کا طوفان بے تمیزی ثابت ہوئی اس لیئے مہذب دُنیا نے عام طور پر جاپان کی بحری و بری عروج کو تسلیم نہین کیا اور اُسکو اُس کی فتحمندی کے واجبی پھلون سے محروم کرنے کی فکر کی - اس کے بعد جب پھر چین مین باکسرون کی بغاوت نے ہر طرف آتش فساد مشتعل ور ایک ہنگامۂ حشر

---

[1] یہ مضمون اُسوقت لکھا گیا تھا جبکہ جنگ روس و جاپان شروع ہوئی تھی ملاحظہ ہو رسالہ "زمانہ" بابت سنہ ۱۹۰۴ء

برپا کر دیا اور جاپانی اپنے پہلے تجربہ کے لحاظ سے امن و امان قائم کرنے کے لیئے دوسرے مہذب اقوام کے ہمسر قرار پائے تو اُنکی تیز رفتار کامیابی اور شایستہ باقاعدگی نے اقران و امثال کو حیرت مین ڈالدیا لیکن پھر بھی دُنیا کو اُن کی قوت کا پورا اندازہ نہو سکا ابکی مرتبہ جو اُس کی قومی غرور اور تاریخی عظمت نے قومی غیرت کی دبی چنگاریون کو بھڑکا کر شعلہ جوالہ کی شکل مین نمودار کیا تو اُسنے ایسا زور پکڑا کہ وہ اپنے قومی دشمن کے آہن پوش بحری و بری طاقت خاک سیاہ کرنے پر مستعد ہوگیا اور جاپانیون نے عام طور پر اپنی پُرجوش حب قومی اور نفس کُش الوالعزمی اور اپنے بحری افسرونکی دوربین مدبری حملہ کی برق آسا تیزی فن جہازرانی کی غواصی اور ملاحون کی غیر مغلوب دلاوری سے ابتدا مین و رانپے جنرلون کی باہوش خوش تدبیری اور سپاہیون کی ان تھک ہمت اور قابل تقلید ثابت قدمی سے بعد مین ثابت کر دیا کہ گو ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ سہی لیکن چیونٹی بھی باوجود بیچارگی وضعیف البیانی کے قوی الجثہ ہاتھی کا ناک مین دم کر سکتی اور ایسا ناچ نچا سکتی ہو کہ دُنیا حیرت مین رہجائے - ابھی تک اقوام عالم اس تماشہ کو دم بخود انگشت حیرت در دہان دیکھ رہی ہین مگر کسی طرح دل گواہی نہین دیتا کہ چیونٹی کو ہاتھی کے مقابلے مین کامیابی ہوگی - لیکن کارخانہ فطرت اور تاریخ عالم جہان ایسی مثالون سے بھری پڑی ہے جنمین قوت کو ضعف پر غلبہ ہوا ہو وہان چند ایسی مثالین بھی پائی جاتی ہین جن مین ضعیف کو قوی پر کامیابی نصیب ہوئی ہو مثلاً زمانہ قدیم مین معدودے چند یونانیون کو ایران کی بے تعداد فوج اور لاثانی قوت کو پامال کرنا اور پھر ننگے بھوکے عربونکا جن کا اکل و شرب اہل فارس کی حقارت آمیز زبان مین شیر شتر و لحم سوسمار تھا قیصر و کسری کے غرور کو خاک مین ملا کر اُن کے تخت و تاج کا وارث بنا - اور ایسی ہی اور بھی مثالین موجود ہین اور جہان تک غور کیا جاتا ہو جاپانیو نمین وہ تمام وجوہ تحریک موجود ہین جو اہالی یونان و عرب کی فتحمندی کا موجب ہوئی تھین اور زار روس اپنی وسیع مملکت بھی نہایت قوت اور قومی غرور و نخوت کے لحاظ سے قیصر و کسری کا سچا قائم مقام اور اُن کی طرح دُنیا کے لیئے ایک پر عبرت نمونہ قائم کرنیکا مستحق ہو - اس لیئے جاپان کا روس کے مقابلہ مین فتح و نصرت سے ہم آغوش ہونا کوئی ایسا واقعہ نہوگا جس کی نظیر

تاریخ مین نہ مل سکے - پھر بھی کسی کو پورا اطمینان نہین لیکن خواہ جاپان کو بالآخر کامیابی ہو یا نہو اس کے عزم و استقلال نے یہ تو ہر شخص کی زبان پر جاری کر دیا ہو ؎

شکست و فتح نصیبون سے ہو مگر اے ذوق
مقابلہ تو دل ناتوان نے خوب کیا

یہین ہم جاپان کی حالت پر نظر غور کرتے اور اپنے گریبان مین مونھ ڈالکر دیکھتے ہین کہ وہی اسباب جنھون نے تیس چالیس سال کے قلیل عرصے مین جاپان کو معراج کمال پر پہونچا دیا ہو سو ڈیڑھ سو برس سے ہمارے ملک مین بھی عمل پیرا ہین لیکن یہان کیا نتیجہ ہوا ہو تو ایک عجیب عبرت انگیز تخالف نظر آتا ہو - ایک طرف تو ہم یہ دیکھتے ہین کہ چند ہی روز مین علوم و فنون جدیدہ کی اشاعت نے جاپان کو خطۂ یونان بنا دیا ہے روشن خیالی اوہام پرستی کی جگہ لیتی جاتی ہے - بیکاری کی بجائے ہر طرف صنعت و حرفت کے مشاغل نمودار ہو گئے ہین اور فوج مین انگلے وقتون کے ہتھیارون اور دلچسپ مگر مضر بیقاعدگی کی بجائے ترتیب مسلط ہو اور ہر کس و ناکس کا دل قومی خدمات کے جوش اور قومی ترقی کی ہوس سے اُمڈا پڑتا ہو - دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہین کہ باوجود اسقدر زمانہ گذرنے کے علوم ادبیہ کا ایک درجے تک چرچا ہو گیا ہے لیکن جہان تک علوم و فنون جدیدہ کی اشاعت سے تعلق ہے ہنوز روز اول ہو اوہام پرستی کی زنجیرین اگرچہ کچھ کچھ ڈھیلی پڑ گئی ہین لیکن ابھی تک ہاتھ پاؤن جکڑے ہوئے ہین - کثرت آبادی کی وجہ سے بیکارون کی تعداد بڑھ گئی ہے اور گو خال خال صنعت و حرفت کے کارخانے بھی نظر آنے لگے ہین لیکن وہ عموماً اقوام غیر کے ہاتھ مین ہین اور جہان کہین فوجین ہمارے ہاتھ مین رکھی ہین اُنکے سپاہی اپنے ٹوٹے پھوٹے پُرانے بیڈول ہتھیارون بوالعجب وردیون اور بے ربط رفتار و کردار کی وجہ سے مہذب دُنیا کے لیئے باعث تفریح و تضحیک بن رہے ہین اور جوش قومی کی یہ کیفیت ہو کہ گو اب قوم کا لفظ ہر شخص کی زبان پر چڑھ گیا ہو لیکن دل کا حال خدا ہی جانتا ہو لیکن اتنا ہم بھی دیکھتے ہین کہ جہان کوئی امتحان کا موقع آیا اور نفسی نفسی کی سوجھی - ایک طرف تو یہ سمان نظر آتا ہو کہ صبح و شام خام پیداوار کے جہاز دور دراز ممالک سے ارے لدائے چلے آتے ہین اور اُن کی بجائے

ویسی مصنوعات ممالک غیر کو جاتے ہین برخلاف اسکے ہماری یہ حالت ہے کہ خام پیداوار کے معاوضہ مین مصنوعات ممالک غیر ہاتھون ہاتھ لیتے ہین - ایک طرف غیرت قومی کا یہ عالم ہے کہ اپنے حقوق کو دست برد زمانہ سے محفوظ کرنے کے بعد دوسری مظلوم بے دست و پا قومون کے حقوق کی حفاظت پر کمر ہمت باندھکر جان اور مال کو خاک مین ملا رہے ہین - دوسری طرف ہماری یہ حالت ہے کہ گو جان جوکھون کا کوئی موقع ہی نہین ہے جائز اور محفوظ ذرائع سے بھی اپنے حقوق کی حفاظت نہین کر سکتے تا بدیگران چہ رسد - اہل جاپان کی ہمت و جرأت کی یہ کیفیت ہے کہ ہر شخص کو جان فروشی کے موقعون کی تلاش ہے اور دشمن امان دیتے ہین مگر وہ نہین لیتے - لیکن ہماری یہ حالت ہے کہ ایک زمانہ مین ہم شخصی جرأت و ہمت سے خالی نہ تھے مگر انگریزی حکومت کے پر آسائش امن و امان نے ہمارا یہ زیور بھی اُتار لیا - جاپان مین حب وطن کے معنی یہ سمجھے جاتے ہین کہ تمام ممالک عالم مین پھیلکر قومی ترقی و کمال کا ڈنکہ بجائین اور ہمارے یہان گھر سے قدم باہر نہ نکالنے کا نام ہے ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

دُنیا مین کوئی واقعہ بلا سلسلہ اسباب کے عالم ظہور مین نہین آتا اور اسلیئے جو تخالف کہ ہماری اور اہل جاپان کی حالت مین ہے اُسکے ضرور کچھ اسباب ہونگے اور اسی لئے ہم اُنھین اسباب کی سُراغ رسانی مین مصروف ہوتے ہین تاکہ ہمارے لیئے بھی تازیانہ ہدایت کا کام کر سکین -

جاپان برخلاف ہندوستان کے وسیع سرسبز و شاداب میدانون کے چند چھوٹے بڑے جزیرون کا مجموعہ ہے جہان کی زمین سنگلاخ اور پیداوار کے لحاظ سے فطرتاً خسیس ہوتی ہے اور اُس مین ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہندوستان کے تازگی بخش دریاؤن کے بجائے آتش فشان پہاڑون کا سلسلہ چلا گیا ہے جنکا ناگہانی ابال دم کے دم مین آباد اور مردم خیز شہرون اور لہلہاتے اور زرخیز کھیتون کو خاک سیاہ کر دیتا ہے اور اسلیئے فطرت کی بے ہنگام برافروختگی کا خوف کبھی انسان کو اپنی حالت پر مطمئن نہین رہنے دیتا - ہندوستان جسطرح منطقہ معتدلہ سے نکلکر منطقہ حارہ مین پہونچا ہے اُسی طرح جاپان منطقہ معتدلہ سے ترقی کرکے منطقہ باردہ سے جا ملا ہے

پس یہ قدرتی بات ہی کہ فطرت کی غیر معمولی عنایت اور آفتاب کی تمازت کی وجہ سے ہندوستان کے باشندے بالطبع سست و کاہل اور جاپان کے باشندے فطرت کی خست اور کمی حرارت کی وجہ سے محنتی و اولوالعزم ہون۔ اسی طرح جہان ہندوستان کے زرخیز میدان اور سیراب دریا انسان کو زراعت پر مائل کرتے ہین۔ وہان جاپان کی پتھریلی زمین اور قدرتی پیداوار کی بے اعتباری لوگون کا میلان صنعت و حرفت کی طرف کرتی ہے۔ میدانون کے رہنے والے بالطبع پست ہمت اور سفر سے متنفر۔ اور جزیرون کے باشندے ذی ہمت اور سیاحت کے شائق ہوتے ہین اور اسی وجہ سے اہل جزائر کا میلان تجارت کی طرف زیادہ ہوتا ہی اسی طرح جہان نوامیس فطرت کا زیادہ پُرزور عمل ہوتا ہی وہان کے باشندے اسباب طبعی سے خائف و ہراسان ہوکر اوہام پرستی مین مبتلا رہتے ہین اور جہان اتنا زور نہین ہوتا وہان کے لوگ اپنی قوت بازو پر زیادہ بھروسہ کرتے ہین۔ گرم ممالک مین تن پروری کی آسانی خودغرضی و نااتفاقی کا بیج بوتی ہے اور سرد ممالک مین کشمکش حیات شخصی ہمدردی و اتفاق کی مورث ہوتی ہے۔ پس یہی اسباب تھے جن کی وجہ سے ابتدا سے ہندوستان کے باشندے جس طرح کہ سستی و کاہلی و اوہام پرستی و پست ہمتی نااتفاقی و زراعت مین ممتاز چلے آتے ہین اسطرح جاپانی محنت و جفاکشی ہمت و جرأت صنعت و تجارت اور ہمدردی و اتفاق مین سربرآوردہ پائے جاتے ہین۔ پس جاپان کی کامیابی اور ہماری ناکامی کے یہ تو طبعی اسباب تھے۔ اب اگر دوسرے اسباب پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح پر کہ ہندوستان مین مذہب نے تقلید کا جامہ پہنکر رسم و رواج کی صورت اختیار کرکے ہر شخص کو مقید کردیا اور لکیر کا فقیر بنادیا ہی۔ اُسی طرح جاپان مین تمام اجزاء حیات مذہبی زنجیرون مین جکڑے ہوئے نہ تھے اور نئے خیالات سے متاثر ہوکر ہاتھ پاؤن ہلانے کا موقع باقی تھا۔ ہندوستان کی یہ حالت ہے کہ ہندوؤن نے اپنی ایک قوم کی تین ہزار ذاتین بنائی ہین اور اُن کی دیکھا دیکھی مسلمانون مین بھی اُنکے اُصول مذہب کے خلاف سیکڑون قومین پیدا ہوگئی ہین۔ برخلاف اُسکے اہل جاپان مین ذات کا نام نہ تھا اور تمام ملک کے

باشندے اپنے آپ کو ایک ہی قوم سے سمجھتے تھے اور علی ہذا اہل ہند کے سیکڑون مذہبون کے بجائے جاپانی سب ایک ہی مذہب کے پابند تھے۔ ہندوستان مین تن آسانی و فارغ البالی نے فلسفہ کے بھول بھلیون اور علوم ادبیہ کے لطائف مین ایسا محو کیا کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ جاپان مین زندگی کی دشواریون نے اُن علوم سے آشنا کیا جو عملی طور پر کارآمد ہین۔ ہندوستان ہمیشہ سے طوائف الملوکی اور خانہ جنگی کا گھر رہا ہے لیکن جاپانی کئی ہزار برس سے ایک ہی حکومت کے تابع چلے آتے ہین اور اپنے بادشاہ کا یہان تک اعزاز کرتے ہین کہ اُسکو مظہر الٰہی سمجھتے ہین۔ ہندوستان مین جب آفتاب علوم جدیدہ طلوع ہوا تو خانہ جنگی اور نفسا نفسی نے قومی اتحاد و یگانگت کا شیرازہ توڑ کر افراد قوم کو اوراق پریشان کیطرح گردباد حوادث بنا رکھا اور ایک غیر قوم کا ماتحت کر دیا تھا۔ لیکن جاپان نے جب میدان ترقی مین قدم رکھا ہے قومی سلطنت قائم تھی۔ غرضکہ ہم ہندی ترقی کے وقت غلامی کی حالت مین تھے اور اہل جاپان آزاد تھے ہمنے اگر میدان ترقی مین قدم رکھنے کی کوشش کی تو کسی دلی اُمنگ یا قومی ولولہ کی وجہ سے نہین کی بلکہ محض عالم مجبوری مین تقاضائے حیات کے پورا کرنیکی نیت سے کی اور اس لیئے ہمنے اپنے طبعی میلان اور فوری ضروریات کے لحاظ سے انھین اُمور کو اختیار کیا جو سہل الحصول اور بلا دقت کارآمد ہو سکتے تھے یعنے ہم ابتدا ہی سے ادب۔ طب۔ اور قانون کی طرف جھک پڑے اور اُن علوم کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا جو گو زیادہ محنت کے طالب ہین مگر قومی ترقی کا دارومدار اُنھین پر ہے۔ اگر دوسری طرف جاپان کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ اہالی جاپان کا علوم جدیدہ کی طرف متوجہ ہونا ہماری طرح مجبورانہ اور اضطراری نہ تھا بلکہ ایک عرصہ دراز تک اُنھون نے اپنے ملک کو تمام اجنبی اثرون سے نہایت کوشش کے ساتھ محفوظ رکھا لیکن جب اکابر قوم کو پورا الیقین ہوگیا کہ اُنیسوین صدی مین کوئی قوم من حیث قوم زندہ نہین رہ سکتی تاوقتیکہ تہذیب و تمدن یوروپ سے متمتع نہو تو اُنھون نے سب سے پہلے اس امر کو دریافت کیا کہ وہ کون سے علوم و فنون ہین جنھون نے یوروپ کو سرتاج عالم بنا دیا ہے اور جب اس راز سربستہ کی کنجی اُن کے ہاتھ آگئی تو اُنھون نے اپنی تمام ہمتون کو نہایت ہی باقاعدہ توجہ کیسا

اس طرف مصروف کیا۔ ہم اگر ولایت بھی گئے تو بیرسٹر اور ڈاکٹر بنکر آئے جو قومی دولت
مین اضافہ تو ایک حبہ کا بھی نہین کرسکتے مگر اُسمین اپنا حصّہ بٹوانے کیلئے موجود ہوجاتے
ہین اور جاپانی جو ممالک یوروپ وامریکہ کو گئے تو وہ اعلیٰ درجے کے صناع اور کاریگر
اور علم معدنیات ونباتات ومکانکس کے عالم یعنے ایسے لوگ بنکر آئے جنکا
قومی دولت کے اضافہ کا موجب ہونا اُنکی ادنیٰ صفت ہو۔ ہم چونکہ ایک غیر قوم
کے ماتحت ہین اس لئے ہمین قومی ترقی کا راستہ بتانے کے لئے کوئی ایسا رہبر طریق
جس کی دلکش آواز سب کان لگا کر سُنتے اور دل سے مانتے موجود نہ تھا۔ لیکن
جاپان مین قومی سلطنت کی بدولت اُن کا بیدار مغز روشن ضمیر محب وطن قوم
کا فدائی بادشاہ جس کو تمام قوم خدا سے جدا نہ سمجھتی تھی کمر ہمت باندھکر اُن کا ہادی
بنا اور خود اپنے اختیارات کو قوم پر نثار کر کے بھولوں بھٹکون کو راہ بتانے لگا۔
اور در اصل یہی سب سے بڑا باعث جاپان کی کامیابی کا ہے۔ ہندوستانی
عام طور پر صنعت وحرفت سے مانوس نہ تھے اسلئے اُن کا درجۂ کمال پر پہونچنا
آسان نہ تھا مگر جاپانی قدیم سے صناعی مین شہرۂ آفاق چلے آتے ہین اور اسلئے
خیالات جدید کے پیدا ہونے کے بعد اُن کو صرف اتنا کرنا پڑا کہ اپنے دست صنعت
کا رُخ مشرق سے مغرب کی طرف موڑ لیا اور جس طور پر کہ پہلے مشرقی صناعی مین
مشاق تھے اُسی طرح مغربی صناعی مین نامور ہوگئے۔ جاپانی چونکہ ایک قوم اور
بالطبع محنتی اور ذی ہمت ہین۔ اُنھون نے ایک دفعہ میدان ترقی مین قدم
رکھا تو استقلال برابر اُن کو بڑھاتا لئے چلا گیا برخلاف اسکے ہندوستان مین
اختلافات قومی اور سُستی وپست ہمتی قدم قدم پر تلون کا سبق پڑھاتی ہے جاپانیون
کو اُن کا شیدائی شہنشاہ قومی ترقی کی راہ مین نفس کُشی اور حبّ وطنی کا ایسا سبق
پڑھاتا رہتا ہو جو بھولائے سے بھی نہین بھول سکتا۔ ادھر ہمارے گرد وپیش کے تمام
واقعات ادبار قومی کی تلخ داستان دوہراتے رہتے ہین۔ ہمارا قدیم رسم ورواج
عورتون کو گوشۂ تنہائی سے قدم باہر نہین نکالنے دیتا اور اسلئے میدان ترقی مین ہم
صرف اپنی آدھی قوت سے کام لے سکتے ہین لیکن جاپانی ایسے قیود سے آزاد ہین
اور اُن کے یہان عورتین بھی ویسے ہی عزم بالجزم سے قومی عروج مین حصّہ

لے رہی ہین جسطرح کہ مردہ پس کیا طبیعی اور کیا خارجی و اندرونی تمام اسباب ایسے ہی جمع تھے کہ جاپان ترقی کرے اور ہم جہان تھے وہین رہین اور اب بھی اگر ہم زمانہ کی ترقی مین اپنا حصہ لینا چاہتے ہین تو ہمارا فرض ہے کہ ترقی جاپان کی خوشگوار داستان سے فائدہ اُٹھائین اور جو اُمور اُنکی ترقی کے مؤید ہوئے ہین اُن کو خود بھی اختیار کرین۔ اسمین شک نہین کہ طبیعی اسباب ہمارے مخالف ہین لیکن ہمکو یاد رکھنا چاہیے کہ ؎

ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد
اگر خارے بود گلدستہ گردد

اور گو یہ سچ ہے کہ ہم جاپان کی طرح آزاد نہین ہین اور ایک غیر قوم کے ماتحت ہین لیکن ہماری خوش قسمتی سے وہ غیر قوم ایسی ہے کہ خود ہماری ترقی کی خواہان اور ہر طرح پر مدد دینے کے لئے موجود ہے۔ پس اے باعزت ہندو اگر اُٹھنا ہو تو اُٹھو ورنہ بہت جلد زمانہ تمکو غفلت کی میٹھی نیند کی بجائے خواب مرگ مین مبتلا کر دے گا کہ پھر اُٹھنا نصیب نہوگا۔ فقط

دنیوی ترقی کیواسطے پابندی مذہب لازمی نہین ہی؟

عنوان مندرجۂ بالا کے ذیل مین ایک مضمون اگست سنہ ۱۹۰۳ع کے پرچہ علیگڈہ منتھلی مین چھپا۔ اگر مضمون نگار صاحب نے لفظ ریڈیکل کے آڑ مین بظاہر کنسرویٹیو گروہ کے حملون سے بچنے کے لیئے پناہ لی ہے۔ لیکن اگر مضمون کو سرسری نظر سے بھی دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہی کہ ریڈیکل کو جو اپنی نسبت یہ حسن ظن ہی کہ انھون نے کوئی ایسی بات لکھی ہے جو فرقہ کنسرویٹو کا دندان شکن جواب ہی۔ اور جب جواب نہ بن پڑیگا تو وہ خواہ مخواہ مضمون نگار پر اپنے دل کے بخارات نکالین گے۔ یہ بے بنیاد ہی کیونکہ اُنکے مضمون مین سوائے چند غلط فہمیون اور چند مغالطون کے اور کچھ نہین ہی۔

ہم ان غلط فہمیون کے رفع کرنے کے لیئے سب سے پہلے یہ دریافت کرنا چاہتے ہین کہ درصل مابہ الاعتراض کیا امر ہے۔ دعویٰ یہ کیا جاتا ہی کہ تا وقتیکہ مسلمان اپنے اُصول مذہب کے پابند ہون میدان ترقی مین قدم آگے نہین بڑھا سکتے۔ کسی نے کبھی یہ دعویٰ نہین کیا کہ کوئی قوم کبھی بلا پابندی مذہب اسلام ترقی نہین کر سکتی اور نہ یہ کبھی کسی نے سمجھا جیسا کہ ریڈیکل کا بیان ہے کہ کسی قوم کی ترقی کے واسطے آسمانی یا ربانی مذہب کی پابندی لازم ہی۔ پس جبکہ یہ دعویٰ ہی نہین ہے تو جو ثبوت اُنھون نے اُسکے خلاف دیا ہی وہ بھی غیر متعلق ہے۔ معلوم نہین ہوتا کہ ربانی یا آسمانی مذہب سے ریڈیکل کی مراد کیا ہی کیونکہ کسی مذہب کی نسبت بھی خواہ اُسکی موجودہ صورت کچھ ہی ہو یہ کہنا کہ وہ ربانی یا آسمانی نہین ہو بہت

مشکل ہو۔ شاید انکی مراد اُن مذاہب سے ہوگی جو کتب آسمانی پر مبنی سمجھے جاتے ہین۔
مگر ہمارے رفارمرون کا روئے سخن صرف اہل اسلام کی طرف رہا ہو اور وہ یہی
کہتے ہین کہ تاوقتیکہ وہ اپنے اُصول مذہب کی پابندی نہ کرین ترقی نہین کر سکتے پس
ریڈیکل کو اگر اس دعوے کی تردید مقصود تھی تو یہ ثابت کرنا لازم تھا کہ در اصل اُصول
اسلام مین کوئی ایسا امر ہو جو مانع ترقی ہے بغیر اسکے دعوے کی تردید نہین ہو سکتی
تمام حکما کا اس امر پر اتفاق ہو کہ جماعت انسانی کے نظم کے قائم رہنے کے لئے
مذہب کی پابندی لازمی ہو اور جبکہ بغیر مذہب کے نظم قومی قائم نہین رہ سکتا تو ترقی
کیونکر ہو سکتی ہو۔ ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ قوم مین وہ اعلیٰ صفات نہون جو ترقی کی جڑ ہین
اُسوقت تک وہ اپنی حالت کی اصلاح نہین کر سکتی اور وہ اعلیٰ صفات یعنی صبر۔
استقلال۔ ہمدردی راست بازی۔ عدل وحیا۔ نیکی و بدی مین تمیز اور حقوق اللہ
وحقوق العباد ہین اور انکو جیسی عمدگی اور کامیابی سے مذہب پیدا کر سکتا ہو ایسی
کسی دوسرے ذریعے سے نہین ہو سکتین۔ اگرچہ ریڈیکل نے اپنی دلیل پر نہایت
آسانی سے یہ لکھ دیا ہو کہ "باوجود لامذہب کے اختتام ہونے کے بھی دُنیا مین قومین
ترقی کر سکتی ہین" لیکن اس کی ایک مثال بھی نہین دی کہ کسی قوم نے باوجود
لامذہب ہونے یعنی کسی مذہب کے بھی پابند ہونیکے ترقی کی ہے۔ ریڈیکل نے
فی نیشین ویونانی ورومی وہند وچین اقوام قدیمہ کا ذکر کیا ہے وہ اپنے زمانۂ
ترقی مین بہت شد ومد کے ساتھ اپنے مذاہب کی خواہ وہ کچھ ہی کیون نہ تھے
پابند تھین اور اُن کے عالیشان مندرون کے کھنڈر آج تک شہادت دیتے
ہین کہ وہ کسی چیز مین اتنا اہتمام نہین کرتی تھین جتنا کہ اپنے مذہب کے علو وشان
دکھانے مین کرتی تھین۔ اسکے علاوہ تحریری شہادتین بھی موجود ہین سقراط
کی بزرگی اگرچہ یونان مین مسلم تھی لیکن چونکہ اُس کی نسبت شُبہ تھا کہ وہ قومی مذہب
کا پابند نہین ہے اس لیئے اُسکو زہر کا پیالہ پلایا گیا۔ اسی قسم کی مثالین تقریبًا ہر
ترقی یافتہ قوم کی تاریخ مین موجود ہین۔ بلکہ ہم اس سے بھی آگے بڑھکر یہ کہہ سکتے
ہین کہ اگر ریڈیکل تاریخ کے اوراق صرف کھول کر دیکھنے پر اکتفا نہ کرین گے بلکہ اُنکو
پڑھین گے اور غور سے پڑھین گے تو معلوم ہوگا کہ ہر قوم کے عروج کا انحطاط اُسوقت

سے شروع ہوا ہو جب سے کہ اُس مین قومی مذہب کا اثر کم ہونا شروع ہوا۔ فی نیشین لوگون کے متعلق تو اس بارے مین کوئی تاریخی شہادت موجود نہین ہے لیکن یونانیون اور رومیون اور ہندؤن کی تاریخ اس پر پوری طرح گواہی دیتی ہے۔

پس ان مثالون سے بجائے اسکے کہ ہمارے رفامرون کے قول کی تردید ہوتی ہو اور بھی تقویت ہوتی ہو کیونکہ جس طرح پر اُن قومون مین اُن کے مذہب کی پابندی موجب ترقی ہوئی تھی اسی طرح مسلمانون مین بھی اُن کے اُصول مذہب کی پابندی موجب ترقی ہو چکی ہو اور رہوگی۔ یوروپین اقوام کی نسبت سرسے سے یہ کہدیا گیا ہو کہ اُنہین مذہب صرف بطور فیشن کے رکھا ہو۔ لیکن باوجود اسکے وہ منتہائے ترقی پر پہونچ چکی ہین۔ اسکو در اصل امر نزاعی سے کوئی تعلق نہین ہو۔ ریڈیکل یوروپین اقوام کی حالت موجودہ سے بحث نہین کرسکتے بلکہ اُن کے دعوے کی صرف اسوقت تائید ہوسکتی تھی جبکہ وہ یہ ثابت کرتے کہ یوروپین اقوام نے جس وقت میدان ترقی مین قدم رکھا ہو اُسوقت وہ مذہب کی طرف سے بے پرواہ ہو چکی تھین۔ برخلاف اُسکے تاریخ شہادت دیتی ہو کہ جب لیوتھر کی زہرہ شگاف آواز نے یوروپ کو تقلید و اوہام پرستی کی گہری نیند سے بیدار کرکے مذہب کے صحیح اُصول ذہن نشین کیئے اور لوگون نے سمجھکر مذہب کی پابندی شروع کی اُسی وقت سے یوروپ کی ترقی کی بنیاد پڑی ہو اسیطرح شمالی امریکا کو جو آج یہ درجہ ملا ہو وہ اُنہی ہیوگوناٹ اور رؤنڈ ہیڈ لوگونکی بدولت حاصل ہوا ہو جنھون نے اپنے مذہب کے خاطر وطن سے بیوطن ہوکر امریکا کے وحشت ناک جنگلو نمین دھونی رمائی تھی۔ پس اس سے صاف ظاہر ہو کہ یوروپین اقوام نے بھی ترقی کا زینہ مذہبی پابندی کے ساتھ طے کیا ہو اور اب اگر بالفرض منتہائے کمال پر پہونچنے کے بعد اُن کے عقائد متزلزل ہو گئے ہین تو ابھی تک تنزل نہونیکا بڑا باعث یہ ہو کہ مذہبی عام نہین ہوئی ہو بلکہ کثرت ایسے ہی لوگون کی ہو جو سختی سے اپنے مذہب کے پابند ہین جیسا کہ اُن کے تمام اقوال و افعال سے ظاہر ہو۔ اُن کے لٹریچر کو اگر دیکھو تو اس مین وہ تمام اُصول جو عیسائیت کی جڑ ہین ساری ہین۔ اُنکی پالیسی کو دیکھو تو وہ عیسائیت کی خاطر غیر قومون سے لڑنے تک مین باک نہین کرتے اُن کے قومی کارنامون کو دیکھو تو وہ لاکھون روپیہ عالیشان کلیساؤنکی تعمیر

اور کروڑون روپیہ اپنے مذہب کی تبلیغ مین صرف کرتے ہین البتہ اُنمین ایک فرقہ ایسا بھی پیدا ہوگیا ہو جو مذہب عیسائی کو سچا مذہب نہین سمجھتا لیکن اِس فرقہ مین بھی دو قسم کے لوگ شریک ہین۔ پہلے قسم کے وہ لوگ ہین جن کو علم و حکمت نے اس درجہ پر پہونچا دیا ہو کہ گو وہ کسی خاص رواجی مذہب کے پابند نہون لیکن اُن کے حُبِّ وطن اور جماعت انسانی کی خیرخواہی نے اُن کو اُن اعلیٰ اُصول کا پابند بنا دیا ہو جو در اصل ہر مذہب کی بُنیاد اور نظام عالم کے قائم رہنے کیلئے ضروری ہین۔ دوسری قسم کے لوگ البتہ ایسے ہین جن پر لامذہبی کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ لیکن یوروپ مین بھی ایسے لوگون کا وجود قومی اور ملکی ترقی کے لیئے نہایت مضر سمجھا جاتا ہے اور تجربہ سے مضر ثابت بھی ہو رہا ہو۔ یوروپ کی ترقی یافتہ قومون مین فرانسیسون مین لامذہبی کا سب سے زیادہ رواج ہو اور اگر غور سے دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہو کہ یا تو وہ زمانہ تھا کہ فرانسیسون کا قدم میدان ترقی مین سب سے آگے تھا یا اب یہ حال ہو کہ وہ تقریباً سب سے پیچھے رہ گئے ہین۔ اور اگر تاریخ کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اُن کے قومی زوال کی بُنیاد اُسی روز سے پڑی ہے۔ جب سے کہ اُنھون نے معتقداتِ مذہبی کو خیرباد کہکر لامذہبی کا جھنڈا بلند کیا ہو۔ غالباً ریڈیکل کو معلوم نہین ہو کہ یوروپ مین بھی تمام اہل الرائے کا اتفاق ہو کہ اگر کبھی اقوام یوروپ کو روزِ بد دیکھنا ہوگا تو اسی لامذہبی کی بدولت نصیب ہوگا چنانچہ فرقہ انارکسٹ و نہلسٹ وغیرہ کی روز افزون زیادتیون نے اسکی بنیاد ابھی سے ڈالدی ہے۔

جاپان کے متعلق جو کچھ ریڈیکل نے بیان کیا ہو وہ بھی صحیح نہین ہو کیونکہ جس زمانے مین اہلِ جاپان مین علم ترقی بلند ہوا اُس زمانے مین وہ لامذہب نہ تھے اور گو اب اُنمین ایک خاص فرقہ ایسا پیدا ہوگیا ہو جو اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب کو زمانۂ موجودہ کی ترقی کے حسب حال نہین پاتا لیکن وہ بھی قومی ترقی کے لیے مذہبی پابندی کو ضروری و لازمی سمجھتا ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ کسی ایسے مذہب کی تلاش مین ہو جو قومی ترقی کی تائید کرسکے ہندؤن اور پارسیون کی جو مثال دی گئی ہے وہ تو بالکل غیر متعلق ہو کیونکہ جیسی ترقی ان قومون نے کی ہو وہ دراصل کوئی قابل ذکر ترقی نہین ہو اور نہ یہ قومین لامذہب کہی جا سکتی ہین بلکہ اُنمین کثرت سے

لوگ اپنے مذہب کے سچے پابند ہین اور بعض لوگ جنھون نے رسوم ظاہری کی
پابندی چھوڑ دی ہو وہ بھی اپنے مذہب کے اُصولون کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے
ہین۔ ہندوستان مین جب انگریزی تعلیم کا رواج ہوا تو ہندؤن مین جو روشن دماغ
لوگ تھے اُنھون نے سمجھ لیا کہ مغربی فلسفہ اور علوم و فنون کے مقابلے مین اُنکا
مذہب جس کا دارومدار رواج اور اوہام پرستی پر رہگیا ہے نہ ٹھہر سکے گا اسی وجہ
سے سب سے پہلے دوربین مدبر راجہ رام موہن رائے نے اور اُن کے بعد مشہور
مصلحان قوم کشیب چندر سین و دیانند سرستی نے مذہبی رفارم پر کمر باندھی اور اسین امر
کی کوشش کی کہ مذہب کو ایسی حالت پر لے آئین کہ وہ علوم و فنون کے حملہ کو برداشت
کر سکے۔ پس ہندؤن مین جن لوگون نے خواہ بالاعلان خواہ خفیہ طور پر طریقہ قدیم چھوڑ کر
طریقہ جدید کو اختیار کر لیا ہو اُن کو لامذہب کا لقب نہین دے سکتے۔ ریڈیکل نے
جو پابندی مذہب کے یہ معنی سمجھے ہین کہ انسان رواجی مذہب کی تقلید کرے اور
ظاہری عبادات کا پابند ہو۔ یہ نہین ہین بلکہ اُس کے معنے یہ ہین کہ مذہب کے اصلی
اُصول ذہن نشین ہو کر اُسکے رفیق طریق و رہبر زندگی بن گئے ہون۔ اگر غور سے
دیکھا جائے تو مسلمانون مین رواجی مذہب یا روزہ نماز کے پابند اب بھی بہت کثرت
سے ملتے ہین۔ پس اگر پابندی مذہب کے یہی معنی ہوتے تو ہمارے مصلحان قوم کا
زمانہ موجودہ کو دیکھکر یہ کہنا کہ "مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب" بالکل بےموقع ہوتا مذہب
اسلام کی پابندی سے مراد یہ ہو کہ انسان معاد و معاش کے اُن اُصولون پر چلے
جنکی اسلام نے تعلیم دی ہو اور جن کے چھوڑ دینے کی وجہ سے باوجود مذہب کی ظاہری
پابندی کے مسلمان اس درجے پر پہونچے ہین۔ پس جبکہ ہم دیکھتے ہین کہ دوسری اقوام
کو اُن کے ناقص مذہب کی پابندی نے منتہائے ترقی پر پہونچا دیا ہے تو ہم جن کا
یہ دعویٰ ہو کہ ہمارا مذہب فطرت کے مطابق اور ہر قسم کی دینی و دُنیوی ترقی کا ممد
ہے اس امر پر کیون نہ زور دین کہ ہمارے تنزل کا اصلی سبب یہی ہو کہ ہمنے اپنے
پاک مذہب کے صحیح اُصولون سے کنارہ کر لیا ہے خصوصًا جبکہ ہم دیکھ چکے ہین کہ
انھین اصول کی پابندی نے ایک زمانے مین عرب کے وحشی قبیلون کو
جو آپس مین لڑتے مرتے تھے اور جنھون نے سوائے اپنے قبیلے کے اونٹون اور

خشک پہاڑون کے کوئی سرسبز ملک بھی نہ دیکھا تھا ایک کرکے ملک گیری تجارت صنعت حرفت۔ تمدن اور علم و حکمت مین دُنیا کا پیشرو بنا دیا۔ ریڈیکل کا یہ خیال کہ اسلام عربون کی ترقی کا باعث نہین ہوا ایک عجیب منطق پر مبنی ہے اور نہ فلسفہ تاریخ سے سخت ناواقفیت ظاہر کرتا ہو۔ ذرا سا بھی غور و تامل بتا دیگا کہ وہ چیز جسنے عربون کے باہمی اختلاف کو اتفاق سے وحشت کو شجاعت سے ضد کو استقلال سے اوہام پرستی کو خدا پرستی سے عداوت کو ہمدردی سے اور ناانصافی کو عدل سے بدلدیا وہ اسلام اور صرف اسلام ہی تھا ورنہ اسلام سے پہلے کیون اُنکے اخلاق مین ایسا تغیر پیدا نہوا جس نے اُنکو فاتح دُنیا و مصلح اُمم بنا دیا۔ ریڈیکل نے جو یہ لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کے مسلمانون کے راسخ الاعتقاد اور پکے مسلمان ہونے مین کس کو شک ہو سکتا ہو اس سے اُنکی رفتار خیال کا پتہ لگ سکتا ہو کہ وہ پابندی مذہب کے کیا معنی سمجھے ہوے ہین اور غالباً اسی وجہ سے اُن کو دھوکا ہوا ہو۔ ہمارے مصلح قوم جس پابندی مذہب کی طرف قوم کو توجہ دلا رہے ہین وہ صرف ظاہری فرائض کی پابندی پر منتہی نہین ہوتی بلکہ اُس سے مراد اُن اعلیٰ اُصول کی پابندی ہو جو انسان کو انسان کامل کے معزز خطاب کا مستحق بناتی ہو۔ اور اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو اہل مکہ کا بھی وہی درجہ ہو جو دُنیا کے دوسرے حصونکے مسلمانون کا ہو۔ اور اسی وجہ سے وہ قعر ذلت مین پڑے ہوئے ہین۔ ہمارے مصلحان قوم کا یہ خیال نہین ہے جیسا کہ ریڈیکل نے سمجھا ہے کہ اسلام کے یہ معنی ہین کہ تیرہ سو برس کی پُرانی معاشرت کی تقلید کیجائے بلکہ وہ خوب سمجھے ہوے ہین کہ اصلی اسلام ہمکو اُس امر کی تعلیم کرتا ہو کہ زمانہ جسطرف چلائے اُس طرف چلین اور جیسا زمانہ کا رنگ ہو اُس کے مطابق عمل کرین تاکہ دُنیا کی ہر قسم کی ترقیون سے متمتع ہو کر روحانی برکات سے بھی محروم نہ ہین۔ آخر مین ہم اس امر کے کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مسلمانون کی مذہبی ترقی جب ہی قابل فخر ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمان رہکر ترقی کرین ورنہ اگر دُنیا کی چند روزہ ترقی کے پیچھے نجات دائمی سے محروم ہو گئے تو ایسی ترقی سے ہزار درجہ تنزل بہتر ہے۔

ہندوستان
اور
مسٹر چیمبرلین کی نئی پالیسی

جان کابڈن[1] کا نام تاریخ انگلستان مین ہمیشہ یادگار رہے گا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے آزادی تجارت کے مسئلہ پر ایسے زور و شور سے بحث کی کہ وہ مسلمات مین داخل ہوگیا اور ہر شخص کے عقائد دلی کا جزو بنگیا۔ یہ اُسی شخص کی زہرہ شگاف آواز کا نتیجہ تھا کہ آزادی تجارت کی دیبی کے آگے سب لوگون نے سر نیچا کر دیا اور اُسکی پرستش عام ہو گئی۔ آزادی تجارت کے معنے یہ ہین کہ سوائے بعض خاص اشیا مثل شراب و تمباکو و چاء وغیرہ کے جن کا استعمال تکلفات مین داخل ہے باقی کسی شے پر خواہ از قسم مصنوعات ہو یا پیداوار قدرتی محصول نہ لگایا جاسے اور چونکہ کابڈن اپنی قوم کی اولوالعزمی محنت کشی اور ہنرمندی سے واقف تھا اس لئے وہ بخوبی سمجھے ہوئے تھا کہ اگر کوئی شے انگلستان کی صنعت و حرفت اور تجارت کو معراج کمال پر پہونچا سکتی ہے تو وہ آزادی تجارت ہے کیونکہ انگلستان اتنا چھوٹا ملک ہے کہ وہان کی قدرتی وسائل اور پیداوار وہان کی روز افزون ضرورتون کے پورا کرنے کے لیئے کافی نہین ہوتی اور غلہ اور دوسری خام پیداوار کے لحاظ سے ممالک غیر کا محتاج ہے لیکن اسی کے ساتھ اُسکے ہموطن علمی ترقی صنعتی مناسبت اور طبیعی مستعدی کے لحاظ سے کم سے کم اُس زمانے کی مہذب اقوام مین

---

[1] یہ مضمون اُسوقت لکھا گیا تھا کہ گورنمنٹ آف انڈیا نے اپنی پالیسی کا اعلان اس مسئلہ مین نہین کیا تھا ملاحظہ ہو رسالہ عصر جدید بابت جنوری سنہ ۱۹۰۴ء

پیش رو ہین۔یہین انگلستان کو جس امر کی ضرورت تھی وہ یہی تھا کہ دوسرے ممالک کے خام پیداوار بلا روک ٹوک آئے اور سستی داموں ملے اور وہان کے مصنوعات بلا کسی دقت کے ممالک غیر مین پھیل سکین اور یہ دونون اغراض جیسی عمدگی اور آسانی سے تجارت کے آزاد ہونے سے حاصل ہو سکتی ہین ایسے کسی دوسرے ذریعہ سے نہین ہو سکتی تھین اور اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ انگلستان کے ہنرمند ہاتھ اور موجد دماغ تھوڑے ہی عرصے مین دُنیا کی تمام تمدنی ضرورتون پر حاوی ہوگئی اور دولتمندی کو اسقدر ترقی ہوئی کہ دوسری قومین رشک کھانے لگین۔آزادی تجارت کی بدولت اُسوقت تک تو دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی رہی جبتک کہ دوسری قومین خواب غفلت مین مبتلا رہکر مقابلہ پر آمادہ نہوئین لیکن جب انگلستان کیطرح یورپ کی دوسری قومون مین علوم جدیدہ کی برکات سے مستفیض ہوکر صنعت و حرفت کیطرف توجہ ہوئی تو جس چیز نے کہ انگلستان کی صنعتی ترقی کو اوج کمال پر پہونچایا تھا وہی اسکی انحطاط کا باعث ہونے لگی یعنی آزادی تجارت کی بدولت خود انگلستان اور اُس کے ماتحت ممالک کی منڈیون مین غیر ملکون کی مصنوعات سے مقابلہ ہونے لگا۔لیکن قاعدہ ہے کہ جب کوئی ملک کسی چیز مین غیر معمولی ترقی کرجاتا ہے تو اسپر مقابلے مین غالب آنا کوئی آسان کام نہین ہوتا اس لیئے ابتدا مین مقابلہ کا اثر انگلستان کی تجارت پر صرف اسقدر پڑا کہ اُن کو نئی منڈیون کی توسیع تجارت کے لیئے تلاش ہوئی اور اس طور پر ممالک محروسہ برطانیہ کی روز بروز توسیع ہونے لگی تاکہ جو کمی مقابلے کی وجہ سے نمودار ہوئی تھی اُس کو اس طرح پر پورا کیا جائے۔دیگر اقوام نے جب یہ حالت دیکھی کہ دوسرے ممالک کا تو ذکر ہی کیا ہے وہ خود اپنے ملک مین آزادی تجارت کی بدولت انگلستان کے مصنوعات کا مقابلہ نہین کرسکتین تو اُن کو معلوم ہوا کہ سیاست مدن کے جس اُصول کو وہ مسلمات سے سمجھتے ہین اس کا اثر ترقی یافتہ و غیر ترقی یافتہ ممالک پر بلحاظ حالات مقامی یکسان نہین پڑتا یعنی آزادی تجارت انگلستان جیسے ترقی یافتہ ملک کو معراج کمال پر پہونچا سکتی ہے۔ لیکن جو قومین میدان ترقی مین ابھی گھٹنون چلنے کے قابل بھی نہین ہوئی ہین۔ اُنکی ترقی مین کوئی مدد نہین دے سکتی بلکہ قدم قدم پر مانع ہوگی۔چونکہ اس اصول کی

ابتداء انگلستان ہی مین ہوئی تھی اور دوسری قومین اُسکی ایسی گرویدہ نہ ہوئی تھین
کہ اپنی مفاد ذاتی کے مقابلے مین اسکے ترک کرنے کی ذرا بھی پرواہ کرتین اس لیئے
سب سے پہلے سلطنت متحدہ امریکہ نے آزادی تجارت کے مقابلے مین پروٹیکشن یا
تحفظ صنعت وحرفت کا اُصول اختیار کیا یعنے خاص اپنے ملک کی مصنوعات کو ترقی
دینے کے لیئے ممالک غیر کی مصنوعات پر اسقدر سنگین محصول لگایا جائے کہ وہ اپنے
ملک کی منڈیون مین دیسی مصنوعات کا مقابلہ نہ کرسکین اور جو محصول اس طور پر
وصول ہو اُسکے ذریعے سے اپنے مُلک کی مصنوعات کی ایسی مدد کیجائے کہ وہ ممالک
غیر مین بآسانی مقابلے مین کامیاب ہوکر پھیل سکین۔ سلطنت متحدہ امریکہ کی دیکھا دیکھی
دوسری قومون نے بھی انگلستان کی تجارت کو زیر کرنیکے لیئے رفتہ رفتہ اسی اُصول
پر عمل شروع کیا یہان تک کہ خود انگلستان کی نوآبادیون نے خود غرضی کے جوش
مین محبت پدری کو خیرباد کہکر یہی طریقہ اختیار کرلیا۔ اسکا نتیجہ تھوڑے ہی عرصے مین
یہ ہوا کہ انگلستان جو آزادی تجارت سے وابستہ تھا اُس کی اور اُسکے ماتحت ممالک
کے بازارون پر مصنوعات امریکہ وجرمنی نے پوری طرح پر قبضہ کرلیا لیکن دوسرے
ممالک جو آزادی تجارت کو باعث نجات نہ سمجھتے تھے اُنھون نے ایک دوسرے
کے مقابلے مین ایک اور اُصول اختیار کیا جس کا نام اُصول انتقام ہے اور
جس کا منشا یہ ہو کہ جیسا برتاؤ کوئی ملک ہماری تجارت کے ساتھ کرے ویسا ہی ہم بھی
اسکی تجارت کے ساتھ کرین اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اُنمین آپسمین ایسے معاہدات ہوگئے
جو فریقین کے حقوق کے محافظ ہین۔ اور آزادی تجارت کا تمام خمیازہ برطانیہ اور
برطانیہ کے اُن مقبوضات کو (مثلاً ہندوستان وغیرہ) بھگتنا پڑا جو قانون برطانیہ کے
تابع ہین۔ جس وقت تک کہ جدید مقبوضات کی وجہ سے انگلستان کی تجارت
کے لیئے نئے نئے بازار کھلتے رہے اُس وقت تک تو انگلستان نے دوسری قومون
کے اس جدید طرز عمل کی چندان پرواہ نہ کی لیکن جب اُنکی اولوالعزمی نے اُسکا راستہ
بھی بند کردیا تو اُسکا یہ اثر ہوا کہ مال برآمد کی تعداد بمقابلہ مال درآمد کے روز بروز
گھٹنے لگی جو تجارتی انحطاط کی دلیل بین ہے انھین اُمور پر غور کرنے کے بعد مسٹر
چیمبرلین کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اگر کوئی چیز اس تنزل کو روک سکتی ہے تو وہ یہی ہو

اُن اصول پر نظر ثانی کیجائے جو اسوقت تک انگلستان کے تجارتی ایمان کا جزو رہے
ہین اور گو ابھی اُن کو ملک کے دیرینہ تعصبات کے خوف سے اتنی جرات نہین ہوئی
ہے کہ صاف وصریح طور پر آزادی تجارت سے انحراف کرین اور اسی وجہ سے
اُنھون نے پریفرنشل ٹیرف یعنی شرح محصول ترجیحی کا طریقہ اختیار کیا ہو جس کے یہ معنی
ہین کہ اولًا اس امر کو دریافت کیا جائے کہ برطانیہ اور مقبوضات برطانیہ کی کون کون
سی پیداوار اور کون کون سی مصنوعات ممالک غیر کے پیداوار و مصنوعات سے
مقابلے مین حفاظت کے قابل ہین اور جو ایسے معلوم ہون اُنکو کمی یا معافی محصول کے
ذریعے سے انگلستان ومقبوضات انگلستان مین ترجیح دی جائے اور اگر ممالک
غیر بھی اس شرح محصول کو جہان تک کہ اُن اشیا کا تعلق ہے قبول کرلین تو بہتر
ورنہ اصول انتقام کے لحاظ سے اُن کے اُس قسم کی پیداوار یا مصنوعات پر
اتنا زیادہ محصول لگایا جائے کہ وہ برطانیہ ومقبوضات برطانیہ کی منڈیون مین دیسی
پیداوار یا مصنوعات کا مقابلہ نہ کرسکین مسٹر چیمبرلین کی اصلی غرض یہ معلوم ہوتی ہے
کہ انگلستان ومقبوضات انگلستان مین ایکدوسرے کے مقابلے مین عملی طور پر آزادی تجارت کا رواج
رہے لیکن جہانتک کہ ممالک غیر کا تعلق ہے ہمارے ساتھ جو جیسا برتاؤ کرے ویسا
ہی اُس کے ساتھ کیا جائے تاکہ ان کے مقابلے کی وجہ سے جو مضر اثر ہماری
مصنوعات وپیداوار پر پڑرہا ہے وہ رفع ہوجائے۔ اس مین مسٹر چیمبرلین نے
یہ بڑا فائدہ سوچا ہے کہ مقبوضات برطانیہ ربع مسکون کی تہائی حصے کو گھیرے ہوئے
ہین پس انگریزی تجارت اتنے وسیع خطے مین آزاد ہوگئی تو پھر ممالک غیر کی پروا
نہین رہتی اور اسی وجہ سے اُنھون نے خود مختار نوآبادیون کے راہ راست پر
لانیکے لئے یہ قید بڑھا دی ہے کہ اگر کوئی قوم نوآبادیون کی مصنوعات کے متعلق اصول
تحفظ برتیگی تو اسکے متعلق بھی اُصول انتقام سے کام لیا جائے۔ گو اسمین ذرا کلام
نہین ہے کہ امریکہ اور جرمنی کی تجارت نے بیحد ترقی کی ہے۔ لیکن پھر بھی انگلستان
کی تجارت کا حصہ مقبوضات برطانیہ مین اُن پر غالب ہے اور اس لیے خود مختار
نوآبادیونکو جسقدر رغبت کہ انگلستان کے مقابلے کا ہے اتنا دوسری قومون کا نہین
ہے اور اسی وجہ سے بعض نوآبادیون کو مسٹر چیمبرلین کی رشوت کے قبول کرنے مین

تامل ہو۔ یہ امر کہ آیا مسٹر چیمبرلین کی تجاویز درحقیقت برطانیہ کے حق مین بھی مفید ہین یا نہین ایسا نہایت اہم بالشان مسئلہ ہو اور اسپر بحث کرنے کے لیئے بڑا وقت درکار ہے اور نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے لیکن اسقدر کہے بغیر نہین رہ سکتے کہ مسٹر چیمبرلین کی تجاویز گو انگلستان کے سرمایہ دار گروہ کے حق مین جس کے ہاتھ مین ملک کے کارخانہائے صنعت و حرفت ہین مفید ہو۔ لیکن جہانتک کہ مزدوری پیشہ لوگونکے متعلق ہے اور یہ ظاہر ہو کہ جس ملک کا دار و مدار صنعت و حرفت پر ہو وہان ایسی ہی لوگونکی تعداد زیادہ ہوتی ہے اشیاء احتیاج کی گرانی سے جو مصنوعات و پیداوار ممالک غیر پر محصول لگانے کا لازمی نتیجہ ہوگی نہایت مضر ہوگی۔ غرض کہ من حیث المجموع ہماری رائے مین یہ تجاویز انگلستان کے حق مین بھی بالآخر مفید نہین ثابت ہونگی۔

مسٹر چیمبرلین ابتداء مین تو ہندوستان کو بالکل ہی بھولے ہوئے تھے یہانتک کہ کبھی نام بھی نہین لیا اور اسکی وجہ بھی ظاہر ہے کہ بیچارہ ہندوستان نوآبادیوں کی طرح باوجود اپنی بیشمار مردم شماری کی آزاد تو ہے ہی نہین اور ہر امر مین برطانیہ کا تابع فرمان ہو اسلیئے اُسکے ذکر کا موقع ہی کیا تھا مگر حال مین اُنہون نے اس شکایت کو رفع کر دیا ہو۔ ہندوستان پر آزادی تجارت کا یہ اثر ہوا ہو کہ مختلف قومون کے تجارتی رقابت کا جولان گاہ بنگیا ہے اور گو اس سے اتنا فائدہ ہوا ہو کہ مصنوعات ممالک غیر کی قیمت روز بروز رگھٹ رہی ہو لیکن ساتھ کے ساتھ یہ امر ملکی صنعت و حرفت کی بربادی کا موجب بھی ہوتا رہا ہو اور اُسکی وجہ سے جدید قسم کے کارخانے نہ اُس کثرت سے قائم ہو سکے جس کی اُمید تھی اور نہ قائم ہونیکے بعد اُنکو ویسی کامیابی نصیب ہوئی جیسی کہ ہونی چاہیئے تھی۔ لیکن جب باوجود اِن مزاحمتون کے اُن فوائد کی وجہ سے جو قدرتی طور پر ایسے ملک کو حاصل ہوتی ہین جہان کی پیداوار وہین کی صنعت مین صرف ہو اور جہان تمدنی اسباب مزدوری کی گرانی کے مانع ہون ہندوستان مین جدید قسم کی صنعت و حرفت رو بترقی ہوئی تو باوجودیکہ انگلستان مین ہر شخص آزادی تجارت کا دم بھرتا تھا مگر لنکا شائر کے کارخانے والون کے شور و ہنگام نے گورنمنٹ ہند کو خلاف اپنی اصلی رائے کے ایک محصول بنام اکسائز ڈیوٹیز لگانے پر مجبور کیا جسکا مقصد یہ تھا کہ دیسی کارخانہ جو ترقی کر رہے تھے وہ رُک جائیں اور جب رفتار ترقی مین اس سے بھی کچھ زیادہ

فرق نہ آیا تو قانون کارخانجات جاری ہوا پس جبکہ عین آزادی تجارت کے زمانے مین ہندوستان کے ساتھ ایسا برتاؤ ہوا تو کبھی نہین کہہ سکتے کہ اس مستحکم اصول کے بدلنے کے بعد کوئی فائدہ کی صورت نکل سکے گی۔ جہانتک ہندوستان کا تعلق ہی ہمارے خیال مین اصول آزادی تجارت بحالت موجودہ مفید نہین ہی بلکہ ہندوستان کو صناعی کا مرکز اور اپنی ضرورتون پر حاوی بنانیکے لیئے ضرور ہی کہ مصنوعات ممالک غیر پر کم سے کم اسقدر محصول لگایا جائے کہ دیسی مصنوعات بدرجہ مساوی اُنکا مقابلہ کرسکین لیکن ہمکو دوسرے ممالک کی چندان پرواہ نہین ہی ہمارا اصلی مقابلہ مصنوعات انگلستان سے ہی اور تاوقتیکہ اُنپر محصول نہ لگایا جائے ہماری مصنوعات کوئی مادی ترقی نہین کرسکتین پس اگر ہمارے مقابلہ مین انگلستان کی تجارت آزاد رہی تو دوسرے ممالک کے مصنوعات پر محصول لگانیکا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ جو چیز ہمکو آج باہمی مقابلہ کی وجہ سے سستی ملتی ہی وہ گران ملنے لگے گی اور اُسکا اثر ایک ایسے مفلس ملک پر جیسا کہ ہندوستان ہی جہان اوسط آمدنی فی کس عــہ سالانہ سے زیادہ نہین ہی جو کچھ پڑیگا وہ کسی تشریح کا محتاج نہین ہی۔ ہماری بیرونی تجارت خام پیداوار تک محدود ہی اور چونکہ یہ ممکن نہین ہی کہ نوآبادیونکے مقابلے مین ہماری تجارت کی حفاظت کیجائے اسلیئے جہانتک غور کیا جاتا ہی صرف روئی اور اجناس روغن دار کے متعلق شرح محصول ترجیحی لگائی جاسکتی ہی گو کہ اسوجہ سے کہ ہماری روئی اعلیٰ درجہ کی نہین ہوتی زیادہ فائدہ کی اُمید نہین ہوسکتی لیکن جہانتک کہ باقی اجناس کا تعلق ہی گمان غالب ہے کہ اس جدید پالیسی کیوجہ سے اُنکی خریداری کے متعلق جو مقابلہ رہتا ہی اُسمین بھی کمی ہوجائیگی اور مقابلہ کی کمی نرخ کی ارزانی کا موجب ہوگی اور ظاہر ہی ارزانی کا اثر ہندوستان جیسے زراعتی ملک پر پڑیگا غرض کہ اس تبدیلی پالیسی کا جہانتک کہ ہندوستان کا تعلق ہی یہی نتیجہ نظر آتا ہی کہ ممالک غیر کی جن چیزونکی ہمکو خواہش ہے وہ گران ہوجائین گی اور ہماری جن چیزونکی ممالک غیر کو حاجت ہی وہ ارزان ہوجائین گی گویا کہ دونون طرح پر ہمارا ہی نقصان ہوگا۔ اگر نوآبادیونکی طرح ہم بھی انگلستان اور دیگر مقبوضات انگلستان کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرسکین جیسا کہ ممالک غیر کے ساتھ کیا جانا تجویز ہوا ہی تو فائدہ کی صورت نکل سکتی ہی لیکن ایسا ہونا معلوم اور اگر ہو بھی تو ہندوستان بوجہ اپنے افلاس اور تعلیمی حالت کے اسوقت جنگ کے لیئے تیار نہین ہے۔

صنعت و حرفت کی تعلیم کی ضرورت[۱]

اگر ضرورت زمانہ کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ دعوی کہ قومی ترقی کے لیئے مدارس صنعت و حرفت کا قیام لازمی ہی۔ اقلیدس کے اُصول موضوعہ کیطرح کسی دلیل یا ثبوت کا محتاج نہین ہی۔ لیکن اگر یہ خیال کیا جائے کہ ہم اور ہماری قوم ضروریات زمانہ سے کس قدر دور رہین تو معلوم ہوگا کہ اس ساحل پر ایک طرف تو رسم و رواج کی طوفان خیز موجین جن کے پھیلاؤ اور زور کو قدامت پرستی اور امتداد زمانہ نے اور بھی بڑھا دیا ہی ٹکراتی ہین اور دوسری طرف نئے خیالات کا مد و جزر جس کو سر سید احمد اور اُنکی تعلیم کے مقناطیسی اثر نے اعلی تعلیم کے ساتھ وابستہ کر دیا ہی زور سے حملہ آور رہا ہی۔ غرضکہ ان مخالف موجون کی کشاکش کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ تعلیم صنعت و حرفت کی کشتی مدتون سے دور ہی دور سے منڈلاتی ہوئی نظر آرہی ہے مگر ابھی تک ساحل مراد کے قریب نہین پہونچنے پائی۔ پس قبل اسکے کہ ان قدیم و جدید تعصبات پر غور کیا جائے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہی کہ یہ بتایا جائے کہ تعلیم صنعت و حرفت سے کیا مراد ہے اور اُسکے فواید کیا ہین گو کہ بمبئی جیسے شہر مین جہان ہر طرف صنعت و حرفت کے عالیشان شواہد موجود ہین زیادہ تفصیل کی ضرورت نہین معلوم ہوتی۔

اُس بھولے بھالے زمانے کا ذکر کرنا تو اب فضول ہوگا جبکہ انسان سوائے لباس عریانی کے اور کسی لباس سے آراستہ نہ تھا اور سوائے حوائج ستّہ کے دوسری ضرورتون سے ناواقف تھا لیکن مادہ تعقل نے جو اُس کو دوسرے حیوانون سے متمیز کرتا ہے بہت جلد اُس کو ابتدائے سادگی سے نکالکر میدان تمدن مین پہونچا دیا اور ع بنی آدم اعضائے یک دیگر اند کا مضمون اچھی طرح اُسکے ذہن نشین کیا۔

[۱] یہ تقریر محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منعقدہ بمبئی مین سنہ ۱۹۰۳ء مین کیگئی تھی

تمدن نے اُسکے حوائج مین توسیع کی۔ اور اس توسیع نے ہر فرد واحد کو دوسرے کی
محنت اور دماغ کا محتاج بنا دیا صنعت وحرفت کا فلسفہ یہی ہوا اور اس سے لازمی
نتیجہ نکلتا ہی کہ اقوام متمدنہ مین سب سے قوی اور بابرکت قوم وہی ہوگی جو اپنی
ضرورتون کے پورا کرنے پر قادر ہو سب سے ردّی اور ذلیل حالت اُس
قوم کی ہوگی جو ضروریات زندگی کے لحاظ سے دوسرون کی محتاج ہو تاریخ
بتاتی ہی کہ قدیم مصری اور کالدانی اقوام سے لیکر زمانۂ موجودہ کی ترقی یافتہ اقوام
یوروپ تک جب کسی قوم نے میدان ترقی مین قدم رکھکر اولوالعزمی کی دوڑ
مین بازی لی ہے تو گو ابتدا مین اُسکی ترقی کا پایہ اُس کے افراد کی جرأت و
استقلال اُسکے سپہ سالارون کی اولوالعزمی وتدبیر اور اُسکی فوج کی دلیری وسپہگری
اور آلات حرب کی عمدگی ومشاقی نے ڈالا ہو لیکن اُسکو قیام اور پائداری جب
ہی نصیب ہوئی ہی جبکہ اُسکے صناعون کی محنت ہنرمندی اور دستکاری دوسری
اقوام کی ضرورتون پر حاوی ہوگئی ہے۔ انگلستان اور امریکہ کی ترقی کا یہ راز
نہین ہے کہ اُنکی بحری اور برّی قوت دوسری مہذب اقوام سے زیادہ ہے بلکہ
اُنکی عظمت وجبروت کا اصل راز یہ ہی کہ اُن کے ہاتھ کے ہنر نے دُنیا کی تمدّنی
ضرورتون کا احاطہ کرلیا ہے اور اُسی کی بدولت ہم آج یہ تماشا دیکھتے ہین کہ ادھر
انگلستان مین مسٹر چیمبرلین جیسے با اثر وزیر اور بیدار مغز مدبّر کو جب معلوم ہوا کہ
زمانہ موجودہ کی باعظمت دیسی آزادی تجارت نے اپنے پرستش کرنے والون سے
مُنہ موڑلیا اور اُسکی انصاف پسندی یا تغافل بہت جلد انگلستان کی صنعت وحرفت
کا خاتمہ کردے گی تو نہ اُنھون نے اپنے اعلیٰ مرتبہ کا خیال کیا نہ دوستون کے چھوٹنے
نہ دشمنون کے بُرا کہنے اور نہ لوگون کے جمے ہوئے تعصبات کا بلکہ سب سے قطع نظر کرکے
نہایت مردانگی کے ساتھ مقابلے کے لیئے تیار ہوگئے اور اُدھر پریسیڈنٹ روزولٹ
کی دوربینی وعاقبت اندیشی نے اُن کو ٹرسٹس کی مخالفت پر آمادہ کیا اور دوسری
طرف لارڈ روزبری جیسا بیدار مغز رکن قوم باوجود قوم کے اسقدر ترقی کرجانے کے
موجودہ وسائل تعلیم صنعت وحرفت کو ناکافی ظاہر کرکے ایک اعلیٰ درجے کے
انسٹیٹیوشن کے قیام پر زور دے رہا ہی یہی قومی ترقی کے آثار وعلامات ہین قوم

سنے ہماری آنکھون دیکھتے ترقی کی وہ جاپان ہو اور اگر آپ کو اُس کے اسقدر جلد ترقی کر جانے کے راز کو دریافت کرین گے تو معلوم ہوگا کہ جس چیز نے اس کو اتنے قلیل زمانہ مین دُنیا کی ترقی یافتہ اقوام کا ہمسر بلکہ مدِمقابل بنا دیا ہے وہ سوائے اسکے کچھ نہین ہے کہ اہالی جاپان پہلے سے صناعی مین شہرۂ آفاق تھے اور جدید تمدن سے بہرہ ور ہونے کے بعد سب سے پہلا کام جو اُنھون نے کیا وہ یہی تھا کہ اپنی ہنرمندی کی رفتار کو زمانۂ موجودہ کے مطابق بنا لیا اسی طرح ہم مسلمان جب مسلمان تھے تو ہمارے ممالک محروسہ کی ہر بڑی اور چھوٹی بستی صنعت و حرفت کا مخزن سمجھی جاتی تھی اور دُنیا کا کوئی ملک ایسا نہ تھا جو ہماری صناعون اور تجار کا باجگذار نہ ہو یورپ کے دوسرے ممالک کا تو ذکر ہی کیا ہو اسکنڈینویا کے دور دراز اور برفیلے ملک مین بھی آجتک مسلمان سوداگرون کی اولوالعزمی کے آثار پائے جاتے ہین۔ بر خلاف اسکے آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم اپنے جسم کو دیکھتے ہین تو سر سے پاؤن تک گھر کو دیکھتے ہین تو دیا سلائی سے لیکر لیمپ تک دفتر کو دیکھتے ہین تو قلم دوات سے لیکر کاغذ تک کوئی شے ایسی نہین جس کے لحاظ سے ہم دوسرون کے محتاج نہون

مین عرض کر چکا ہون کہ اصلی حاکم تلوار نہین بلکہ ہنرمند ہاتھ ہے۔ اور اسی وجہ سے اہل برطانیہ کی حکومت ہمپر تلوار کے ذریعے سے قائم نہین ہے بلکہ اُن کی حکومت جیسا کہ مولانا نذیر احمد اکثر فرماتے ہین اُن کے سوئی بنانے والون اُن کے کپڑا بننے والون اُن کے مشین چلانے والون کی ہے اور انہین کی دستکاری کی بدولت اہل برطانیہ نے نہ صرف ہمکو بلکہ ہمارے تمام حوائج دنیوی کو اپنا حلقہ بگوش بنا لیا ہو۔ ہندوستان کی تجارت اسوقت کئی کرڑور روپیہ کی ہے اور اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان دولتمند ملک ہے لیکن اگر مال درآمد و برآمد شدہ کی نوعیت پر غور کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ اس مین ہمارا کیا حصہ ہو تو سوائے کفِ افسوس ملنے کے دوسرا چارہ کار نظر نہین آتا۔ حالت یہ ہے کہ زیادہ تر خام پیداوار ہمارے مُلک سے جاتی ہے اور ممالک غیر سے ہماری مایحتاج اشیا کی شکل مین تبدیل ہوکر آتی اور بجائے ایک پیسہ کے ایک روپیہ قیمت پر بکتی ہے۔ چمڑے ہی کی نسبت خیال کیجیے کہ ایک بکری کا چمڑا آپ

آنے کو بیچتے ہین - اور جب اُس کا ڈرا کو لیدر بنکر آتا ہو تو وہ کتنی گران قیمت کو بکتا ہے - اسی طرح آپ ایک پونڈ روئی تین آنے کو بیچتے ہین اور جب اُسکا باریک کپڑا بن جاتا ہے تو پندرہ بیس روپیہ کو خریدتے ہین - ایک ایسے تجارتی شہر مین جیسا کہ بمبئی ہے مجھے ان تفصیلات کے بتانے کی مطلق ضرورت نہین ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ آپ ان اُمور مین میری بہ نسبت بدرجہا زیادہ واقفیت رکھتے ہین -

اے مسلمانان بمبئی اسمین شک نہین کہ آپ بلحاظ اپنی تجارتی اُولوالعزمی اور مالی کامیابی کے مسلمانان ہند کے سرتاج ہین اور اس میدان مین آپ کے کارہائے نمایان تمام قوم کے لیئے باعث فخر ہین لیکن ان سے آپ کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ آپ معراج کمال پر پہونچ چکے ہین اور آپ کو آئندہ کچھ کرنے کی ضرورت نہین ہے - آپ اگر اپنی حالت پر غور کرینگے تو بلا کسی دقت یا دشواری کے معلوم ہو جائیگا کہ آپ کی تجارت گو آپ کے حق مین کسیقدر مفید ہو لیکن در اصل قوم اور ملک کے حق مین کچھ بھی مفید نہین ہے - کیونکہ آپ ملک کی خام پیداوار کے باہر جانے اور ممالک غیر کے مصنوعات کے اندر آنے کا ذریعہ ہین اور اس لیئے ملک کے عام افلاس مین ایک حصہ آپکا بھی ضرور ہو - اگرچہ بمبئی کی دوسری دیسی قومین خواب غفلت سے چونک چکی ہین اور کسی قدر صنعت و حرفت کی طرف متوجہ بھی ہو گئی ہین لیکن جو آثار ترقی نمودار ہین اُنمین آپ کا کیا حصہ ہو - پس اب وہ وقت آگیا ہو کہ جس طور پر آپ نے اپنے ملک کے افلاس مین حصہ لیا ہو اُسی طرح پر دولتمندی مین بھی حصہ لین -

مسلمانون کے قومی زوال کی داستان نہایت دلچسپ ہے اور بڑے بڑے اہل الرائے اسپر اپنی جولانی طبع دکھلا چکے ہین - لیکن جہان تک مین نے غور کیا ہے منجملہ دوسرے اسباب کے ایک بڑا سبب یہ بھی ہو کہ عین ترقی کے زمانے مین فلسفہ اشراقئین کی اشاعت ہوئی جس کو عجمی تمدن اور خیالات کی ترویج نے اور بھی قوی کر دیا - اور اُسنے دُنیا سے دل اُٹھا کر تصوف کی طرف مائل کیا - اور بالآخر ہر قسم کی دنیوی ترقی کو باعث ننگ و عار بنا دیا - اسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہمارا قومی سلسلہ تعلیم بھی مذہبی ہو گیا اور اُسکے علاوہ کوئی ایسا سلسلۂ تعلیم قائم نہ ہوا جو اُن لوگون کا رہبر طریقہ بن سکتا جو پیشوایانِ مذہبی بننے کے شائق نہ تھے -

اگر آپ تاریخ ترقی یورپ پر غور فرمائین گے تو بھی یہی معلوم ہوگا کہ عہد وسطی مین جس کو عصر تاریک کا لقب تاریخ نے دیا ہی کوئی نصاب تعلیم دنیوی کا مروج نہ تھا بلکہ تعلیم کا دار و مدار مذہب پر تھا اور جب سے کہ تعلیم مذہب کی قید سے آزاد ہوئی ہے اُسی وقت سے یورپ کی دنیوی ترقی کی بنیاد پڑی ہے۔ اگرچہ عروج اسلام کے زمانے مین سینکڑون مدرسے ہر ملک مین موجود تھے لیکن سوائے کاریگرون کی دوکانون کے کوئی ایک مدرسہ بھی صنعت و حرفت کا نہ تھا اور اسی کا نتیجہ ہوا کہ رفتہ رفتہ خود صنعت حرفت ہی کو ذلیل سمجھنے لگے اور اُسی کا خمیازہ آج ہم قومی ادبار و افلاس کی صورت مین کھینچ رہے ہین۔ وہ زمانہ کچھ دور نہین ہے جبکہ ہندوستان دُنیا مین صناعی کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور کوئی مُلک ایسا نہ تھا جو ہمارے صناعون کی ہنرمندی کا محتاج نہو یا یا اب یہ زمانہ ہے کہ ہم سوئی سے لیکر ریل تک کے لیے دوسرون کے محتاج ہین اور اُسکا باعث سوائے اسکے کچھ نہین ہے کہ صنعت و حرفت کو جاہل اور نادان لوگون کے ہاتھ مین جو ضرور یات زمانہ سے واقفیت پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے چھوڑ دیا گیا اور تعلیم صنعت و حرفت کی طرف کبھی توجہ نہ کی گئی۔

مجھے اُمید ہی کہ مین نے کافی وضاحت کے ساتھ ثابت کر دیا ہے کہ ملکی و قومی ترقی مین صنعت و حرفت کا کیا درجہ ہی۔ اور اب اس امر کی ضرورت ہے کہ قدیم و جدید لوگون کے جو اعتراضات تعلیم صنعت و حرفت پر ہین اُن پر تھوڑی دیر کے لیے غور کیا جائے۔ اگرچہ اس روشنی کے زمانے اور خاصکر اس روشن خیال کانفرنس مین بہت کم لوگ ایسے ہون گے جن کو علانیہ پیشہ کو حقیر کہنے کی جرأت ہو لیکن پھر بھی قدیم اور جدید خیال کے لوگون مین بہت کم لوگ ایسے ہین جنکے دلمین چور موجود نہو گو اس مین شک نہین کہ مسلمانان بمبئی جنکے سطح نظر کو کاروبار تجارت نے وسیع کر دیا ہے اس سے بڑی حد تک بری ہین۔ اگر آپ اپنے ہادی برحق کی سچی تعلیم پر غور کرینگے تو معلوم ہوگا کہ اُسنے اپنے ہاتھ کی محنت کو اکل حلال کا اعلی درجہ قرار دیا ہی اور اگر آپ اپنی تاریخ کے زرین صفحون کو نظر غائر سے دیکھکر اُن بزرگ اور باعظمت لوگون کی سوانح عمری کو ملاحظہ فرمائین گے جنھون نے زمانے کی لوح سادہ پر ایسے نقش چھوڑے ہین جو ہمیشہ یادگار رہین گے تو معلوم ہوگا کہ پیشہ باعث ذلت نہ تھا بلکہ بڑے بڑے

لوگ پیشہ ور تھے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جنکی تقلید کو اسوقت بھی کئی کروڑ مسلمان ذریعہ نجات سمجھتے ہین بزاز تھے شمس الائمہ حلوائی کا پیشہ جو آسمان فقہ پر آفتاب ہو کر چمکے اُنکے نام سے ظاہر ہے۔ کون ایسا مسلمان ہو جو منصور حلاج اور فریدالدین عطار کی بزرگی و عظمت سے انکار کرے گا۔ علامہ مقری نے تاریخ اندلس مین لکھا ہو کہ سلاطین بنی امیہ کا قاعدہ تھا کہ ولیعہد کو ضرور کسی نہ کسی پیشہ کی تعلیم دیتے تھے مثلاً کسی کو حدادی کی تعلیم دیجاتی تھی تو کسی کو صحافی کی اور کسی کو نجاری کی اور ہندوستان مین بھی شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کتابت کے ذریعے سے اپنی گذراوقات کرتا تھا۔ دور کاہے کو جایئے خود ہمارے شہنشاہ معظم ملک اڈورڈ ہفتم کے نصاب تعلیم مین موچی گری بھی داخل تھی اور اُس سے یہ اور بھی اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ ہمنے اپنے شعار قومی کو پس پشت پھینک دیا ہے۔ مگر جن قومون کا ستارۂ اقبال بلند ہو وہ انھین اُمور کو نہایت خوشی سے اختیار کرتے ہین۔ پس اسقدر تفصیل کے بعد کیا کوئی ایسا مسلمان ہے جو اپنے ہادی برحق کی تعلیم سے منکر ہو اور امام اعظم اور شمس الائمہ حلوائی اور فریدالدین عطار کے ساتھ شمار ہونے مین ننگ و عار سمجھے اور اگر کوئی ہے تو ؏

وائے گر در پس امروز بود فردائے

قدیم لوگون کے اعتراضات رفع کرنے کے بعد مین تھوڑی دیر کے لئے جدید لوگون کے اعتراضات کی طرف توجہ کرتا ہون۔ کہا یہ جاتا ہو اور بڑے زور و شور سے کہا جاتا ہے کہ قوم کو ابھی اعلے تعلیم کی ضرورت ہو اور تاوقتیکہ یہ ضرورت پوری نہو دوسری طرف توجہ کرنا گویا اپنی قوت کو کم کردینا ہے۔ یہ بالکل سچ ہے کہ ابھی قوم کو اعلی التعلیم کی ضرورت ہے اور مصلحان قوم کا اس طرف متوجہ رہنا لازمی ہے لیکن جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اعلی تعلیم کے متعلق قوم مین ایک عام تحریک پیدا ہو گئی اور ہوتی جاتی ہے اور جو لوگ اعلی التعلیم کے گران مصارف برداشت کر سکتے ہین اُنمین بہت کم ایسے ہین جو اپنی اولاد کو اُسکے بے بہا فوائد سے مستفیض کرنے کے خواہشمند نہون اور نیز یہ سوچا جائے کہ ہماری قوم پر افلاس کس قدر غالب آگیا ہے اور کسقدر کم افراد ہین جو اعلی تعلیم کے مصارف برداشت کر سکتے ہین تو ظاہر ہوتا ہو کہ قوم کے چند افراد کی خاطر بڑے حصہ کی ضرورتون کو بالکل نظر انداز کردینا قومی خیرخواہی نہین ہو۔

اسی کے ساتھ اگر ملکی حالت کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہی کہ ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور زراعت کی آمدنی جیسی غیر یقینی اور اتفاقات ارضی و سماوی پر منحصر ہوتی ہی وہ ظاہر ہے اور اگر بالفرض ہر امر میں زمانہ سازگار ہو تو بھی آمدنی اتنی نہیں ہو سکتی کہ دولتمندی پر پہونچا سکے۔ تاریخ عالم میں کوئی مثال اس امر کی موجود نہیں ہے کہ کوئی ملک محض زراعت کی وجہ سے دولتمندی کے درجے پر پہونچا ہو۔

اعلیٰ تعلیم اگرچہ ہمکو افلاطون اور ہربرٹ اسپنسر کا تو مقابل بنا دیتی ہے لیکن دنیا کے پوشیدہ خزانوں کی کنجی ہمارے ہاتھ میں نہیں دے سکتی اور ہمارے لیئے اگر ہم ملکی خیرخواہی کا دم بھرتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ تعلیم صنعت و حرفت کی طرف توجہ کریں۔ اس میں شک نہیں کہ اعلیٰ تعلیم انسان کے دماغ کو جلا کرکے اسکو اپنی فطرت کی تکمیل کا راستہ بتاتی ہے اور دنیوی طور پر بھی سلطنت میں حصہ لینے کے لیئے تیار کرتی ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ نہ تمام قوم اپنی فطرت کی تکمیل اور دماغ کے انجلا میں مصروف ہو سکتی ہے اور نہ ہر شخص سلطنت میں حصہ پا سکتا ہی۔ گو ہماری قوم میں اعلیٰ تعلیم کی اشاعت جیسی کہ چاہیئے ابھی تک نہیں ہوئی ہے پھر بھی ایک بہت بڑا گروہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کا ملک میں پیدا ہو گیا ہے لیکن افسوس ہی کہ انمیں سے اکثر تلاش معاش میں سرگردان و پریشان نظر آتے ہیں اور روز بروز اس پریشان حال گروہ کی تعداد جس کا وجود ملک اور سلطنت دونوں کے لیئے مضر ہے بڑھتی جائے گی جیسا کہ ہندوستان کی دوسری اقوام میں دیکھا جا رہا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ فلسفہ کے مسائل یا علم ادب کے لطائف یا تاریخی رموز پیٹ نہیں بھر سکتے۔ اس کمبخت کے تکلیف دہ تقاضوں کے روکنے کے لیئے کسی اور ہی چیز کی ضرورت ہے۔ برخلاف اسکے تعلیم صنعت و حرفت کی تعریف صحیح طور پر تعلیم قابل بیع و شرا کی گئی ہے جس کے ہاتھ میں کوئی ہنر ہے وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔

اس کے علاوہ اگر ہم اپنے گرد و پیش دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ ہماری معاصر قومیں اس شدید ملکی ضرورت کی طرف متوجہ ہو گئی ہیں جیسا کہ نیشنل کانگریس سے متعلق صنعتی نمائش قائم کرنے سے ظاہر ہے۔ پس اگر ہم بروقت بیدار نہ ہوئے تو پھر وہی اعلیٰ تعلیم کا پرانا قصہ پیش آئے گا کہ وہ آگے نکل گئے اور ہم جہاں تھے وہیں کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔

سر سید احمد خان نے جب اعلیٰ تعلیم کا جھنڈا بلند کیا ہو تو اُس وقت ہماری قوم مین کسی قسم کی تعلیم کا وجود نہین تھا اور اِس لئے اُنھون نے سب سے پہلے تعلیم کے اُس حصہ کو لیا جو دماغ کی روشنی کا موجب ہوتا ہے اور اُن کا بالیقین یہی خیال تھا کہ جب قوم مین روشن ضمیری پیدا ہوگئی اور وہ مُلک کی حکومت مین اپنا حصّہ لینے کے لائق بنگئی تو دوسری طرف خود بخود متوجہ ہو جائے گی۔ پس ہم جو کچھ کرنا چاہتے ہین وہ یہ نہین ہے کہ اعلیٰ تعلیم سے غافل ہو جائین یا اُسکے متعلق اپنی کوششون کو سُست کر دین بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ سر سید احمد خان کا جو اصل مرکوز اعلیٰ تعلیم کی اشاعت سے تھا اُس کو پورا کرین۔

پس اے صاحبو اگر آپ اپنے ملک کے خیر خواہ اور قوم کے ترقی طلب ہین اگر آپ اپنی اولاد کو قعر افلاس سے جو مُنہ پھاڑے اُن کا منتظر ہے محفوظ رکھنا اور میدان ترقی مین اپنی معاصر قومون سے پیچھے رہنا نہین چاہتے تو آپ پر لازم ہے کہ آپ تعلیم صنعت و حرفت کی طرف توجہ کرین اور دامے درمے قدمے کوشش کر کے ایسے وسائل بہم پہونچائین جو قوم اور ملک کو اُس کی برکتون سے فیضیاب کر سکین۔

سوتاڑہ

بہارستان فطرت مین پہاڑونکا ایک عجیب مرتبہ ہو۔ کیسا ہی معمولی منظر ہو لیکن اگر وہ کسی اونچے پہاڑ پر بھی ہوتا ہو تو اسمین عجیب دلفریبی پیدا ہو جاتی ہو۔ دور سے سرسبز بفلک کشیدہ پہاڑ نظر آکر مُردہ دلون کو زندہ کرتے ہین اور جو شفاف اسمین چشمے اُن سے جابجا اُچھلتے کودتے نکلتے ہین وہ اپنی مجموعی قوت سے دریا بہاتے اور عالم کی سرسبزی و شادابی کا موجب ہوتے ہین۔ یہی پہاڑ ہین جنکا نظارہ انسان کو اپنی بے حقیقتی و بے بضاعتی کا دل ہی دل مین قائل کرکے کسی اور عالم مین پہونچا کر معرفت الٰہی کا سبق پڑھاتا ہے اور انھین پہاڑون کے تاریک کھوونکی خوفناک تنہائی مین نفس امارہ کا ستایا ہوا انسان گوشہ گزین ہوکر عبادت و ریاضت کے بدولت قید جسمانی سے آزاد ہوکر کسی اور ہستی کی سیر کرتا ہو۔ یہی پہاڑ ہین جو ہزارہا سال سے بیش بہا جواہرات کو جگر گوشون کی طرح سینہ مین چھپائے ہوئے چلے آتے ہین اور سخت مقابلہ سے انسان کی بہترین کوششون کو بھی بمشکل اُن تک رسائی ہونے دیتے ہین۔ انھین پہاڑون کی چوٹیون پر بکھرے ہوئے سنگریزے ایسے ایسے سمندرون اور دور دراز طوفانون کو یاد دلاتے ہین جن کے مقابلے مین گویا طوفان نوح کل ہوا ہو۔ غرضکہ پہاڑ زمانۂ قدیم کی جہان تک کہ مورخون کا ذہن بھی رسائی نہین کرسکتا زندہ تاریخ اور انسان کے لیے عجیب مایۂ دولت و عبرت ہین۔

ضلع بیر کی خوش قسمتی ہے کہ مغربی گھاٹ کا شمالی حصہ آدھے ضلع کو گھیرے ہوئے ہے۔ اور گو ان پہاڑون مین یہ بڑا نقص ہو کہ درختون سے جو دراصل ان کا زیور ہین بالکل خالی ہین اور اُن کا بالائی حصہ کوسون تک انسان و حیوان کی سکونت اور پرورش کے لیے پھیلتا ہوا چلا گیا ہو۔ اور صرف نظر کے قدم قدم پر چھوٹے اور بڑے

گول اور نوکدار روڑہون سے ٹھوکر کھانے سے محسوس ہوتا ہو کہ یا لاالے کوہ ہین لیکن پھر بھی کہین کہین خصوصًا چڑھاؤ اور اُتار پر ایسے ایسے دلفریب سمان سامنے آجاتے ہین جو بھولے سے بھی نہین بھولائے جاسکتے۔ اگرچہ گرمیون کے موسم مین اُنکا پھیلا ہوا سطح اور ڈراونی بلندی تھکے ماندے مسافرون کا دل دور سے نظر آکر بٹھا دیتی ہے۔۔ لیکن کسی کسی مقام پر جب قریب پہونچتے ہین تو اُسکی کافی تلافی بھی ہو جاتی ہے بڑے کے مغرب مین جس مقام پر گھاٹ ختم ہوتا ہو وہان کی زمین عجب زرخیز ہے کوسون تک جدھر نظر جاتی ہو ہرے بھرے کھیتون کی تازگی کحل الجواہر کا کام کرتی ہو اور برسات کے موسم مین خواہ حضرت میکائیل کیسی ہی بے رخی فرمائین مگر وہان کی سیر حاصل زمین محنت کے مارے کسانون کو وقت پر مالا مال کر دیتی ہو جوار کے درخت انسانون کے قد سے بھی ایک ہاتھ اونچے ہوتے ہین اور بڑے بڑے دانون کی کثرت سے کُٹھے پھٹے پڑتے ہین۔ ان زرخیز کھیتون کا سلسلہ ایک سیدھی ہموار سڑک پر ختم ہوتا ہے جو بخط مستقیم گھاٹ سے اُترتی ہوئی احمدنگر کو جاتی ہے۔ یہ کھیت اور یہ سڑک آفتاب کی تیز روشنی مین بالکل ایسے معلوم ہوتے ہین کہ گویا دھانی دوپٹہ پر روپہلی گوٹہ لگا ہوا ہے۔ اس سڑک کی دوسری طرف گھاٹ کے کنارے کے نزدیک موضع سوتارہ اسطرح واقع ہوا ہو کہ گویا کوئی عقاب قلّہ کوہ پر پر پھیلائے ہوئے بیٹھا ہو۔ اگرچہ مکانات اور باشندون کی عام حالت اور اشغال کے لحاظ سے مرہٹواری کے دوسرے دیہات کے مقابلے مین سوتارہ مین کوئی چیز مابہ الامتیاز نہین ہو لیکن گرد و اطراف کی سرسبزی و شادابی ٹھنڈی ہوائین باشندونکی فارغ البالی اور تواضع اور سب سے زیادہ وہان کا دلفریب منظر انسان کے دل پر عجب اثر ڈالتا ہو موضع کے دوسری طرف بجانب مغرب نصف میل تک اُفتادہ زمین کا سلسلہ جو کہین سے اونچی اور کہین سے نیچی ہو نشیب و فراز ہستی کا سبق پڑھاتا ہوا گھاٹ کے کنارے تک چلا گیا ہو۔ یہان پہونچکر خدا کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہو۔ اگر ذرا گردن جھکا کر دیکھا جائے تو ایک عمیق غار نظر آتا ہو۔ جس کے دونو طرف سیدھی دیوارین کھڑی ہوئی ہین۔ یہ دونون دیوارین ملکر زاویہ حادّہ بناتی ہین اور ایسا معلوم ہوتا ہو کہ کسی فوق الانسان قوت نے پہاڑ کا ایک مثلث نما ٹکڑا جدا کر لیا ہو عمق پانچ چھ سو فیٹ سے کم نہین ہو اور چونکہ اُتار بالکل عمودی

ہے اس لیئے نظر کانپتی تھرتھراتی نیچے اُترتی ہو مگر وہان پہونچکر جو سمان سامنے آتا ہے
وہ تمام خوف اور تمام زحمت کا کافی بلکہ کافی سے بھی زیادہ معاوضہ ہوتا ہو - چونکہ
عرف عام مین اس غار کی گہرائی سوتاڑ کے برابر سمجھی جاتی ہو اسلیئے موضع کا نام سوتارہ
رکھا گیا ہو - خوف زدہ نگاہ سطح تحتانی پر پہونچکر ہر طرف گھنے درخت دیکھتی ہو جنکے گھنگھور
پتون کی سیاہی مائل سبزی دل پر ایک خاص اثر پیدا کرتی ہو اور درختون کے بیچ مین
پتونکی سبز نقاب منہ پر ڈالے ہوئے ناہموار پہاڑی سطح پر ایک بلورین چشمہ بہتا ہوا نظر
آتا ہو - جہان کہین پتے زیادہ گھنے نہین ہین یا دو درختون کی شاخین آپس مین
گلے ملتی ہین یا ہوا کے جھونکے نقاب کو ذرا چہرہ سے ہٹا دیتے ہین چشمہ کے شفاف
پانی کی نورانی جھلک انسان کی اپنی ہستی کو بھلا کر کسی اور ہستی کو یاد دلاتی ہے -
غور سے دیکھتے ہین تو پانی مین کسی گنبد نما عمارت کا عکس پیچ و تاب کھاتا ہوا نظر
آتا ہو اور جب سایہ سے اصل کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہو تو ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے
گھنے پتونکی گہری سبزی سے کوئی سفید سفید چیز جس نے منظر کو اور بھی دلربا بنا دیا
ہو جھانکتی ہوئی دکھائی دیتی ہو جس مقام پر غار بصورت زاویہ ختم ہوتا ہو وہان کچھ
اور ہی کیفیت ہو ہر طرف سے چھوٹے چھوٹے چشمے بہتے چلے آتے ہین اور غار کے قریب
پہونچکر اُنکا منتشر پانی ایک تیز پہاڑی چشمہ کی شکل مین نمودار ہوتا ہو جو شور مچاتا اُچھلتا کودتا
مچلتا کنارہ تک پہونچتا ہو اور وہان اپنی سطح کو جس کی تلاش مین اسقدر سرگردان و پریشان
ہونا پڑا ہو نہ پاکر بے قرار ہو جاتا ہو اور اسی کرب و اضطرار کے عالم مین ایک چھلانگ
ایسی مارتا ہو کہ منہ کے بل گرتا ہو اور یہ معلوم ہونے لگتا ہو کہ گویا ایک دریا ہوا مین
معلق لٹک رہا ہے - یہ تماشا دیکھکر انسان اسقدر محو ہو جاتا ہو کہ اُسکا بے اختیار
جی چاہتا ہو کہ ذرا نیچے اُترکر اس بہار جانفزا کا لطف اور بھی اچھی طرح اُٹھائین -
مگر پہلے یہ عمودی اُتار دل بٹھا دینے والی گہرائی اور اونچی نیچی ناہموار سیڑھیان
اُس کے پاؤن پکڑ لیتی ہین - مگر شوق اُسے اس زور سے ڈھکیلتا ہو کہ بے اختیار
اُس کے قدم حرکت مین آتے ہین اور اُن انگڑ سیڑھیون کو جن کے بنانے مین دست
صنعت کا بہت ہی کم دخل ہو جس طرح بنتا ہو طے کرتا ہوا ایک ایسے مقام پر پہونچتا ہے
جہان کچھ دور پہلوان چٹان کے سوا کوئی اور شے نظر نہین آتی مجبوراً بیٹھ کر پھسلنے لگتا ہو

اور جب تھوڑی دیر مین پھر سیڑھیان نمودار ہوتی ہین تو پھر پہلے کی طرح گرتا پڑتا آگے
بڑھتا ہی اور بالآخر خدا خدا کر کے کوئی آدھ گھنٹہ کی سخت محنت مین جو اسکو پسینہ پسینہ
کر دیتی ہی۔ نیچے کی سطح پر قدم رکھتا ہی۔ مگر وہان پہونچتے ہی ایسا ہوش رُبا سین دیکھتا ہی
جو تمام کلفتونکو آن کی آن مین بھلا دیتا ہی۔ دو طرف سر بفلک کشیدہ پہاڑ کی دیوارین نظر
کو روکتی ہین۔ جن پر جا بجا کسی دہاتی مگر ہمدرد انسان نقاش نے اپنے غیر تربیت یافتہ ہاتھ
سے آدمی نما پتلونکی بیڈول تصویرین ناواقف اُترنے والون کی رہبری کیلئے بنا دی ہین۔
جنوب کی طرف جہان تک نظر جاتی ہو کھیت ہی کھیت پھیلتے ہوے چلے گئے ہین جنمین
ایک شفاف ندی جس کا پاٹ فاصلے کے ساتھ بڑھتا جاتا ہی بہ رہی ہی۔ شمال کی طرف
آبشار ریل کی طرح شور مچاتی ہوئی گر رہی ہی۔ مگر درختون کے جھرمٹ کی وجہ سے نظر
نہین آتی بیچ مین ایک بلورین چشمہ اپنی پہاڑی ندی مین عجب مستانہ چال سے
لڑکھڑاتا قدم قدم پر گول اور نوکدار اور چوپہل چھوٹے اور بڑے سنگریزون سے ٹکر کھاتا
ہوا بہ رہا ہی اور ہر طرف بڑے بڑے درخت اُس کے سرد اور شفاف پانی کو آفتاب کی
گرمی اور پہاڑی ہواؤن کے تند جھوکون سے محفوظ رکھنے کے لئے چھتریان لگائے کھڑے
ہین جنمین سے چھن چھن کر آفتاب کی زرد کرنین سطح آب پر گرتی اور پانی مین مہتاب کے
چھپنے کا سمان دکھاتی ہین۔ چشمہ کے اُدھر پتون مین چھپی ہوئی وہی عمارت جس کا
عکس اوپر سے نظر آیا تھا دکھائی دیتی ہی اور جب چشمہ کو عبور کر کے دوسری طرف
پہونچتے ہین تو معلوم ہوتا ہی کہ بلند کرسی پر ایک چھوٹا سا مندر ہی۔ جو کسی فطرت پرست
رشی نے اس ہوش رُبا مقام مین جہان ہر شے صانع حقیقی کی لاجواب صنعت کا پتہ
دے رہی ہو۔ اطمینان قلب سے صحیفہ فطرت کی ورق گردانی مین مصروف ہو کر راز
ہستی کے حل کرنے کی نیت سے بنایا ہو۔ اس دلربا مندر کی سیر اور اُس کے بانی
کے لاجواب انتخاب پر داد دیکر انسان درختون کے سایہ مین چشمہ کے کنارے کنارے
اُس کی دل لبھانے والی خوش فعلیون کا نظارہ کرتا ہوا شمال کی طرف بڑھتا ہی اور
جبھی کہ درختون کے جھنڈ سے سر نکالتا ہی تو ایک عجیب جانفزا منظر نظر کے سامنے آ جاتا ہی۔
شور ایسا ہی کہ کان پڑی آواز سنائی نہین دیتی مگر معلوم یہ ہوتا ہی کہ ایک دریا ہی کہ اُمڈا
ہوا چلا آتا ہی جس سے نظر کو حیرت کے ساتھ تسکین بھی ہوتی ہی جب عالم حیرت مین قدم

بڑھاتا ہے اور بھی قریب ہوتا ہے اور نظر اُٹھا کر دیکھتا ہے تو پہلے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ابر کی چادر ہوا میں لٹکی ہوئی ہو مگر کسی قدر نیچے آکر اس چادر کے ٹکڑے ہو کر کئی دہار میں بنجاتی ہیں اور تھوڑی دور تک یہی کیفیت رہتی ہو پھر یہ بھی چھوٹی دھار بڑی بڑی بوندوں کی شکل میں منتقل ہوتی ہو جن کی جسامت فاصلہ کے ساتھ گھٹتی جاتی ہو یہاں تک کہ جیسے نیچے پہونچتی ہیں تو چھوٹی ہوتے ہوتے جز ولا تتجزی کا ثبوت دیتی ہوئی دھوئیں کی شکل میں نمودار ہوتی ہیں لیکن یہاں کی خاک بھی اکسیر کا حکم رکھتی ہو کہ یہ موہوم اجزائے آبی سطح تحتانی سے ملحق ہوتے ہی پھر ایک زوردار چشمہ بنجاتے ہیں یہ نظارہ اس قدر دلفریب ہے کہ انسان گھنٹوں عالم محویت میں نظر جمائے کھڑا رہتا ہے پھر دفعتاً خیال آتا ہے کہ شام ہوئی جاتی ہو واپس چلنا چاہیے مگر شوق کے تقاضے اور ہمت دلانے نے یہاں تو پہونچا دیا تھا لیکن اب واپسی کا رستہ دارد ہر حال جس طرح بھی ممکن ہے با دل ناخواستہ گرتا پڑتا بیٹھتا اُٹھتا جا بجا پانی سے حلق تر کرتا ہوا اوپر پہونچتا ہے اور تھک تھکا کر بدن تختہ سا ہو جاتا ہو اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

گرمی کا سمان

اُردو شاعری مین یہ بہت بڑی خرابی ہو کہ مقامی رنگ جس کو انگریزی مین لوکل کلر کہتے ہین بالکل نہین ہو - اسکی وجہ جہان تک غور کیا جاتا ہو یہی ہو کہ اردو شاعری کا نشو و نما اُس زمانے مین ہوا جبکہ اہل ہند تقلید کی زنجیر د ن مین جکڑے ہوئے تھے اور جدّت خیال کا نام کفر تھا - اس لیئے وہ اپنی آنکھون اپنے جذبات اور اپنے خیالات سے تو کام نہین لے سکتے تھے اُن کو خواہ مخواہ دوسری طرف توجہ کرنی پڑی اور چونکہ فارسی شاعری اسلامی حکومت اور ایرانی تمدن کے بدولت پہلے ہی سے ہند مین اپنا سکّہ بٹھا چکی تھی اس لیئے لازمی طور پر وہی سب کی منظور نظر ٹھہری اور اُسی کو امامت و اُستادی کا درجہ دیا گیا - یہی وجہ ہو کہ ہمارے شاعر سرزمین ہند مین ایران کے خواب دیکھتے ہین اور وہین کے طرز کلام - وہین کے پھولون - وہین کے پھلون اور وہین کے پرندون سے اپنے خیالات کے باغ آراستہ کرتے ہین - یہی وجہ ہو کہ فارسی کیطرح اُردو مین بھی مرد موضوع شاعری قرار پائے اور وہی تشبیہین اور استعارے مروج ہوئے جو اہل ایران کے کلام کی گرمی کا موجب ہین -

اگرچہ اس وجہ سے کہ جذبات انسانی ہر جگہ ایک ہی ہین یہان بھی طباعی باوجود اتنی قیود کے درجۂ کمال پر پہونچکر ہی رہی لیکن کاملین کے کلام کو بھی وہ بات اور وہ اثر نصیب نہ ہوا جو مقامی رنگ کا حصّہ ہو اور جن لوگون کو منبع فیض سے اتنا حصّہ نہ ملا تھا اُن کا کلام تو فارسی شاعری کی پھیکی اور بھدّی نقل بنکر رہ گیا - ہمارا تمام لٹریچر گل و بلبل کی داستان سے بھرا پڑا ہے - حالانکہ ہندوستان مین کبھی کسی نے بلبل کی شکل بھی نہین دیکھی اور کنول کے پھول اور کوئل کی کوک اور پپیہے کے

کی بیقراری کا جو ہندوستان کی خصوصیات اور ہر وقت ہمارے پیش نظر ہیں کہیں نام بھی نہیں ہے۔ قیس و فرہاد کے دلخراش قصے تو بچے بچے کی زبان پر ہیں مگر نل اور پرودا س کا کوئی نام بھی نہیں جانتا لیلیٰ و شیرین کے حسن خداداد کی شہرت تو عالمگیر ہے مگر درو پدی و سیتا کی ناز آفرینی و کرشمہ سازی ہمارے شاعروں کی آنکھ سے اوجھل ہے۔

کاش ہماری تقلید پسند سرشار بزرگ بجائے فارسی کے یا فارسی کے ساتھ ہی ساتھ ہندی شاعری کو بھی اپنا نمونہ یا رہبر طریق بناتے تو یا وجود تقلید کے اُن کو وہ بات نصیب ہو جاتی جس کو آپ آنکھیں ڈھونڈھتی ہیں اور پیغام ڈھونڈھتی ہیں۔ ہندی شاعری کا نشو و نما اور پرورش ہند ہی کی آب و ہوا میں ہوئی ہے اس لئے وہ اہل ہند کے اصلی جذبات اُن کی واقعی خصوصیات اور مقامی معلومات سے بھری ہوئی ہے۔ ہندو شاعر جس چیز کو بیان کرتے ہیں اُسکی تصویر آنکھوں کے سامنے کھڑی کر دیتے ہیں۔ اُنکی انوکھی تلاش دل کو بیقرار کر دیتی ہے اور اُنکے قوی جذبات دل سے نکلکر دل ہی میں بیٹھ جاتے ہیں۔ طبیعت انسانی کے مطالعہ اور فطرت کی رنگا رنگ گلکاریوں کے مشاہدے میں اُن کو خاص دخل ہے۔

آجکل اسمیں شک نہیں کہ ہماری شاعری کا ایک خاص رنگ پیدا ہو رہا ہے لیکن چونکہ اُس کا دارو مدار بھی انگریزی شاعری کی تقلید پر ہے۔ اسلئے وہ ہماری شاعری کو مقامی خصوصیات سے جو در اصل ہر شاعری کی جان ہیں اور بھی دور لئے جا رہا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اگر ابتدا میں کالیداس اور بھاؤ بھوتی وغیرہ کی نظموں کا ترجمہ اُردو میں ہو گیا ہوتا تو آج اُردو شاعری کا رنگ بالکل دوسرا ہی ہوتا اور گو اب انگریزی مذاق کے زور پکڑ جانے کی وجہ سے ہندی رنگ کا فروغ پانا کسی قدر دشوار ہو گیا ہے لیکن چونکہ ہم اُس سے بالطبع مانوس ہیں اور وہ ہمارے ہی اصلی جذبات کی تصویر کھینچتا ہے۔ اس لیئے اب بھی اگر اُس کمی کے پورا کرنے کی کوشش کی جائے تو ایک حد تک کامیابی کی اُمید ہو سکتی ہے۔ یوں تو ہندی شاعری کے بہت سے طبقے ہوئے جن کا ذکر یہاں خارج از بحث ہوگا لیکن جیسی ترقی کہ قدیم ہندوؤں نے فن ڈراما یعنے

ناٹک مین کی اُسکی مثال دوسری اقوام مین مشکل سے ملسکتی ہے - اگرچہ اب یہ بالاتفاق طے ہوگیا ہو کہ فن ڈراما کی ابتدا اور دوسرے فنون لطیفہ کی طرح قدیم یونان مین ہوئی اور وہین سے یہ فن شریف ہندوستان مین آیا لیکن ہندون کی خداداد ذہانت اور عالی مرتبہ طباعی نے سنہ عیسوی کے پہلے ہی اسکو ترقی کے ایسے زینہ پر پہونچا دیا تھا جو یوروپ کو ہزار ڈیڑھ ہزار برس کے بعد سولھوین صدی عیسوی مین نصیب ہوا - ڈراما کو شاعرانہ جذبات کے اظہار سے خاص مناسبت ہے اور جیسی خوبی سے صحیفۂ فطرت کا باریک مطالعہ اور قلب انسانی کے طوفان خیز جذبات کی کشمکش اور اُس کے پیچیدہ رازون کا انکشاف ڈراما مین دکھایا جا سکتا ہو ایسا دوسری اصناف شاعری مین ممکن نہین ہو - ہندو ڈراما مین بخلاف دوسرے اقسام سخن کے یہ خاص بات بھی ہو کہ وہ مذہبی اور روحانی رنگ سے بالکل معرا ہے اور اس لیئے ہر کس و ناکس کے لیئے سرمایۂ تعلیم و تفریح ہو سکتی ہو پس انہی وجوہ سے ہمنے ارادہ کیا ہو کہ اگر مکروہات زمانہ سے فرصت ملے تو کبھی کبھی ہندو ناٹکون کے بعض موثر سینون کا ترجمہ اردو دان پبلک کے ملاحظہ مین پیش کیا کرینگے تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ در اصل منصب شاعر کیا ہے اور اسکو فطرت انسانی کا مطالعہ کیسی باریک نظری سے کرنا چاہیئے اور اُس کے موثر پیرایہ مین ظاہر کرنے کے لیئے کیا طریقہ مناسب ہے - اُن کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ شاعری کے رنگ روپ کے لیئے خزانۂ فطرت کا زیر بار احسان ہونا ضروری ہو ورنہ شعر پانی کی طرح پھیکے اور بیرنگ ہون گے - اگرچہ ہندؤن کی قدامت پرستی نے اپنی ہر چیز کو نامعلوم کے تاریک دھندلکے مین ایسا غائب کر دیا ہے کہ پتہ لگانا دشوار ہے لیکن دقیقہ سنجان یوروپ کا اتفاق ہو کہ جس قدر ہندو ڈراما فی الحال موجود ہین اُنمین مرچھ کٹیکا (کھیل کی گاڑی) سب سے قدیم ہے - یہ ڈراما شدرک راجہ اوجین سے منسوب ہے جس کی نسبت یہ تقریباً طے ہو چکا ہو کہ وہ پہلی یا دوسری صدی قبل مسیح مین گزرا ہے - یہ ناٹک علو خیالات پُرجوش جذبات - معرفت حقائق اور مطالعہ فطرت کے لحاظ سے اپنی آپ ہی نظیر ہے اور اُس زمانے کی طرز معاشرت پر ایسی تیز روشنی ڈالتی ہے کہ پوری تصویر

آنکھون کے سامنے آجاتی ہے۔ اس ناٹک کی خوبیان نہایت تفصیل سے بنگالہ کے مشہور عالم ڈاکٹر نشی کانت مرحوم نے دو لکچرون مین بیان کی ہے اور جن لوگون کو شوق ہو وہ اُن سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔ چونکہ مرچھ کٹیکا سب سے قدیم ناٹک ہے اس لیئے مناسب یہی ہے کہ انتخاب کی ابتدا بھی اُسی سے کی جائے۔ ہمنے موسمی مناسبت[1] سے ایک ایسا سین منتخب کیا ہے جسمین ابر و باران کا لُطف عجیب دلفریب پیرایہ مین دکھایا گیا ہے اور گو ہمارے اعمال کی بدولت اسوقت نسیم بہار کے بجائے بادِ سموم کالی گھٹاؤن کے بجائے گرد و غبار کی دل بادل نو کی بجائے انحطاط باران رحمت کے بجائے سیل فنا اور ساون کی خوشگوار تسکین بخش جھڑیون کے بجائے آگ سے زیادہ گرم اور تیر سے زیادہ تیز آفتاب کی شعاعین انسان وحیوان کو بیتاب کر رہی ہین لیکن مشہور ہے کہ اگر یار نہو تو ذکر یار ہی باعث تسکین ہوتا ہے اور اس لیئے کیا عجب ہے کہ تھکی ہوئی نگاہ کیلیے یہ گلزار صفحے ہی مرغزار کا کام دین۔ ناظرین ملاحظہ فرمائین گے کہ شُدرک نے برسات کے جنون خیز مناظر کی تصویر کیسے تیز قلم سے کھینچی ہے اور اُن کو دیکھ کر جو وحشت انگیز مگر دلکش جذبات پیدا ہوتے ہین اُن کا سمان کس خوبی سے دکھایا ہے۔ اس سین کے پوری طرح سمجھنے کے لیئے غالباً اس امر کا بتا دینا ضروری ہو کہ مرچھ کٹیکا کا ہیرو ایک نہایت نیک نفس اور شریف خاندان برہمن ہے جو اپنے فیاض ہاتھون کی بدولت مفلس ہو گیا ہے اور ہیروان[2] ایک دولت مند حسین شاہ بازاری وسنت سینا ہے جس کا دل اپنے فرقہ کے آئین کے خلاف محبت و وفا سے معمور ہے۔ وِیٹ مصاحب یا اتالیق کو کہتے ہین جس کو فن موسیقی مین خاص طور پر دخل ہوتا تھا۔ پس یہ سمجھنا چاہیئے کہ شام کا وقت ہے اور وسنت سینا وِیٹ کے ہمراہ اپنے محبوب چارودت کے یہان جا رہی ہے کہ راستے مین گھٹا اُٹھتی ہے اور مینھ برسنے لگتا ہے اور اُسی حالت مین اُسکے اور وِیٹ کے مابین یہ مکالمہ ہوتا ہے۔ اب شاعر کا کمال دیکھنا چاہیئے کہ اُسنے یہ دلربا منظر تین علیحدہ شخصون کی نگاہ سے دکھایا ہے جن کے دلون مین مختلف قسم کے جذبات موجزن ہین۔ سب سے پہلا تو وِیٹ ہے جو محض اوپری نگاہ سے دیکھتا ہے۔ دوسرے وسنت سینا جس کو اشتیاق وصال اپنے محبوب کے گھر کھینچے لیئے جا رہا ہے اور اس لیئے وہ اُسکو

[1] یہ مضمون گرمی کے موسم مین لکھا گیا تھا۔ [2] HEROINE

ایک عاشق مہجور کی نظر سے دیکھتی ہے تیسرے چار وقت جو ایک خوشدل کامیاب
عاشق کی حیثیت سے اُس پر نظر ڈالتا ہے۔ اب ذرا بادل کا ساز و سامان دیکھنا چاہیئے
کہ کیسی شان و شوکت سے قلۂ کوہ پر نمودار ہوتا ہے اور رعد کے نقارہ بجاتا اور بجلی کے
پھریرہ اُڑاتا فضائے عالم پر حملہ آور ہوتا اور ہاتھیون کی قطارون کی طرح بجلی کی زنجیرون
سے جکڑا ہوا مُنھ اُٹھائے نور کی جھڑیان برساتا و وحشی ہوا پر چلا جاتا ہے اور بخارات
کے اجتماع سے آسمان طوفانی سمندر معلوم ہونے لگتا ہے۔ اندھیرا اس بلا کا ہے
کہ بجلی کی چمک سے بقول ملٹن کے تاریکی اور گہری ہو جاتی اور دن رات مین تمیز
باقی نہین رہتی اور دُنیا فطرت کے اِن ہولناک مناظر سے دہشت زدہ ہوکر ابر کے
خوشگوار سایہ مین خواب راحت کے لیئے لیٹ جاتی ہے اور پانی جھم جھم برس کر
پوری دیتا ہے اور اُفق کی عجیب حالت ہے کہ کبھی بجلی سے دمک اُٹھتا اور کبھی قوس
قزح سے منور ہو جاتا ہے بادل کبھی سمٹتا ہے اور کبھی پھیلتا ہے اور کبھی دھوئین سے
بخارات سانپ کی طرح لہراتے ہوئے آسمان پر چڑھتے ہین۔ اگر بجلی کو دیکھو تو کبھی تو
وہ شاہد ہرجائی کی طرح مطلع آسمان پر ہر طرف گشت لگاتی پھرتی ہے اور کبھی فوج
ابر کے علم کے لیئے پھریرہ بنجاتی ہے کبھی آسمان کو مطلع انوار بناتی اور کبھی تاریکی کو اور گہرا
کر دیتی ہے کبھی فیل ابر کے لیئے زنجیر بنجاتی اور کبھی بھولے بھٹکون پر رحم کھا کر رہبری
کرنے لگتی ہے۔ اب اگر وسنت سینا کے دردمند دل سے پوچھو تو اُس کو ابر کے
گھٹا ٹوپ اندھیرے کا صرف یہ مقصد معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب کے وصال
سے محروم رہی اور بادلون کے ہاتھیون کی طرح جھومنے کی صرف یہ غرض ہے کہ
اُس کے حزن و ملال مین ترقی ہو گھنگھور گھٹا کی تاریکی ون کے نکلنے کے لیئے ہے اور
مینھ کی جھڑیان غریب دیمک کے ٹیلے نیست و نابود کرنے کے لیئے بیچاری چاندنی
بادلون کے پیچھے چھپ جاتی ہے اور غریب کی جورو کی طرح ڈرتے ڈرتے جھانکتی ہے
ستارون کا غائب ہونا اور تمام عالم پر تیرگی اور رطاری ہو جانا بادلون کا کبھی برسنا
کبھی چڑھنا اور کبھی اُترنا اور کبھی جھک کر زمین سے ملجانا کبھی گرج کر دھاڑنے لگنا
کبھی رو رو کر دریا بہانا اور کبھی آپ ہی آپ غصہ مین آکر چہرے کا سیاہ کر لینا مگر اشتیاق
وصال ایسی چیز نہین ہے کہ ان بلاؤن سے کوئی وفادار دل مرعوب ہو۔ بادل گرکے

بجلی کوندے آسمان پھٹ پڑے مگر پائے ثبات نہین ہل سکتے اور اگر ہلین گے تو آگے ہی بڑہین گے - اب کامیاب عاشق کو دیکھیے کہ اُس کے نزدیک مینھ کی بوندین آمد کے خزانہ کے دُر شاہوار ہین اور گھٹائین کالی نہین ہین بلکہ کسی کی آمد آمد کے انتظار مین سیاہ غازہ ملکر آراستہ ہوئی ہین اور بجلی کی ادائین محض معشوقانہ ہین - خوشی کچھ ایسی چیز ہے کہ ابھی جو چیزین بھیانک معلوم ہو رہی تھین وہی اب دلفریب نظر آرہی ہین بلکہ پریشانی بھی خود سمٹ سمٹا کر جمعیت کی شکل مین نمودار ہوتی ہے -

اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ انسان کو چھوڑکر حیوانات پر ان ہیبتناک مگر جانفزا مناظر کا کیا اثر پڑتا ہے - مورنیان بادل کی گرج سُنتے ہی بیدار ہو کر دیوانہ وار دوڑنے لگتی ہین - اور مینڈک خوش خوش آب زلال سے پیاس بجھاتے ہین - سارس کی چیخین طنبورہ کی نغم افزا گتین معلوم ہوتی ہین اور بگلون کی قطارین کبھی تو سیاہ ابر کو سفید بنادیتی ہین کبھی فیل ابر کا سر بند اور کبھی آسمان کے ہنسنے کے لیئے دانت بنجاتی ہین - کالی گھٹاؤن کا خیر مقدم ہر پرند اپنے خاص جذبات کے لحاظ سے کرتا ہے - مورنیان تو چیخین مار مار کر خوشیان مناتی ہین اور بگلے اُس کے دامنون سے لپٹ لپٹ کر دل کے ارمان نکالتے ہین مگر دور اندیش مرغابیان فکر و تردد کی نگاہ سے دیکھتی ہین - اگرچہ یہ مناظر خود اس قدر دلفریب ہین کہ کسی زرنگار چوکھٹے کی ضرورت نہ تھی لیکن ہمارے شاعر نے ہر ایک منظر کو برجستہ تشبیہات اور برموقع تشبیہات سے خانۂ دل مین نگینہ کی طرح جڑدیا ہے - چونکہ ناظرین یہ تماشہ خود سُدرک کی نگاہ سے دیکھنے کیلئے بیقرار ہون گے اس لیئے یہین ختم کلام ہے -

وسنت - بی بی سامنے پہاڑ کی چوٹی پر کسی پیاسے بچھڑے دکھیارے کے دل کی طرح کالی گھٹائین اُمنڈ رہی ہین اُنکی گرج نے مور مورنیون کو بیدار کر دیا ہے جنکے پھڑ پھڑا کر اُڑنے سے آسمان کے بیچ ایک ایسا تلاطم برپا ہوگیا ہے کہ گویا ہزارون مرصع رنگ برنگ کے جواہرات سے جگمگاتے ہوئے پنکھے جھلے جا رہے ہین - ٹروا سی مینڈک آب باران کے شفاف قطرے جو اُن کے منھ مین اُن کے کیچڑ سے سنے بچون کو دھوتے ہوئے جاتے ہین مزے سے چوس رہے ہین - مورنیان جوش مسرت سے پیہو پیہو کرتی پھرتی ہین اور نیب کی تازہ کلیان جنکی پڑتی ہین یہ دال

دوان اندھیرے نے چاند کو ایسا گم کر دیا ہے جیسے ریاکار اپنی شرمناک زندگی کو تقدس کے جامہ مین چھپا لیا کرتے ہین ۔ بجلی کسی حُسن فروش مہ جبین کی طرح جس کی نیکنامی تلوّن اور ہرجائی پن کی نذر ہو چکی ہو ایک جگہ دم بھر نہین ٹھہرتی بلکہ آسمان پہ تڑپتی پھرتی ہے۔

وسنت سینا۔ واہ کیا کہنے ۔ مگر مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سوا اسی رات جو اندھیرے کے ساتھ مزے اُڑانے مین مصروف ہے مجھے اپنی سوکن سمجھکر دور ہی سے روک رہی اور جھلّا جھلّا کر لوٹا رہی ہے کہ مین کہین اُس کے عیش مین مخل نہون۔

وِیٹ۔ تو تم بھی اُسکو ذرا کڑک کر جواب دو اور لعن طعن کر کے راہ پر لے آؤ۔

وسنت سینا۔ لعن طعن تو ہمارے فرقہ کا زیور ہے لیکن یہان کچھ نہین چلتی۔ لیکن ہان امین اُسکی پرواہ کرون تو کیون ۔ اِلا سے بدلیان پھٹ پڑین بادل گرجین اور مطلع آسمان سے بان پربان دہکتے ہوئے گرین مگر وہ جری عورت جس کا سینہ عشق و وفا سے معمور ہے کبھی پیچھے نہین ہٹ سکتی اُسکا قدم آگے ہی بڑھتا چلا جائیگا خواہ جنون خیز طوفان کیسی ہی بلائین نازل کرے۔

وِیٹ۔ یہ ابر کا بڑا ٹکڑا کسی حملہ آور راجہ کی طرح جو اپنے مغلوب دشمن کے دارالسلطنت مین دربار کرنیکے لیئے جا رہا ہو ہوا کی فوج جھڑیون کے نوکدار تیرون اور بجلی کی جگمگ کرتی جھنڈیون کے ساتھ رات کے راجہ پر خود اُس کے آسمانی قلعہ مین حملہ کرنیکے لیے بڑھ رہا ہے۔

وسنت سینا۔ نہین نہین ایسا نہین ہے ۔ مین خوب سمجھتی ہون کہ یہ دھوا ندھار بادل جو کبھی بیڈول ہاتھیون کی طرح اپنی بھاری لاشین سنبھالے جھومتے جھامتے بڑبڑاتے چلتے ہین اور کبھی بگلون کے منڈلاتے قطارون سے سفید سے معلوم ہونے لگتے ہین دل کو غم کا سبق دینے کے لیئے اُٹھے ہین ۔ سارس کی تیز چیخین طنبورہ کے دلسوز ٹھیکون کا کام کر رہی ہین جس پر کسی ہجر کی ماری دکھیاری کی انگلیان جس کا دل اپنے پیا کے پردیس سے واپس آنے مین پڑا ہو تھاپ لگا رہی ہون اور ہر سُریلی گت جو موسم برسات کا خیر مقدم کرتی ہو اُس کے لئے ترکہ پاش

جراحتِ دل ہو۔

ویٹ۔ دیکھو وہ سامنے گرانڈیل بادل ہاتھی کی طرح مُنھ اُٹھائے کھڑا ہے اور بگلون کی سفید قطارین اُس کے سر بند باندھ رہی اور بجلی کوندکوند کر سر پیچ پور کر دی ہے۔

وسنت سینا۔ کیا خوب۔ دیکھا یہ گھنگھور اندھیرا جو سیاہی مین تار کے تربتر پتون کو مات کر رہا ہے دن کو کیسا صاف نکل گیا اور وہ دیکھو سامنے دیمک کے ٹیلے مینھ کی جھڑیون سے دب دبا کر اُسی طرح غائب ہوتے جارہے ہین جیسے میدانِ جنگ سے تفرٹ والے ہاتھی تیرون کی بوچھار سے دُم دبا کر چُپکے سے کھسک جایا کرتے ہین۔ بیقرار بجلی ہر طرف مندرون کی طلائی قندیلون کی طرح پرنور شعاعین پھیلا رہی ہے اور ڈرپوک چاندنی غریب کی جورو کیطرح بادلون کے پیچھے سے ڈری کانپتی جھانک رہی ہے۔

ویٹ۔ دیکھو وہ بدلیان ہاتھیون کی قطارون کی طرح بجلی کی چمکدار رسیون مین جکڑی اپنے عظیم الشان مالک کے احکام کی تعمیل مین خرامان خرامان جارہی ہین اور ایک چاندی کی زنجیر سی آسمان سے زمین تک لٹک رہی ہے نیلی فلک کے متحرک جسم سے جو بادِ بہاری کے ہلکے جھونکون سے ہم آغوش ہوکر پھولا نہین سماتا اور بجلی کے نشترون سے کف بہ ہان ہے۔ تیز جھڑیان ہیرے کی آنیوالے تیرون کی طرح گر رہی اور سطحِ زمین مین جو گلہائے رنگ رنگ سے مزین اور سوندھی سوندھی خوشبوؤن سے مہک رہا ہے گھسی جاتی ہے۔ طوفان نے آسمان کا بعینہٖ ایسا نقشہ بنا دیا ہے کہ گویا سمندر کی تاریک موجین تلاطم سے تنگ آکر اُچھل اُچھل کر اپنا چمکتا ہوا سر ساحل سے ٹکرا رہی ہین۔

وسنت سینا۔ دیکھو سامنے وہ گھنگھور گھٹا دھمکیان دیتی ہوئی اُٹھی جس سے تمام زمین و آسمان تیرہ و تار ہو گیا۔ کیا لطف ہے کہ مورنیان چیخ چیخ کر اُسکا خیر مقدم کر رہی ہین اور خوش طبع بگلے جوشِ مسرت سے اُسکے دامنون سے لپٹے جارہے ہین مگر دور اندیش مرغابیان اُس پر فکر و تردد سے نظر جمائے ہوئے ہین۔

وِٹ - آسمان اپنا چہرہ اندھیرے کی نقاب میں چھپائے ہوئے ہے جس کو بجلی کی تڑپ بھی مشکل ہٹا سکتی ہے۔ دن اور رات بدحواس سے ہو کر ایک ہو گئے ہیں اور اُن کی کنول سی آنکھیں خوف کے مارے بند ہوئی جاتی ہیں۔ گویا کہ دُنیا بادلوں کے خوشگوار سایہ میں جو آسمان کے کونے کونے پر چھا گئے ہیں سونے کے لئے بستر استراحت پر دراز ہے اور مینھ کے برسنے کی جھینی جھینی آواز لوری دے رہی ہے

وسنت سینا - سارے ستارے اس طرح غائب ہو گئے جیسے خبیث باطن لوگوں کے دل سے احسان کی یاد۔ مطلع آسمان نور سے اُسی طرح عاری ہو رہا ہے جیسے شوہر کی غیر حاضری میں عورت کے چہرے سے رونق اُڑ جاتی ہے۔ درحقیقت ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ آسمان کوئی دم میں گھل کر بہ جائے گا کیونکہ وہ اِندر کے جان سوز بانوں سے گھل گھل کر پُرشور سیلابوں میں جو کہنے کا نام نہیں جانتے اُمنڈ رہا ہے۔ کبھی بادل چڑھتے ہیں اور کبھی اُترتے ہیں اور کبھی جھک کر زمین سے لگ جاتے ہیں اور کبھی گرج گرج کر دھاڑنے لگتے ہیں اور کبھی برس کر دریا بہاتے ہیں اور کبھی غصہ میں آکر چہرہ سیاہ کر لیتے ہیں۔

وِٹ - کبھی آسمان بجلی سے دمکنے لگتا ہے اور کبھی سفید بگلوں کی قطاروں کے دانت نکال کر ہنستا ہے۔ کبھی اِندر کے سو تیروں والی (قوس قزح) سے جگمگا اُٹھتا ہے اور کبھی اس کے دہکتے ہوئے بانوں کی زد (بجلی) سے کڑکنے لگتا ہے۔ کبھی طوفانی ہوا اُن کے تیز جھونکوں سے گھبرا کر لڑ بیٹھتا ہے اور کبھی سمٹتے ہوئے بادلوں سے جو کالے ناگوں کی طرح لہراتے بل کھاتے چلے جا رہے ہیں گھنگھور گھٹا کی شکل میں اُن دھوؤن کا سرمئی لباس زیب بدن کئے جو اُس وقت اُفق پر چھا جایا کرتے ہیں جبکہ خوشبوؤں کے معطر بخور آسمان پر پیچ در پیچ زنجیر بناتے ہوئے چڑھتے ہیں۔

وسنت سینا - اے بادل تیرا بُرا ہو تو مجھے کیوں کڑک کڑک کر دھمکیاں دے رہا ہے اور اپنے آبی تیروں سے کس لئے میرا راستہ روک رہا ہے حالانکہ میں اپنے محبوب کے پاس جا رہی ہوں۔ اے اِندر سچ بتا میں نے کب تجھ سے عہد شکنی کی تھی کہ تو گرج گرج کر طعنے دے رہا ہے۔ تجھے تو میری راہ میں حائل ہونا زیبا نہیں ہے اے اِندر اگر کبھی تیرا دل لذت آشنائے اُلفت ہوا ہے اور کبھی تو اہلیہ کے شوہر

کی شکل مین نمودار ہوا ہے تو میرے جذبات دل پر ترس کھا کے اپنے بادل ہٹا لے
لیکن خیر اگر تیری یہی مرضی ہے تو شور مچائے موسلا دھار سیلاب برسائے اور اپنا
سوبان دالا گزر چلائے جا۔ لیکن سب بے فائدہ ہے۔ تو کبھی اُس وفادار مہ جبین
کا دامن نہین پکڑ سکتا جو اپنے محبوب کے آغوش محبت مین خوف سے نجات پانے کی غرض
مین چلی جا رہی ہے۔ اگر تو گرج رہا ہے تو بلا سے گرجا کر کیون کہ یہی تیری فطرت
کا تقاضا اور ظلم ہے۔ تیری طبیعت کا خاصہ ہے مگر او نرم دل بجلی تو کیون کر اُن
جذبات سے آشنا ہو گئی جو عورتون کے سینون مین تلاطم برپا کیا کرتے ہین۔

وِٹ ۔ بس بس آخر کار بجلی راہ پر آ گئی دیکھو وہ اُس روشن چراغ کے مانند جو
اندر کے محل مین جھلملا رہا ہو یا اُس سفید جھنڈی کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی پر ہوا مین
لہرا رہی ہو یا سنہری ڈوریون کے مثل جو ایراوت[1] کے سینہ پر نمایان ہون چمک
چمک کر تمھارے محبوب کے مکان کا راستہ بتا رہی ہے۔

اسکے بعد وسنت سنیا اپنے عاشق چارودت کے مکان پر پہونچ جاتی ہے
اور چونکہ پانی کا برسنا موقوف ہو گیا اور بھینی بھینی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے عاشق و
معشوق خانہ باغ کے ایک کونے مین بیٹھکر لطف صحبت اُٹھاتے ہین کہ اتنے مین پھر
بوندین ٹپاٹپ گرنے لگتی ہین اور چارودت کا دوست میتر جو کسی قدر
فاصلہ سے بیٹھا ہوا ہے کہتا ہے۔

"دوست دیکھو بادل پھر سمٹ سمٹ کر جمع ہو رہے ہین اور بڑی بڑی بوندین
یہان سے اُٹھنے کا تقاضا کر رہی ہین۔

چارودت ۔ سچ ہے پانی کی بوندین چھریرے بادلون مین اُسی طرح گھسی
جا رہی ہین جیسے کنول کی ڈنڈیان شاپ شپ کیچڑ مین در آتی ہین اور اب پھر آسمان
کی آنکھون سے جو چاند کے ہجر مین بیقرار ہے آنسو جو کسی عالم کے معلوم ہوتے ہین
ٹپک رہے ہین۔ بادل بلدیو[2] کی طرح سیاہ لباس پہنے اندر کے خزانے سے خوش آب
موتیون کی لڑیان برسا رہا ہے اور ٹھنڈی بوندین جو رشیون کے دل کی طرح صاف و
شفاف ہین ایسی تیز تیز کڑکتی کھڑ تالی گر رہی ہین جیسے آتشین مزاج آدمی کے

---

[1] ایراوت۔ اندر کے ہاتھی کا نام ہے۔ [2] بلدیو۔ بلرام کا نام جو سری کرشن جی کے بھائی تھے۔

ترکش سے تیر۔ بی بی دیکھو آسمان اپنے چہرے پر تاڑ کے سیاہ پتون کا غازہ ملکر اور بادِ بہاری کے تازگی بخش جھونکون کے معطر پنکھون کی ہوا کھا کر بجلی کے ساتھ جو بخوف اپنے محبوب کی طرف بڑھی چلی جا رہی ہے کیسی گرمجوشی سے بغلگیر ہوتا ہے (وسنت سنیا بجلی کے کوندنے سے ڈر کر چارودت کی چھاتی سے لپٹ جاتی ہے) چارودت (سینہ سے لگاکر) اے بادلو اگرچہ بلکہ اور بھی زور شور سے گرجو تمھارے بے سُرے بھیانک راگ مین بھی مجھے نغمۂ دلفریب کا لطف آرہا ہے کیونکہ تمھاری ہی بدولت مجھے یہ دن نصیب ہوا اور میرا دل اُمیدِ وصال سے سیراب ہوا۔

(گویا کہ بادل سے مخاطب ہوکر) اُو کالے منھ کے خبیث تو بھی بڑا ہی بدمعاش ہے کہ میری مخدومہ کو اپنی بجلیان کوندا کر ڈرا دیا۔

چارودت۔ لعن طعن کا موقع نہین ہے پانی برستا ہے تو برسنے دو کیونکہ آسمان ابھی تک منھ چڑہائے ہوئے ہے اور بجلی تڑپ تڑپ کر ہر طرف سیکڑون شعلے مشتعل کر رہی ہے۔ بادلون نے حقیقت مین مجھپر عجیب احسان کیا ہے کہ مجھے اپنے من موہن سے ملادیا جس کے فراق مین بیقرار تھا۔ خوش نصیب بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ وہ لوگ ہین جن کے گھرون کی چاردیواریان اُس بتِ شیرین کام کی موجودگی سے منور ہون جس کی پوجا اُن کا ایمان ہے یا جن کے دستِ شوق اُن کے کپکپاتے جوبن کو اپنے گرم سینہ سے چپٹا سکین۔ دیکھ پیاری آسمان پہ اندر کی کمان جوان ہاتھون کی طرح تنی ہوئی ہے جو کھیلتے کھیلتے تھک گئے ہون محراب بنا رہی ہے آسمان انگڑائیان لے لے کر اپنی بجلی کی زبان نکال اور ابر کی ٹھوڑی لٹکا رہا ہے اور یہ سب چیزین ہمکو بھی زبانِ حال سے آرام لینے کا اشارہ کر رہی ہین پس چلو سو رہین۔ مینھ کی بوندین عجیب سُریلے پن سے گر رہی اور تاڑ کے پتون پر ٹپک اور زمین کے سنگریزون سے ٹکرا اور بہتے چشمون مین ایسی خوش آئند سُر پیدا کر رہی ہے جیسے کسی اچھے گلے یا بین سے نکلتے ہین۔

اعتبار

دُنیا گزشتنی و گزاشتنی ہے اور اگر کوئی شے خارزار ہستی کو آسانی سے
گزر جانیکے قابل بناتی ہو تو وہ اعتبار ہے۔ در اصل ہمارا تعلق اعتبار کے ساتھ
اسقدر قوی ہے کہ بغیر اعتبار کے ایک لحظہ ایک آن آسائش سے زندگی بسر
نہین کر سکتے راحت و اطمینان قلب کی تلاش مین ہم جس طرف بھی جاتے
ہین اعتبار ہی اعتبار نظر آتا ہے۔ فطرت انسانی پر اگر بایک نظر سے غور کیا جائے
تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان جب پیدا ہوتا ہو تو ہمہ تن اعتبار ہوتا ہے اور اُس کی
بدولت دُنیا اُس کو ایک سبز باغ معلوم ہوتی ہے اور ہر چیز سے خواہ وہ ضرر
رسان ہی کیون نہو امید و اطمینان کی جھلکی نظر آتی ہے۔ اسی کا نام بچپن کی
بھولی بھالی سادگی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اُس کے پاک صاف سیدھے سادھے
دل کو زنگ معصیت سے محفوظ رکھکر معصومیت کا نورانی حلہ پہناتی ہے۔ اُس کا
ہر شخص کو دیکھکر پیار سے مسکرا دینا ہر شے کے پکڑنے کے لیئے ننھے ننھے ہاتھ پھیلانا
اور ہر چیز کا لقمہ بنانے کے لیئے مُنہ کھولکر لپکنا اُسی زیادتی اعتبار کے شواہد ہین۔
لیکن جب وہ وادی حیات مین آگے قدم بڑھاتا ہے تو بہت جلد اس راہ کی
دشوار گزار صعوبتین اُس پر ثابت کر دیتی ہین کہ ہر چمکدار شے طلائے خالص
نہین ہو اور نہ ہر سبزۂ خوابیدہ تازگی بخش روح ہے۔ بلکہ اکثر اُس مین سانپ بچھو
انسان کی گھات مین چھپے ہوئے بیٹھے رہتے ہین۔ پس ایسی حالت مین اگرچہ اس
وحشت خیز تجربہ کا ابتدا مین یہ میلان ہوتا ہے کہ انسان اپنے سایہ سے بھی ڈرنے
لگے لیکن اگر اُس کا دل قوی اور اُسکے جذبات کی رہبری کے لیئے صحیح اصول
تربیت موجود ہوتے ہین تو اُس کو بہت جلد کھوٹے کھرے مین تمیز اور معلوم ہو جاتا ہے

کہ انسان کھانے پینے اُٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے کام کاج غرضکہ ہر چیز مین دوسرون
کی مدد کا محتاج ہی اور وہ اُس کو بغیر اعتبار کے حاصل نہین ہو سکتی۔ برخلاف
اسکے اگر وہ جماعت انسانی کی ابتدائی حالت مین ہوتا ہی تو محض بیدست و پا
بنکر رہجاتا ہی۔ چنانچہ وحشی اقوام کی حالت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جو چیز انکی
سادہ زندگی کو مصدر آرام بنانے کیلئے ہی وہ اسی اعتبار کی غیر موجودگی ہے اور
اسیکی بدولت اُن کو کھانا بھی نصیب ہوتا ہی جب خود اپنے ہاتھ سے نکالتے ہین کپڑا
وہی پہنتے ہین جو خود اُن کی کم مایہ صنعت یا دوادوش کا نتیجہ ہوتا ہی اور دن
کی صعوبتون کے بعد رات کو بھی اُن کو آرام نہین ملتا ہر وقت اُن کی آنکھین
دروازہ کی طرف لگی رہتی ہین کہ کہین کوئی آکر گلا نہ دبا دے۔ غرضکہ اسی قسم
کی کشمکش سے تنگ آکر انسان کو اعتبار کا بھولا ہوا سبق از سرنو یاد کرنیکی ضرورت
محسوس ہوتی ہی جو رفتہ رفتہ اُسکی رہبری میدان تمدن تک کرتی ہی۔ اگرچہ فطرت
نے یہ بے بہا خزانہ ہمکو بے مانگے عطا کیا ہی لیکن ہم ناقدری سے اُسکو کھو دیتے ہین
اور پھر سخت زحمتین اُٹھانے اور محنتین جھیلنے کے بعد ساحل مراد پر پہونچتے ہین۔
کشمکش حیات مین ثابت قدم رہنے کیلئے سب سے پہلے ہمکو خود اپنی قوائے
ذہنی و خارجی پر اعتبار حاصل کرنا پڑتا ہے اور اس منزل کے طے ہونیکے بعد
استقلال و جرأت و ہمت و خلوص و مردانگی و راست بازی کی بنیاد پڑتی ہی
جسکے بغیر کارزار ہستی مین کامیابی کی اُمید موہوم ہی۔ کیونکہ انسانی ترقی کا اصلی
راز خود اپنے اوپر اعتبار کا پیدا ہونا ہی یہ ایک قدیم مقولہ ہی کہ اعتبار اعتبار ہی سے پیدا ہوتا ہی گویا کہ اعتبار ایک ایسا عجیب درخت ہے
کہ جس کا بیج بھی اعتبار ہی جس کی آبیاری بھی اعتبار ہی سے ہوتی ہی اور جس کا
پھل پھول بھی اعتبار ہوتا ہی اور سوائے اعتبار کے کچھ نہین ہوتا۔ پس جبکہ ہم کو
ایک مرتبہ خود اپنے اوپر اعتبار پیدا ہو گیا تو پھر اپنے بنی نوع پر بھی اعتبار حاصل ہونا دشوار
نہین ہوتا۔ بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ کہہ سکتے ہین کہ جہان اپنے اوپر اعتبار ہوا جمادات
و نباتات و حیوانات غرضکہ تمام کارخانۂ فطرت اور اُسکے بنائے ہوئے قوانین
پر بھی اعتبار پیدا ہو جاتا ہی اور وہان سے ترقی کرکے کارکن فطرت تک بھی رسائی
ہو جاتی ہی۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ اعتبار ہی سے اُس پاک روحانی

خلوص کی بنیاد پڑتی ہی جو دونون کو ایک کرکے اس عالم کے دائمی جھگڑون
اور زحمتون سے نجات دیکر ایک ایسے عالم بالا مین پہونچا دیتا ہے جہان ہر طرف
امن و راحت کی خوشگوار نسیم تازگی بخش روح ہوتی ہے۔ اگر در اصل کوئی
شئے مصائب و آلام دنیوی کو قابل برداشت بناتی اور ظلمات حیات کو آفتاب
اطمینان سے منور کرتی ہی تو وہ دوستی ہی اور دوستی بغیر اعتبار کے نہ پیدا ہو سکتی ہو
اور نہ قائم رہ سکتی ہی۔ قناعت جو انسان کی مطمح نظر کو اسقدر بلند کر دیتی ہے کہ وہ
زندگی کے روزانہ مخمصون سے آزاد ہوکر سکون و راحت دائمی سے ہم کنار ہوتا ہے
اُسکا جزو اعظم بھی اعتبار ہی ہی کیونکہ قناعت قادر مطلق پر بھروسہ یا اعتبار ہونے کا
دوسرا نام ہے۔ جب یہ پاک اعتبار بچپن کی ابتدائی سادگی کیطرح ہمارے ہر
قول و فعل پر مسلط ہو جاتا ہی تو ہمکو درجۂ ولایت پر پہونچا دیتا ہے۔ مختصر یہ ہے
کہ اگر اعتبار ہمارا رفیق طریق نہو تو ہم نہ دُنیا کے کام کے ہین اور نہ دین کے۔
اور ہماری وہی مثل ہوتی ہی خسر الدنیا والاخرۃ اسمین شک نہین کہ اگر اعتبار
کی زیادتی کا میلان ملاء اعلیٰ کی طرف ہو تو وہ ذریعۂ نجات و ترقی مدارج ہی لیکن اگر
اُسکا رجحان اسفل یعنی دُنیا اور اہل دُنیا کی طرف ہو تو باعث جہالت اولیٰ ہی۔ بے سمجھے
بوجھے ہر شخص اور ہر شئے پر اعتبار کر لینا اس امر کی دلیل ہے کہ انسان تجربۂ دنیوی
سے فائدہ نہ اٹھا کر اپنی ابتدائی سادگی پر قائم ہے جس کا نام دوسرے الفاظ
مین حماقت ہی اور وہ اُسکی بدولت ہمیشہ بازیچۂ مکر و فریب بنا رہتا ہے اسیطرح
اعتبار کی کمی انسان کو متلوّن المزاج بناکر نامردی کے قریب پہونچا دیتی ہے
جسکی وجہ سے بالآخر وہ دغاباز کے شرمناک لقب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

پس مبارک ہین وہ لوگ جو کاروبار زندگی مین کمی و زیادتی سے بچکر
جادۂ اعتدال اختیار کرین کیونکہ وہی منزل مقصود کا سیدھا راستہ ہے۔ فقط

سراپائے حُسن

یون تو حُسن کا لفظ ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا ہی اور دن مین کم سے کم سو بار مُنہ سے نکلتا ہی لیکن اگر یہ پوچھو کہ حُسن کیا چیز ہی اور اُس کے اجزائے ترکیبی کیا ہین تو شاید بڑے سے بڑے فلسفی بھی جواب نہ دیسکین۔ اتنا ضرور ہی کہ ہر شخص کے دلمین ایک خاص تصوّر حُسن کا موجود ہے لیکن اگر کسی ایک شخص کے خیالات کا دوسرے سے مقابلہ کیا جائے تو بجائے اتحاد کے اختلاف کا رنگ زیادہ نظر آئیگا اور پھر اگر تھوڑی دیر کے لیئے مطمح نظر کو وسیع کر کے ایک قوم کے خیالات کا مقابلہ دوسری قوم سے کیا جائے تو اور بھی تعجب ہوتا ہی کہ جس چیز کو ایک قوم سرمایۂ حُسن سمجھتی ہی وہی دوسری قوم کے نزدیک عین بدصورتی مین داخل ہے۔ ہمارے نزدیک صباحت حسن صورت کا لازمی جزو ہے لیکن اہل حبش کو اسمین میر وصیت کا جلوہ نظر آتا ہی۔ دانتون کا موتیون کی طرح چمکنا ہمارے نزدیک مستحسن ہی لیکن اہل جاپان سانپ جیسے کالے دانت پسند کرتے ہین۔ سُتوان ناک ہم کو بھلی معلوم ہوتی ہی مگر اہل چین چپٹی ناک پر جان دیتے ہین۔ غرضکہ جب یہ خیال کیا جاتا ہی کہ مختلف اشخاص اور مختلف قومین ایک ہی چیز کو کس کس نظر سے دیکھتی ہین تو سخت حیرت ہوتی ہے اور کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ دراصل حُسن کوئی چیز ہے بھی کہ نہین۔

اس کے علاوہ گو یہ صحیح ہی کہ ہر شخص کے دل مین ایک خاص تصوّر حُسن کا جو کچھ تو وجدان صحیح کا نتیجہ ہوتا ہی اور کچھ تربیت اور کچھ ماحول کا موجود ہے لیکن اگر کسی سے یہ درخواست کی جائے کہ اپنی شبیہ ذہنی کا عکس الفاظ مین اُتارے تو سوائے سر عجز جھکا لینے کے کوئی جواب نہ ملیگا۔ انہی مشکلات کی وجہ سے ابتدا ہے

حُسن کی توصیف کے لیئے دو طریقے اختیار کیئے گئے ہین جن مین سے ایک کو داخلی اور دوسرے کو خارجی کہا جا سکتا ہی۔ داخلی تو یہ ہی کہ اُس خاص اثر کی توضیح کیجائے جو قلب انسانی پر حُسن کے سایہ افگن ہونے سے پیدا ہوتا ہی۔ اور خارجی یہ ہی کہ حُسن کی تعریف یا توصفات ذاتی و عرضی کی تصریح سے کی جائے یا یہ ہو کہ مثال کے ذریعے سے اُس کا تصور ذہن انسانی مین قائم کیا جائے۔ اس لحاظ سے خارجی کی بھی دو قسمین ہوئین ایک تشریحی اور دوسری تشبیہی۔ لیکن اِن دونون طریقون سے بھی حُسن کی حقیقت تک رسائی نہین ہو سکتی کیونکہ کسی شئے کی صفات ذاتی کا دریافت کرنا نہایت ہی دقت طلب کام ہی اور ظاہر ہے کہ خود صفات عرضی کی تصریح تعریف کے لئے کافی نہین ہو سکتی اور یہی کیفیت مثال کی بھی ہے۔ پس اِن دونون طریقون سے بھی اگر کچھ ہوتا ہی تو صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ ایک پیکر خیالی عالم وجود مین آجاتی ہی جس کی دلفریبی کا اندازہ ہم اُسی شبیہہ ذہنی یا دوسرے الفاظ مین آئیڈیل یعنی مثالیہ کے مقابلے سے کیا کرتے ہین جو پہلے سے ہمارے دلمین موجود ہوتا ہی اور جسقدر وہ پیکر ہمارے مثالیہ سے ملتی جلتی ہوتی ہے اُسیقدر ہم اُسکو حسین سمجھتے ہین۔

عالم خارجی مین حسن کی دیبی کے پوجاری جو دل و جان سے اُس پر فدا ہین اور شب و روز اُس کے پوشیدہ رازون کی تہ کو پہونچنے کی فکر مین رہتے ہین دو ہین نقاش اور شاعر اور انہی کی کوچی اور قلم فطرت کے حُسن لازوال کی دلربائیون پر جذبات انسانی کا رنگ و روغن چڑھا کر ما و شما کو آشنا کرتا ہے۔ نقاش کا تعلق محسوسات عن الخارج سے ہے اور شاعر کا محسوسات باطنی سے نقاش حواس ظاہری کے ذریعے سے براہ راست قوائے باطنی کو گرویدہ کر کے انسان کو رازداری فطرت مین شریک کرتا ہے۔ برخلاف اُس کے شاعر محسوسات باطنی کو الفاظ مین مقید کر کے حواس خارجی پر اثر ڈالتا ہے اور چونکہ اُسکی کل کائنات الفاظ ہین اور الفاظ بھی وہ جن کے معنے اُسکے اختیار سے خارج ہین اس لیئے گو بظاہر اُس کا کام آسان معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت نہایت مشکل ہی۔ نقاش کا یہ کام ہے کہ نقل کے ذریعے سے بواسطہ حواس ظاہری

اصل کی طرف انسان کا ذہن منتقل کرے ۔ اور شاعر کا یہ فرض منصبی ہے کہ الفاظ
کے ذریعے سے جو سنتا ہو اس باطنی ایک ایسا پیکر خیالی عالم وجود مین لائے کہ مقصود
دونون کا ایک ہی ہے کہ فطرت کے پوشیدہ رازون مین شریک ہو کر ایسا کمال
بہم پہنچائے کہ انسان آن کی آن مین اس عالم مین بیٹھے بیٹھے کسی اور عالم کی
سیر کرے ۔ نقاش کو حسن کی تصویر کھینچنے مین کسی مادّی نمونے کی ضرورت ہوتی
ہے گو کہ اُسکو اپنی مثالیہ کے مطابق بنانے کے لئے بہت کچھ رنگ و روغن دینے کی
ضرورت ہوتی لیکن شاعر کا میدان اس سے بہت زیادہ وسیع ہے اُس کو خدوخال
کے کھینچنے کے لئے کسی مادّی نمونے کی ضرورت نہین ہوتی ہے بلکہ وہ خود اپنے
تصورات ذہنی سے مدد لیا کرتا ہے ۔

یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حسن کی توصیف کے دو طریقے ہین داخلی و خارجی
اور یہ ظاہر ہے کہ جو لطافت اور حیا دو طریقہ داخلی مین ہے وہ خارجی مین نہین ہے کیونکہ
اُسکے ذریعے سے کوئی خاص پیکر خیالی پہلے سے تیار کرکے ذہن کے سامنے نہین
لائی جاتی بلکہ صرف ایک خیال بطور ہیولی کے ذہن مین پیدا کر دیا جاتا ہے اور
اُس کے خدوخال کے قائم کرنے مین قوت متخیلہ کو پوری آزادی رہتی ہے اور
اس لئے ہر شخص کو اسمین پورا لطف آتا ہے کیونکہ وہ اُس مین خود اپنی ہی مثالیہ کی
تصویر دیکھتا ہے ۔ برخلاف اُس کے طریقہ خارجی مین ایک خاص پیکر خیالی ذہن
انسانی کے سامنے لائی جاتی ہے اور اس لئے قوت متخیلہ کو گلکاری کے لئے اتنا
کھلا میدان نہین ملتا اور اسی وجہ سے اس طریقہ مین بھی کمال یہی ہے کہ صراحت
کی نسبت کنایہ سے زیادہ کام لیا جائے تاکہ ہر شخص کی تخیل کو اس امر کا موقع ملے
کہ اپنے مذاق کے مطابق رنگ آمیزی کرکے اُس پیکر کو اپنی مثالیہ کے مطابق
بنالے ۔

اہل یونان نے جو کمال فنون لطیفہ مین پیدا کیا وہ محتاج تشریح نہین ہے
اور اسی وجہ سے اُن کو ابتداء ہی مین توصیف حسن کے طریقہ داخلی تک
رسائی پیدا کرنے مین کامیابی ہوئی چنانچہ اُن کے سب سے قدیم اور سب سے بڑے
شاعر ہومر نے ہیلین کی تصویر کھینچنے مین جس کے حسن عالم سوز نے تمام دنیا مین

تہلکہ مچا دیا تھا اور یورپ اور ایشیا کو دس سال تک جنگ مین مصروف رکھا
اسی طریقے سے کام لیا ہو۔ یہ لطافت بیان قابل ملاحظہ ہو کہ یونانی اپنے وطن سے
دور شہر ٹرائی کا محاصرہ کئے نو سال سے پڑے ہین اور سخت مقابلے کی وجہ سے نہایت
پریشان ہوگئے ہین اور ادھر اہل ٹرائی کی حالت اس طول و طویل محاصرہ کی بدولت
نہایت خراب ہو رہی ہو اور آخرکار دونون ان بے پناہ مصیبتون سے نجات
پانے کے لئے یہ تدبیر سوچتے ہین کہ یونانیون کی طرف سے مینی لاؤس جو ہیلین کا شوہر
ہے اور اہل ٹرائی کی طرف سے پیرس جو اسکو اڑا کر لا یا تھا آپس مین لڑ کر فیصلہ کرلین
اور اس عجیب و غریب جنگ کا تماشا دیکھنے کے لئے ادھر شاہ اگمیمن یونانی فوج کو
لئے میدان جنگ مین کھڑا ہو اور ادھر شاہ پرائم اپنے تجربہ کار ضعیف العمر ندیمون
اور مشیرون کے ساتھ شہر ٹرائی کی فصیل کے ایک برج پر بیٹھا ہو اور یہ عبرت انگیز
سمان دیکھ کر ہر شخص کے دل مین بے اختیار یہ خیال آرہا ہو کہ ایک بے وفا عورت
کی خاطر ناحق اتنے لوگون نے جان دی اور ایسی سخت مصیبتین جھیلی پڑین کہ دفعتاً
ہیلین شعلہ برق کی طرح اپنے جمال جہان آرا سے مجلس کو منور کر تی ہے اور اسپر
نظر پڑتے ہی ہر شخص کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہو۔
"کچھ تعجب نہین کہ اس حسن خداداد کی بدولت دنیا نو سال کی طویل مدت
سے جنگ و جدال مین مصروف ہو۔ کیسے دلربا انداز ہین اور کس بلا کی آن بان
ہو۔ اگرچہ چال ڈھال مین دیبی ہے تو شکل و شمائل مین رانی"
تمام ایلیڈ مین ہیلین کے حسن و زیبائی کی صرف اسی قدر توصیف ہے لیکن
آپ دیکھنا چاہیئے کہ ان مختصر سیدھے سادے الفاظ مین کس بلا کا جادو بھرا ہوا ہے
گو ہومر نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہین لکھا لیکن کیا کوئی تعریف اس سے
بڑھکر ہو سکتی ہو کتنا بڑا کمال ہے کہ اس نے خود تصویر تو کجا ایک لکیر بھی نہین کھینچی
لیکن پھر بھی رگ جان پر کچھ ایسا نشتر لگایا ہے کہ ہر شخص گردن جھکائے اپنے
آئینہ دل مین ایک ایسی پیاری صورت موہنی مورت دیکھ رہا ہے کہ کسی طرح
سر اٹھانا کوئی نہین چاہتا۔ کیا غضب ہے کہ ہندی ہو یا چینی۔ یونانی ہو یا مصری،
جاپانی ہو یا حبشی سب کا دل یکسان بیقرار ہوا جاتا ہے اور اسکی وجہ کیا ہے۔ وجہ

یہی ہی کہ ہر شخص خواہ کسی قوم اور کسی خیال کا ہو ہیلین مین خود اپنی مثالیہ کی تصویر دیکھتا ہے۔

یہ لطافت بیان یہ نازک خیالی یونانیون ہی کا حصہ تھی اور کسی قوم کو نصیب نہین ہوئی اور اس لیئے دوسری قومون نے زیادہ تر طریقہ خارجی ہی کو اختیار کیا۔ یہ بتایا جاچکا ہی کہ طریقہ خارجی کی بھی دو قسمین ہین تشریحی و تشبیہی۔ تشریحی مین جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہی صفات ذاتی و عرضی کی تصریح سے اصل کا تصور قائم کیا جاتا ہی اور تشبیہی مین یہی مقصود اُن اشیا سے مثال دیکر حاصل کرتے ہین جنکا حسن وجمال مسلم ہی۔ اگرچہ صفات ذاتی وعرضی ایسی چیز نہین ہین کہ اُن کا تعین آسانی اور یقین کے ساتھ کیا جاسکے لیکن اُن کی توضیح مین ہر شخص کو اپنی واقفیت یا جولانی طبع دکھانے کا اچھا موقع ملتا ہے اور اس لیئے طریقہ تشریحی مین متخیلہ کو رنگ آمیزی کا اتنا موقع نہین ملتا جتنا کہ تشبیہی مین اسی وجہ سے طریقہ تشبیہی بہ نسبت تشریحی کے زیادہ لطیف ہوتا ہے۔ اگر ہم اس اعتبار سے اُردو شاعری کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہی کہ چونکہ اُس کا نشو و نما اُس زمانے مین ہوا جبکہ فارسی شاعری ابتدائے سادگی سے ہٹکر گرداب تصنع مین مبتلا ہو گئی تھی اس لیئے جو اُمور کہ کئی صدیون کی تلاش اور طبع آزمائیون کی بدولت فارسی شعرا مین حسن کے صفات ذاتی وعرضی قرار پاچکے تھے وہی بجنسہ اُردو شاعری مین بھی آگئے اور اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہین کہ وہ مطابقت فطرت کے بجائے زیادہ تر مبالغہ سے بھرے ہوئے ہین گویا کہ اُردو شعرا کو خواہ نخواہ توصیف حسن کے لحاظ سے طریقہ خارجی اور اُسکی بھی ادنی قسم تشریحی کا پابند ہونا پڑا۔ اسی وجہ سے جب اُردو شعرا محبوب کا سراپا بیان کرتے ہین تو وہ ماہران فن تشریح کی طرح ایک ایک عضو پر نظر ڈالتے ہین اور چونکہ صفات حسن اور الفاظ بھی وہی استعمال کیئے جاتے ہین جو آخری طبقہ کے شعرائے فارسی سے میراث مین ملے ہین اس لیئے مبالغہ کی وجہ سے ہر عضو کا ایسا عجیب تصور ذہن مین قائم ہوتا ہی کہ اگر اُن سب کو جوڑکر ایک پیکر بنالی جائے تو وہ بجائے حسن وجمال مین ممتاز ہونے کے بوالعجبی مین شہرہ آفاق ہوگی۔ بات یہ ہے کہ شعرائے فارسی کو

اوائل مین تجربہ نے بتایا کہ اکثر حسین لوگون کی کمر پتلی ہوا کرتی ہے جب وقت تک کہ مذاق صحیح رہا جب کمر کا ذکر آیا تو یا تو اُسکی تعریف یہی کی کہ پتلی ہے یا اگر لحاظ مطابقت فطرت مثال بھی دی تو چیتے وغیرہ کی کمر سے لیکن جب تمدنی تکلفات کے ساتھ قدیم مضامین پھیکے اور بے لطف معلوم ہونے لگے تو شاعری مین تصنع اور تصنع کے ساتھ مبالغہ نے رنگ دکھایا اور کمر کو پتلا کرتے کرتے بالکل ہی معدوم کر دیا۔ اسی طرح ابتداء مین چھوٹا دہانہ اور بڑی آنکھین داخل حسن سمجھی گئین اور اگر اُن کو تشبیہ بھی دیگئی تو سیپی یا ہرن سے لیکن بعد مین آنکھین تو بڑھتے بڑھتے بیل کے دیدون پہ سبقت لے گئین اور دہانہ گھٹتے گھٹتے صرف نقطہ موہوم رہ گیا۔ غرضکہ گو یہ صحیح نہین ہے کہ اُردو شاعری خلاف فطرت ہو لیکن اس مین شک نہین کہ تصنع اور مبالغہ کی بدولت حقیقت سے اسقدر دور جا پڑی ہے کہ بالکل بیجان سی معلوم ہوتی ہے اور اگر کچھ لطف باقی بھی ہے تو وہ ایک ہی خیالات کے پیہم اعادہ نے اور بھی کھو دیا ہے۔

برخلاف اس کے اگر شعرائے سنسکرت کا کلام دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ گو اُن کی بھی طریقہ داخلی کے اعلی منازل تک رسائی نہو سکی لیکن اُنھون نے پھر بھی زیادہ تر طریقہ خارجی کی دوسری قسم تشبیہی کو اختیار کیا جس مین فطرت انسانی کے اعتبار سے دلربائی کی زیادہ صلاحیت تھی کیونکہ وہ بھی طریقہ داخلی کی طرح ہستی فانی کو بھلا کر ہمکو عالم مثال مین پہونچا سکتی ہے۔ مہاکوی کالیداس کو اس اعتبار سے بھی تمام شعرائے سنسکرت پر ترجیح ہے اور سچ یہ ہے کہ جہان کہین اُس کو موقع ملا ہے اُس نے حسن و جمال کی ایسی جیتی جاگتی دلفریب تصویرین کھینچی ہین کہ بھلائے سے نہین بھول سکتین۔ اُس کی تصانیف مین سب سے مقبول سکنتلا ہے اور اس لیئے ہم سب سے پہلے یہی دیکھتے ہین کہ اُس نے سکنتلا کی تصویر کس طرح کھینچی ہے۔ ایک مقام پر وہ اُس کے عاشق دشینت کی زبان سے کہتا ہے۔

"حقیقت مین اُس کے لب شیرین نو خیز کونپل کی سُرخی لیئے ہوئے ہین۔

اُس کے بازو دو نرم لچکدار ٹہنیوں کے مشابہ ہین اور جوشِ شباب غنچۂ ناشگفتہ
کی لطافت کے ساتھ اُس کے عضو عضو سے نمایان ہے۔

ذرا تھوڑی دیر کے لیے آنکھین بند کر کے دیکھو کہ ایک ایک لفظ نے متخیلہ کے
لیے کتنا وسیع میدان کھول دیا ہے اور میدان بھی وہ نہایت پرلطف نظارون
سے بھرا ہوا ہے۔ یہ تو اُس وقت کی تصویر ہے جبکہ وہ جنت نظر تھی اب
دیکھو کہ نقاب دوری نے کیا سحر آفرینی کی ہے۔ دشمنت اپنے محرم راز ودوشک
سے کچھ باتین عالم تنہائی مین کر رہا ہے چلو ہم بھی سُنین۔

ودوشک "درحقیقت مین سمجھتا ہون کہ وہ بہت ہی حسین ہوگی کہ آپ جیسے شخص کا دل آگیا"

دشمنت "سچ تو ہی مگر طول کلام سے فائدہ"

معلوم نہین کہ خالق نے اُس کو بنانے سے پہلے ہی پردۂ عالم کی تمام رعنائیون
کو جمع کر کے نقشہ کھینچ لیا تھا یا صرف دماغ ہی مین حُسنِ کامل کا تصور قائم کیا تھا۔
جب مین اُس شکل و شمائل مین حُسنِ نسوان کے اعلے سے اعلے نمونون سے
بھی مخالفت پاتا ہون تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ خالق نے اُس کو پیدا کر کے صرف
اپنی قدرت کاملہ کا ثبوت دیا ہے۔

ودوشک "اگر یہی بات ہو تو پھر سب حسینون کی مٹی خراب ہوئی۔

دشمنت "کیا کہون۔

اُسکا بے عیب حُسن ایک غنچہ ہے ناشگفتہ یا ایک نرم شاخ ہے جو ابھی
خراش ناخن سے آشنا نہین ہوئی یا ایک گوہر ناسُفتہ ہے یا تازہ تازہ شہد ہے
جو ابھی لذت وہ کام و زبان نہین ہوا یا بڑے سے بڑے کام کا وہ ابھی صلہ ہے
نہین معلوم کس کی قسمت مین اُس سے سیراب ہونا لکھا ہے"

شکنتلا تو آدمی زاد تھی مگر اب دیکھو کہ اُسنے اُروسی کی جو آسمانی پری ہے
کیسی دلربا تصویر کھینچی ہے۔

کچھ تعجب نہین کہ تمام آسمانی پریان جو نارائن[1] کا تپاس توڑنے کے لیے

---

[1] نارائن ایک نہایت ہی نامور رشی ہے جو اس قدر عبادت و ریاضت مین مصروف رہتا تھا
کہ مہاراج اندر کو بھی اُس پر رشک آیا اور اُس نے اُس کی تپسا توڑنے کے لیے چند آسمانی پریونکو

آئی تھین اُروسی کو اُس کی ران سے نکلتے ہوئے دیکھکر مارے شرم کے عرق عرق ہوگئیں مگر نہیں ایک تارک الدنیا کو اُسکی تخلیق سے کیا مناسبت - ہان یہ ممکن ہے کہ سہانی روشنی والے چاند نے اُس کی تولید مین حصّہ لیا ہو یا عشق کے دیوتا مدن[1] نے جس کا اصلی کام جذبات نفسانی کو اُبھارنا ہے اُس کو پیدا کیا ہو یا خود نسبت نے اُس کی شکل مین جنم لیا ہو کیونکہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک فرسودہ رشی جو اپنے ہوش و حواس و بدخوانی کی نذر کر چکا ہوا ور جس کے دل سے لذائذ دنیوی کا احساس تو کیا اُن کی خواہش بھی فنا ہو چکی ہو ایسی موہنی مورت بنائے[2]"

اگر اس دلفریب نظارہ سے دل سیر نہوا ہو تو لو اور بھی سُنو - کالیداس ایک دوسرے مقام پر راوس کی زبان سے جو وکرم اُروسی کا ہیرو ہے کہتا ہے -

"اُس کا جسم زیورون کا زیور اور سنگھارون کا سنگھار ہے - عرف عام مین جو چیزین معیار حُسن سمجھی جاتی ہین اگر اُس کی رعنائی سے اُلٹا اُن کی زیبائی کا اندازہ کیا جائے تو بجا ہے[3]"

الفاظ تو محض معدودے چند ہین اور وہ بھی بالکل سیدھے سادھے لیکن معنی پر جتنا بھی غور کیا جائیگا اُتنا ہی لُطف آئے گا -

کالیداس نے انسان اور پری کی تصویر تو جیسے پرکار قلم سے کھینچی ہے وہ ظاہر ہو لیکن آب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اُس نے ویبی پاربتی کے حُسن عالم افروز کا جلوہ کس شان سے دکھایا ہو - وہ اپنی بےنظیر مثنوی کمار سنبھو مین لکھتا ہے -

---

ص ماموریا مگر رشی فوراً سمجھ گیا اور اُس نے اُن کے شرمانے کے لیۓ ایک پھول اپنی ران پر رکھا - اُروسی کو پیدا کیا جو حُسن وجمال مین بےنظیر تھی -

سلہ[1] عشق کا دیوتا ہے اور اُسکا نام کام دیو بھی ہے -

سلہ[2] از ترجمہ وکرم اُروسی مرتبہ راقم شائع ہو گیا ہے -

سلہ[3] علم بلاغت کے بموجب مشبہ بہ مشبہ پر غالب ہوتا ہے اس لیۓ شاعر کہتا ہے کہ یہان مقابلہ بالکل برعکس ہے کہ مشبہ مشبہ بہ پر غالب ہے -

"اُٹھتی جوانی اُس کے اعضا کی تناسب بالیدگی کا باعث ہوئی جس کی وجہ سے وہ حُسن مجسم بن گئی جس طرح کہ کسی تصویر کو از سر نو رنگ و روغن چڑھا کر جلا دی گئی ہو۔

"دم رفتار پاؤن کے اُٹھے ہوئے انگوٹھون اور انگلیون کے ناخنون سے سُرخی نکلے پڑنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا گُل لالہ چل رہی ہین۔

"راج ہنس نے اُسکو لڑکھڑا لڑکھڑا کر چلنا سکھایا تھا تاکہ بعد مین خود بھی اُس سے سبق لے اور اُسکے چھڑون کی جھنکار سامعہ نوازی کرے۔

"اُسکی کمر کے تصور کے لئے یہ سمجھو کہ ایک ویدی[1] پر تین نور کی شعاعین جمع ہین اور جس مرکز پر وہ ملتی ہین وہی اُسکی کمر ہے۔ یہ نتیجہ مین نے اس وجہ سے نکالا ہی کہ اُس کے دونون ہاتھ جو ہار سنگھار کے پھولون سے بھی نازک تھے کام دیو کے غلبہ سے جس کے نشان کا معرکہ ماہی نما ہے شوہر کی گردن مین لپٹنے کے لئے رسیون کی طرح لٹک رہی تھے۔

"حُسن اور خوش قسمتی کی دیبی جب چاند پر پہونچتی ہے تو کنول کے دلربا نظارہ سے محروم ہو جاتی ہے اور جب کنول پر توجہ کرتی ہے تو چاند کے نور سے سیراب نہین ہو سکتی لیکن جب وہ پاربتی کے چہرہ پر پہونچی تو اُس کو ایک ساتھ چاند اور کنول دونون کا نظارہ نصیب ہوا۔ اگر یہ ممکن ہوتا کہ کوئی پھول نوخیز کونپل مین چھپا رہ جائے یا موتی کسی شفاف مونگے مین جاگزین ہو تو اُسکے دلربا تبسم سے جس کا حُسن لب شیرین کی سُرخی نے اور بھی دوبالا کر دیا تھا تشبیہ دیجا سکتی۔

"اُس کی سُریلی آواز جس سے امرت ٹپکتا تھا کچھ ایسی دلکش تھی کہ اُسکے مقابلے مین خوش گلو کوئل کے (جو اجنبی پرندون مین پرورش پاتی ہے) نغمے بھی دلخراش اور کسی ساز کی بے سُری گت معلوم ہوتے تھے۔

"متلون نظر جو بیقراری مین اُس نیلے کنول سے جو تیز ہواؤن کے تھپیڑے

[1] ویدی اُس مختصر چبوترے کی چوکی یا میز کو کہتے ہین جس پر مندرون مین چڑھاوا دیوتاؤن کے سامنے رکھا جاتا ہے۔

کھا رہا ہو کم نہ تھی یا تو اُس بڑی آنکھوں والی کو ہرنی سے ملی تھی یا خود ہرنی نے اُس سے اُڑائی تھی۔

"اُسکی لچھوی کشیدہ ابروئیں (جو قلم اور سیاہی سے کھینچی ہوئی معلوم ہوئی تھین) دلربائی اور لپک دیکھکر کام دیو کے سر سے اپنے انوکھی کمان کے حسن کا سودا نکل گیا۔

"اگر غیر ذی عقل حیوانون مین ندامت سے متاثر ہونیکا مادہ ہوتا تو بلا شبہہ سُراگائے پروتا کی بیٹی کے جوڑے کی پھبن دیکھکر اپنے بالون کا غرّہ کھو بیٹھتی۔

"ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو چیزین عرفِ عام مین معیارِ حسن سمجھی جاتی ہین اُن کو گویا خالقِ کون و مکان نے اس غرض سے جمع کر دیا ہے کہ دُنیا بھر کی حسن و زیبائی کو اکٹھا دیکھے"

اب ذرا تھوڑی دیر کے لیئے ٹھہر کر سوچنا چاہیئے کہ جس حُسن دلفریب کی تصویر کالیداس نے ان الفاظ مین کھینچی ہے اُسکو اس عالم سے کچھ بھی مناسبت معلوم ہوتی ہے تخیل کے پر پرواز کھولدو اور جتنا اونچا اُڑا جائے اُڑو مگر پھر بھی رسائی مشکل ہے۔

اگر اس امر پر غور کیا جائے کہ کالیداس نے انسان اور پری اور دیبی کے حُسن کی توصیف کس کس طریقے کی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ گو اپنے اپنے طور پر اور اپنے اپنے طبقے کے اعتبار سے ہر ایک بے نظیر ہے لیکن اگر ایک کا مقابلہ دوسرے سے کیا جائے تو ایک قسم کا خوشگوار اختلاف محسوس ہوتا ہے اور درحقیقت یہی اُسکا کمال ہے۔ کیونکہ یہ کس قدر مشکل امر ہے کہ باوجود یکہ ہر ایک کو بطورِ خود منتہائے حُسن پر پہونچا دیا ہے لیکن پھر بھی عورت عورت ہی معلوم ہوتی ہے اور پری پری ہی اور دیبی دیبی ہی۔ اُس کا دوسرا کمال یہ ہے کہ خواہ اُس نے اجمال سے کام لیا ہے خواہ تفصیل سے خواہ تشریح سے خواہ تشبیہہ سے لیکن ہر صورت مین جو کچھ بھی حوالۂ قلم کیا ہے اُس سے بہت زیادہ ناظرین کے متخیلہ کے لیئے چھوڑا ہے اور اسلیئے بعینہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کسی نے حُسن مجسم کی تصویر عالم مثال سے لاکر عالم شہود مین رکھ دی ہے یا یون کہو کہ ہر شخص کو اُسمین اپنی ہی تشبیہہ ذہنی یا مثالیہ حُسن کا جلوہ نظر آتا ہے۔

شعرائے سنسکرت مین کالیداس کے بعد بھاؤبھوتی کا درجہ ہے اور گو اس وجہ سے کہ وہ کئی صدی بعد گزرا ہے اُس کے کلام مین تصنع کا رنگ زیادہ پایا جاتا ہے لیکن پھر بھی اُسکو فصاحت و بلاغت اور زور بیان کے اعتبار سے وہی امتیاز حاصل ہے جو کالیداس کو سادگی بیان اور بے تکلفی جذبات کے لحاظ سے ہے بھاؤبھوتی نے اپنی مشہور ناٹک مالتی مادھو مین مالتی کے حسن دلاویز کی تصویر جن الفاظ مین کھینچی ہے اُسکا ترجمہ درج ذیل ہے -

"مین اسی کام مین مصروف تھا کہ ایک مہ جبین مندر سے نکلی اُسکی چال تھی تو پُر تمکنت مگر اُسمین علم عشق کے مغلوب دُنیا پر تحمندی کے ساتھ لہرانیکی شان نمودار تھی - اُس کے خدم و حشم سے شاہانہ کر و فر ظاہر تھا اور اُسکا لباس شباب کے متناسب زیورون سے آراستہ - اُسکا جسم حسن کا معبد تھا یا وہ خود اُس پُر نور معبد کی دیبی تھی - اُس کے حسن دلاویز کی تخلیق کے خزانۂ فطرت سے جو کچھ سب سے بڑھا چڑھا اور حسن و زیبائش مین بے نظیر ہے ایک جگہ جمع کر لیا تھا وہ اپنی سہیلیون کے پیچھے پیچھے پھول توڑتی ہوئی اُس درخت کی طرف بڑھی جو پھولون سے لدا ہوا گھیر سایہ افگن تھا اور جب قریب پہونچی تو کیا کہون اُسکے چہرے سے صاف معلوم ہوا کہ اُسکا دل پہلے ہی کسی خوش نصیب نوجوان کی نذر ہو چکا ہے - اُسکا جسم کنول کے پھول کے ڈنٹھل کیطرح سوکھا ہوا تھا اور اُس کے زرد مرجھائے ہوئے رخسارے شفاف ہاتھی دانت کی طرح چاند کے بے داغ حسن کو شرماتے تھے - مشکل ہی سے نظر سے نظر ملی تھی کہ مجھے ایک نئی قسم کی لذت محسوس ہوئی گویا کہ کسی نے آب حیات سے نہلا دیا اور اُس نے مقناطیس کی قوت سے میرا دل کھینچ لیا - گو میرے دل کا اسطرح دفعتًا آپے سے باہر ہو جانا سمجھ مین نہ آسکے مگر اب اُس کا یہ حال ہے کہ چاہے کچھ ہی اُفتاد پیش آئے مگر وہ ہمیشہ اُسی سے لو لگائے رہیگا - خواہ اسکا نتیجہ یہی ہو کہ میرے حصہ مین مایوسی کے سوا کچھ نہو"

گو بھاؤبھوتی نے بھی جو تصویر کھینچی ہے اُس مین کالیداس کے خیالات کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے مگر زور تخیل نے اُس پر ایسی رنگ آمیزی نہین کی کہ بالکل نئی معلوم ہونے لگی ہو - بھاؤبھوتی مین اگرچہ کالیداس کی طرح باتون ہی

باتون مین رگِ جان پر نشتر لگانے کی قدرت نہین ہو مگر فصاحت و بلاغت نے اسکے
تخیل سے ملکر بیان مین کچھ ایسا زور پیدا کر دیا ہے کہ وہ بھی اپنی نظیر آپ ہی ہونیکا
دعوی کر سکتا ہے۔ مثلاً مالتی کے جسم کو معبدِ حسن قرار دینا کیسا انوکھا خیال ہے اور
پھر دفعتاً پلٹا کھاکر خود اُسکو حسن کے معبد کی دیبی بتانا اُس سے بھی بڑھکر بلند پروازی
ہے۔ آنکھون کی تعریف اس طور پر کرنا کہ نظر کی بیقراری یا تو اُسکو ہرن سے ملی تھی یا ہرنی
کو اُس سے کس درجہ لطافت خیال پر دلالت کرتا ہو۔ غور کرنیسے معلوم ہوگا کہ کالیداس
نے زیادہ تر حسن کے صفات ذاتی پر بحث کی ہے مگر بھاؤ بھوتی نے اُس کے علاوہ اس
اثر کو بھی دکھایا ہو جو انسان کے دل پر حسن دلفریب کے نظارہ سے پڑتا ہے کہ وہ بالآخر
دُنیا و ما فیہا سے ہاتھ دھوکر اُسی کا ہو رہتا ہے۔

اب اگر توصیف حسن کے لحاظ سے اُردو شاعری کا مقابلہ سنسکرت شاعری
سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شعرائے سنسکرت کی فکر بلند پرواز نے تو اُن کو اس عالم
فانی سے عالم جاودانی مین پہونچا دیا مگر اُردو شاعرون کو تقلید کی زنجیرون نے ایسا
جکڑا کہ وہ باغ فطرت کی سیر سے محروم رہے اور عمر بھر پرکار کیطرح ایک نقطہ موہوم
کے گرد پھرتے رہے۔ کوئی واسوخت اور مثنوی ایسی نہین ہو جس مین محبوب کا سراپا
شاعر نے اپنے نزدیک نہایت زوردار اور بولتے ہوئے الفاظ مین نہ دکھایا ہو اور
گو اسمین شک نہین کہ بعض صورتون مین باوجود اتنے قیود کے پابند ہونے کے طبع
خداداد کچھ نہ کچھ رنگ دکھا رہی ہو۔ اور دائرہ کی تنگی مضمون آفرینی کی بھی مانع نہین
ہو سکی ہے۔ لیکن کیا کوئی دعوی کر سکتا ہو کہ کسی اُردو شاعر نے عالم مثال کی سیر ایسی
بے تکلفی سے کی ہو جیسی کہ کالیداس یا بھاؤ بھوتی نے کی یا یہ کہ اُسکے کلام مین حسن نسوانی
کی ایسی خوش رنگ تصویرین موجود ہین جیسی کہ اُن دونون کے ڈرامون مین ہین۔ اسکی
ایک وجہ اور ہے ہمارے خیال مین بڑی وجہ تو یہ ہو کہ ہمارے شعرا نے کبھی حسن فطرت
کے نظارے مین اپنی بینائی سے کام نہین لیا بلکہ جب دیکھا وہ رنگین عینک لگاکر
جو آخری طبقے کے شعرائے فارسی کے دست صنعت کا نتیجہ تھی اور اسی لئے بیچارے
کے وہ انہین کے خیالات اور انہین کے الفاظ کا اعادہ کرتے ہین اور دوسری وجہ
یہ ہے کہ وہ جب سراپا بیان کرنے بیٹھے ہین تو تفصیل کے انبار لگا دیتے ہین اور

جو باتین اشارہ اور کنایہ سے چشم تصور کے سامنے لانیکے قابل تھین اُن مین بھی ایسی تصریح کرتے ہین کہ متخیلہ کو پر مارنے کی بھی گنجایش نہین رہتی - انھین وجوہ سے حسن کی جو تصویر ہمارے شاعرون نے کھینچی ہے وہ نہ تو کسی نمونۂ فطرت ہی سے ملتی ہوئی ہے اور نہ ہمارے مثالیہ ہی سے مطابقت رکھتی ہی اور کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ کہان سے اُٹھا کر لائی گئی ہے - فارسی شاعرون مین بھی قدما کے کلام مین بیشک وہ جادو موجود ہی جس نے شعرائے سنسکرت کے نتیجۂ افکار کو ایسے اعلی درجے پر پہونچایا - اور اسیطرح اُردو کے قدیم شاعر میر اور طبقۂ اخیر کے بعض دہلی اور لکھنؤ کے ممتاز شاعرون مین بھی بے تکلفی جذبات کا رنگ ایک حد تک پایا جاتا ہے اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لیئے دنیا و مافیہا کے بھُلا دینے مین کامیاب ہو جاتے ہین مگر یہ کیفیت بجلی سے زیادہ دیرپا نہین ہوتی - کچھ لحظہ کے لیئے بیشک اُجالا ہو جاتا ہے مگر پھر پہلے سے بھی بھیانک اندھیرا چھا جاتا ہی - لیکن ہم پھر بھی اُردو شاعرون پر کوئی الزام نہین دھرتے کیونکہ یہ قدرتی بات ہی کہ جو نمونہ سامنے ہوگا خواہ نخواہ اُسکی پابندی کی جائیگی اور اس لیئے اگر وہ فارسی کے شعرائے متاخرین کے ممنون احسان بنے تو کچھ بیجا نہین - لیکن جو امر قابل الزام ہے وہ یہ ہے کہ گو اب مغربی علوم و فنون کی اشاعت نے نئے نئے میدانون کے راستے دکھا کر ہر شخص کا دائرۂ نظر وسیع کر دیا ہے لیکن پھر بھی ہم اُسی قدیم لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہین اور جدید ممالک کی تسخیر کی طرف متوجہ نہین ہوتے - اگرچہ ظاہر ہے کہ خواہ ہم متوجہ ہون یا نہون لیکن زمانہ کا زبردست ہاتھ ضرور ہمکو نئے راستے پر لائے گا اور لا رہا ہے لیکن خوف یہ ہی کہ کہین ہم اس انقلاب کے ریلے مین ایسے نہ آئین کہ بیت اللہ کے بجائے ترکستان جا پہونچین اور اس لیئے اُن سب لوگون پر جو چشم بینا رکھتے ہین فرض ہے کہ مشعل ہدایت ہاتھ مین لے کر رہبری کے لیئے تیار رہین اور کاروان شاعری کو اُن خطرناک مقامات سے بچاتے ہوئے جو اس راہ مین درپیش ہین منزل مقصود کو پہونچا دین اور اسکا سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ ہمیشہ دوسری قومون کے کارنامے دکھا کر مطمح نظر کو وسیع کرتے رہین -

ایشیائی شاعری کا موضوع کیا ہے

ہر علم و فن کے لیے ایک موضوع کی ضرورت ہے ۔ مین اسوقت شاعری سے بحیثیت علم ہونے کے بحث نہین کرتا ۔ بلکہ فن شاعری پر ایک خاص پہلو سے نظر ڈالنا چاہتا ہون ۔ شاعری کا موضوع عشق ہے ۔ اور عشق کا موضوع حسن فطرت ۔ حسن مین حسن صوری و معنوی دونون داخل ہین اسلیے اگر نظر غور سے دیکھا جائے تو شاعری کو دراصل حسن فطرت سے تعلق ہونا چاہیے جیسا کہ یورپ کے شاعرون کا خیال ہے مگر ایشیائی باریک نظری نے انسان کو خلاصہ فطرت یا یہ کہو کہ خلاصہ موجودات سمجھا اور حسن فطرت کا مطالعہ حسن انسانی مین کیا ۔ میرا اس سے یہ مطلب ہے کہ ایشیا نے کبھی یہ نہین سمجھا کہ فطرت مین بطور خود انسان کو اپنی طرف مایل کرنیکی کشش ہے بلکہ اگر کوئی کشش ہے تو وہ خود انسان ہی سے ہے ۔ مثلاً اگر جنگل گلزار معلوم ہوتا ہے تو اسوجہ سے کہ کوئی انسان جسکی طرف ہمارا دل کھینچتا ہے اوسمین موجود ہے ۔ لیکن اگر وہ موجود نہو تو وہی جنگل جو ابھی گلزار تھا کاٹنے کو دوڑنے لگے ۔ اگر صحیفہ فطرت کا مطالعہ کسی قدر غور سے کیا جائے تو ایک عجیب قانون کا پتہ لگے گا ۔ ہر چیز کے لیے ایک متقابل کا ہونا لازمی ہے اور متقابلین اپنی فطرت کے کمال کے لیے ایک دوسرے کے محتاج ہوتے ہین ۔ مثلاً دوا مرض کی محتاج ہے اور مرض دوا کا ۔ ہیولے شکل کا محتاج ہے اور شکل ہیولے کی گو کہ آپسمین ایک دوسرے کے متقابل ہین ۔ یہ بحث بہت طویل ہے اسلیے صرف ہین اسکے اصل الاصول کے بتانے پر قناعت کرتا ہون ۔ ذکور اناث بھی ایک دوسرے کے محتاج ہین ۔ اب ہم بیان کر چکے ہین کہ عشق کا موضوع حسن ہے مگر حسن قایم بالذات نہین محض اعتباری چیز ہے اور سچ پوچھو تو وہ بھی اسی کشش بین المتقابلین کا ایک آلہ ہے ۔ اسلیے

معلوم ہوا کہ عشق کا دار و مدار اسی کشش مین التقا بلین پر ہے۔ ذکور جنس اناث کی طرف طبعی میلان ہوگا اور اناث کو حسن ذکور کی طرف۔ اسلئے قاعدہ فطرت کی بموجب شاعری کا موضوع عشق ذکور یا عشق اناث کو ہونا چاہیے یعنی اگر مرد شعر کہے اُس کا مخاطب صحیح عورت ہے اور اگر عورت کہے تو مرد۔ چنانچہ یورپ اور عرب مین زمانہ جاہلیت اور اوائل اسلام مین مرد کی طرف سے عورت کو خطاب کیا جاتا تھا اور ہندوستان مین عورت کی طرف سے مرد کو مگر چوتھی صدی ہجری مین ہمارے شاعرون نے ایک اور طریقہ اختیار کیا جو اہل یورپ کو جو ہماری طرز معاشرت اور اون خاص وجوہ سے جنکے لحاظ سے ایسا طریقہ اختیار کیا گیا واقف نہین ہین۔ ہمارے دامن عزت پر ایک بدنما دھبہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ یہ کہتے ہین کہ شاعری جذبات انسانی کے اظہار کا نام ہے اور اسلیے مرد کو عورت سے خطاب کرنا چاہیے اور عورت کو مرد سے مگر برخلاف اسکے مسلمانون کی بے حیائی اور بے غیرتی نے مرد کا مخاطب مرد کو بنایا ہے۔ ہمکو دیکھنا چاہیے کہ یہ اعتراض کس حد تک ٹھیک ہے اور اگر ٹھیک ہے تو اسکی بنیاد کیا ہے یورپ کے حکیمانہ طرز خیال نے یہ عام یقین پیدا کر دیا ہے کہ ہر شخص کا کلام اُسکی اصلی حالت کا آئینہ ہے اسلیے بہت سی ایسی باتین جو ہماری نظرون مین قابل گرفت نہین ہین اُن کو نہایت ہی معیوب معلوم ہوتی ہین۔ اگر سرسری نگاہ سے دیکھا جاے تو اُنکا اعتراض کچھ بیجا نہین معلوم ہوتا لیکن تھوڑا سا غور بھی بتا دے گا کہ یہ اعتراض اگر بیجا نہین تو ناحق ضرور ہے۔ اس مین کلام نہین کہ اکثر لوگ مصنف کی تصنیفات یا طرز خیال مین اسکی زندگی کی تصویر دیکھا کرتے ہین مگر ہم دریافت کرتے ہین کہ کیا اسمین شک ہو سکتا ہے کہ یہ ایک دھوکہ دہ آئینہ ہے۔ الفاظ اور محض الفاظ کسی کے دلی جذبات کا اندازہ کرنے کے لیے کافی معیار نہین ہو سکتے۔ ہم روز دیکھتے رہتے ہین کہ بعض اشخاص دنیا کے آفس روم مین کچھ اور ہی معلوم ہوتے ہین لیکن جب تصنیف کی کرسی پر بیٹھتے ہین تو دوسری ہی دنیا کے لوگ نظر آتے ہین۔ اگر واقعات کی رہبری سے انکی سوانح عمری لکھی جاے تو وہ ایک قابل عبرت نمونہ قرار پائین لیکن اگر محض اُنکی تصنیفات سے انکی حالات پر استدلال کیا جاے تو کوئی ایسی خوبی نہو جو اُن کی ذات بابرکات مین موجود نہو۔ علاوہ اسکے مسند القضا پر جلوہ آرا ہوکر رسم و رواج ملک کا

خیال نہ کرنا بھی انصاف کا خون کرنا ہے اکثر باتین ایسی ہوتی ہین کہ جو فی نفسہ بری نہین ہوتین مگر ہمکو بوجہ اجنبی اور غیر مانوس ہونے کے بری معلوم ہوتی ہین۔

جدید تہذیب خواہ کچھ ہی کہے مگر اسلام کا یہ ایک نہایت مفید مسئلہ ہے کہ عورتین پردے مین رہین گو کہ ہمارے پردے کو عورتون کے حقوق کا غاصب نہین بنایا جیساکہ یورپین آزادی کا رویہ ہے ابتداے اسلام سے اس مسئلہ پر کم و بیش سختی کے ساتھ عملدرآمد ہو رہا ہے ہان بعض اوقات اسکی پابندی ضروری نہ خیال کی گئی ہو تو دوسری بات ہے۔ ملک مغرب مین خلفاء مرابطین کا جو خاندان گذرا ہے اوسمین یہ ایک عجیب دستور تھا کہ مرد تو چہرہ پر لثام ڈالتے تھے مگر عورتین بے تکلف بغیر نقاب باہر پھرتی اور گھوڑون پر سوار ہوکر نکلتی تھین[1]۔ بہرحال اوائل اسلام مین پردہ رائج تو تھا مگر عورتون کے نقاب ڈالکر باہر نکلنے اور بازار وغیرہ کو جانے مین کوئی مضائقہ نہین سمجھا جاتا تھا مگر جب مسلمانون کے اقبال کا ستارہ چمکا تہذیب و شایستگی جلوہ افروز ہوئی نئے نئے ملکون پر قبضہ ہوا اجنبی قومین جنکا طرز خیال اور طرز معاشرت بالکل جدا تھا ماتحت ہوئین۔ تو جو خیالات کہ فاتح کے دلمین مفتوح کی طرف سے پیدا ہوتے ہین وہ اس فتحمند قوم کے دل مین بھی پیدا ہوگئے اور اوراوسکو اپنے ننگ و ناموس کا اسقدر خیال ہوگیا کہ عام طور پر کسی عورت کا نام لینا بھی معیوب ہوگیا۔ جسوقت تک ہمارے شاعر عرب کی ہوا کھاتے اور خانہ بدوش زندگی سے مانوس رہے اوسوقت تک زمانہ جاہلیت کے طرز خیال کے مقلد رہے اور اسی کی پیروی سے معشوق کے قبیلے کی اُجڑی خیمہ گاہون اونٹون کی تیز رفتاری اور تحمل اپنی بیکسی و لاچاری دوستون کی تسلی و تشفی اور معشوق کے حسن سیرت و صورت کا ذکر کرتے رہے۔ مگر جب شہرون مین رہنے کا اتفاق ہوا غیر قومون غیر مذہب والون سے سروکار پڑا عام رائے کی یہ کیفیت ہوگئی کہ کسی کی بیٹی یا بہن کے نام لینے کی سزا قتل سے کم نہ ٹھہری تو ان کو سواے اسکے کچھ چارہ نہ تھا کہ معشوق کو محض فرضی قرار دین کیونکہ شاعری کوئی ایسا دریا نہ تھی جو بند و رُک جاے نہ ایسی آگ تھی جو بجھانے سے بجھ سکے۔ جسوقت تک جذبات انسان کے پرجوش شعلے مشتعل ہین اوسوقت تک شاعری بھی مفقود نہین ہوسکتی اسلیے جب ایک راہ بند ہوگئی تو دوسری راہ جو اتنی خطرناک نہ تھی اختیار کی گئی۔ یہ تو ناممکن تھا کہ باوجود اتنی قیود کے

[1] تاریخ کامل ابن اثیر الجزری۔

عورتون ہی سکے نام لیے جاے اور اپنی قومی فیلنگ کو تکلیف پہونچانے اسلیے انھون نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ یا تو اپنی معشوقہ کا ذکر کسی فرضی نام سے جو کہ عرف عام مین معشوق کے لیے مختص تھے یا بجاے اسکے بھی تذکیر استعمال کرنے لگے چنانچہ بہاء الدین سنجری ابوالفضل محمد ابن وحید البغدادی ابواسحق اسمعیل ابن قاسم العینی وغیرہ کے کلام سے اس تبدیلی کا پتہ لگتا ہے۔ لیکن اسمین شک نہین کہ سلطنتون بدل گئے مگر الفتین جو انپر لگی تھین وہ نہ بدلین۔ لباس مین تبدیلی ہوگئی مگر شکل وصورت وہی رہی۔ رنگت تو اور ہوگئی مگر کپڑا وہی رہا جو پہلے تھا۔ اسکی ایک اور تائید یہ ہوئی کہ ابوجعفر المنصور عباسی کے زمانہ سے یونانی فلاسفرون کی کتابون کا ترجمہ شروع ہوا اور مامون الرشید کے عہد مین تکمیل کو پہونچا یونان کو قدیم سے امرد پرستی کے ساتھ ایک خاص تعلق رہا ہے اور اسکی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ عورتین پردے مین رہتی تھین اور تعدد ازدواج اور طلاق کا رواج نہ تھا تھوڑے ہی عرصہ مین اس نئے مشغلے کا یہ زور ہوا کہ انسان سے دیوتاؤن تک نوبت پہونچی۔ ابتدا مین ایک دیبی ہیبی نامی دیوتاؤن کی مجلس کی ساقی تھی مگر بعد مین وہ معزول ہوئی اور ایک چرواہے کے خوبصورت بیٹے گینی میڈ کو یہ عزت دی گئی۔ سقراط اور افلاطون کے زمانہ مین اس نئے قسم کے عشق کا بہت چرچا تھا اور غالباً اسی وجہ سے اُس دانشمند حکیم نے عشق کے حبشی غلاف کو اوتار کر اوس پر روحانیت کا روغن چڑھا دیا چنانچہ جسوقت یونانی کتابون کے ترجمہ ہوے تو کل حیلہ اللہ لذیذہٗ کے اعتبار سے ہر شخص نے ان کو شوق کی نگاہون سے پڑھا اور سمجھا اور اُسکا فوری اثر یہ ہوا کہ شاعر جو رواجی قیود کی وجہ سے عورتون کو اپنا مخاطب بناتے ہوئے ڈرتے تھے انکو ایک نیا مضمون ہاتھ آگیا۔ مین سمجھتا ہون کہ مسلمانون مین جس شخص نے سب سے پہلے تذکیر کی علامت معشوق کے لیے استعمال کی ہے وہ ہارون الرشید کا مصاحب ابونواس[1] ہے۔ امین الرشید کی خلیفش پسند طبیعت نے عشق کی یونانی فلسفی سے کچھ اور سبق پڑھنا چاہا تھا مگر اسکی تیز ہوش مان زبیدہ خاتون نے اسکو آگے نہ پڑھنے دیا اور چند کم سن خوبصورت لونڈیون کو مردانہ لباس پہنا کر اسکے سامنے کر دیا۔ مامون الرشید کے زمانہ مین قاضی یحیےٰ ابن اکثم بھی مطعون ہوئے

[1] مروج الذہب للامام المسعودی حالات القاہر باللہ

مگر انکی بدنامی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ پبلک رائے ایسے میلان کو کیسی نظر سے دیکھتی
تھی[۱] مگر اس کے ساتھ ہی افلاطون اور فیثاغورث کی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ بجاے اس کے
کہ عشق کو ایک حسی چیز سمجھتے ایک روحانی چیز سمجھنے لگے سچ تو یہ ہے کہ افلاطون کی الہیات
نے تصوف کو اسقدر عام کردیا کہ وہ ہمارے تمام لٹریچر خصوصاً شاعری مین جسکو بالخصوص
جذبات انسانی سے تعلق ہے پھیل گیا۔ تصوف کی برکت نے ہمارے خیالات کو
اسقدر بدلدیا کہ شاعری کا تصور ہی کچھ سے کچھ ہوگیا۔ ہمارے خیالات اسقدر بلند ہوے
کہ ایک ایسے طبقہ مین پہونچے کہ جہان محسوسات کو داخل نہ تھا اور روحانی حسن کی روشنی
اور معشوق ازلی کے جلوہ کے سوا اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی عشق حسی لذتون کا نام نرہا
بلکہ اُن جذبات کا نام ہوگیا جو روح کے روح سے ملنے مین پیدا ہوتے ہین معشوق
کے ظاہری حسن کے مطالعہ مین اوس اعلے حسن کو دیکھنے لگے جو لازوال ہے ہر چیز مین
اُسی ایک ذات کا جلوہ کہ جسکی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نظر آنے لگا۔ حسن ظاہری کی لطافت
کو خالق کی صنعت کا نمونہ سمجھنے لگے عشق حقیقی کی لذتون کے سامنے ساری حسی لذتون
کو بھول گئے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جن لوگون کی مآل کار پر نظر ہوتی ہے وہ یہ نہین دیکھا
کرتے کہ کیا بات کرنی چاہیے اور کیا نہ کرنی چاہیے۔ جن لوگون کی خودیت صاف
ہوتی ہے وہ یہ نہین سوچا کرتے کہ کب خلقت برا اور کب اچھا کہیگی۔ جو لوگ ظاہر
پرستی اور ریاکاری سے بچے ہین وہ کسی کی لعن و نفرین کی پرواہ نہین کرتے اپنے
کام سے کام رکھتے ہین۔ تصوف کا اصل الاصول یہ ہے کہ عشق مجازی عشق حقیقی
کی سیڑھی ہے کیونکہ یہ اعلے مرتبہ بغیر اسکے کہ دل دنیوی لذتون سے مستغنی ہوجائے
عشق کی تکلیفون سے تکلیف نہ ہوسکے معشوق کی خواہشون کو اپنی خواہشون پر مقدم
سمجھے مختصر یہ ہے کہ جبتک روح جسم پر غالب نہ آجائے حاصل نہین ہوسکتا اور یہ
ظاہر ہے کہ یہ باتین جب تک کہ انسان عشق کے کوچہ مین قدم نہ رکھے سہل ہی سے
سدمہ کو گوارا کرے معشوق مجازی کے خیالات کو ایک مرکز پر مجتمع کرنا سیکھے۔ لعن
و نفرین خلایق کا ہدف بنکر دنیا سے ہاتھ نہ اوٹھا ے حاصل نہین ہوسکتین بلکہ یہی
تو یہ کہ ظاہری حسن کی بے ثباتی معشوق مجازی کی بیوفائی اور معمولی عشق کی ناتمام

[۱] ابن خلکان ترجمہ یحییٰ بن اکثم ۱۲

لذتون سے واقف ہوکر ہی انسان کا دل پورے طور پر معشوق حقیقی کے حسن لازوال کی طرف رجوع ہوتا اور اوس حقیقی لذت کے پوشیدہ خزانون سے واقف ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ ہماری راے مین اگر صوفیہ کرام نے مردون سے عشق کرنے کو جوایک اعلی درجہ کی دوستی کا نام ہے روا سمجھا تو کوئی برائی نہین کی کیونکہ وہ تو ایک دوسرے ہی عالم اور دوسری ہی وطن مین تھے۔ اونھون نے معشوق مجازی کو کبھی مقصود بالذات قرار نہین دیا بلکہ ہمیشہ عشق حقیقی کا ذریعہ سمجھا۔ غور سے دیکھو تو یہ اُن کی منزل مقصود کی ایک نہایت سیدھی راہ تھی۔ کیونکہ عورتون کے عشق مین غلبہ شیطانی سے جس سے کوئی انسان جب تک کہ حیات انسانیت اُس کے بدن پر ہے بری نہین ہوسکتا گمراہ ہوجانے کا بہت کچھ اندیشہ تھا مگر اسمین ایک پاک نظر عاشق کے لیے کوئی ایسا خطرہ نہ تھا۔ ان کا عشق عام یونانیون[1] اور پندرہ صدی کے طالیہ والون[2] اور شاہ فریڈرک اعظم[3] اور انگلستان اور فرانس کے پبلک سکولون[4] کا سا نہ تھا بلکہ وہ ایک دوسری ہی چیز تھا۔ ممکن ہے کہ بعض کی افلاطونیت مین خباثت کا بھی خمیر ہو مگر یہ مستثنی تو کلیہ کا بڑا ثبوت ہے۔ اسی وجہ سے شاعری مین اس نئے خیال کا نشو ونما پا تصوف کی ترقی سے دوش بدوش ہے۔ ہجری کی چوتھی صدی سے تصوف کا زور ہوا اور اسی زمانہ سے اس خیال کا اظہار روز بروز کے ساتھ شروع ہوا مگر ایسا کون شخص ہے جو اس رنگ کی تہ کو نہین پہونچا۔ اہل یورپ بے شک اعتراض کرسکتے ہین اور مجبور بھی ہین کیونکہ اون کو باوجود دعوے کے روحانیت سے بالکل لگاؤ نہین ہے۔ علاوہ اسکے یورپ کے مغالطے مین پڑنے کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ عربی اور اسیطرح اردو اور فارسی مین جن الفاظ سے کہ عشق کے جذبات ظاہر کرتے ہین قریب قریب اُنھین الفاظ کو دوستی کے جذبات کے اظہار کے لیے بھی استعمال کرتے ہین کسی پرانی انشا کو اُٹھا کر دیکھو کہ کن الفاظ مین ایک دوست دوسرے دوست کے درد جدائی کو ظاہر کرتا ہے پرانے زمانہ پر نظر ڈالو کہ دو کبرسن بڈھے جو قبر مین پاؤن لٹکائے بیٹھے ہین کن الفاظ مین ایک دوسرے کے ساتھ اظہار محبت کرتے ہین اور کیسے

---

[1] تاریخ یونان اتھینس [2] سوانح عمری بینو تیو تو سیلینی [3] کارلائل سوانح عمری فریڈرک اعظم

[4] ایلی منٹس آف نیچرل اینڈ فزیکل ریلیجن۔

کیسے پردرد اشعار لکھتے ہین۔ اسی سے قیاس کرسکتے ہین کہ ہمارے مغربی معترضون اور اُن کے بے تمیز مقلدون نے اکثر اظہار دوستی کو بھی اظہار عشق سمجھ لیا ہے۔ ایہم ایک نظر فارسی اور اوسکی بیٹی اردو شاعری پر بھی ڈالتے ہین۔ فارسی شاعری مامون الرشید[1] کے عہد مین ابوالعباس سے شروع ہوئی اور پھر مدتون خاموش رہنے کے بعد رودکی نے اوس کو زندہ کیا۔ جسوقت فارسی شاعری نے نشو ونما پایا ہے اسوقت تصوف اور نئی طرز خیال کو بہت زور تھا بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اوس نے نئے طرز خیال ہی کی گود مین پرورش پائی کسی ملک کی موجودہ طرز معاشرت سے اُس گذشتہ حالت پر استدلال کرنا صحیح نہین۔ جو لوگ علم تاریخ سے مذاق رکھتے ہین وہ خوب جانتے ہین کہ اس قسم کے استدلال مین سراسر گمراہی ہے جب ایک قوم کو عروج ہوتا ہے اوسکا اخلاق بھی پاکیزہ ہوتا ہے۔ مگر جب ادبار کی گھٹا اوس کے سر پر منڈلانے لگتی ہے تو اخلاق و آداب و طرز معاشرت سب کچھ بدل جاتے ہین اور اوس کی گذشتہ اور موجودہ حالتین اسقدر فرق ہوجاتا ہے کہ کسی صورت سے ایک کو دوسرے کا لازمی نتیجہ نہین کہہ سکتے۔ اسمین شک نہین کہ ایران کی اخلاقی حالت آجکل نہایت قابل نفرت ہے یہانتک کہ زبان قلم کو بھی لکھتے شرم آتی ہے مگر اس سے یہ سمجھنا کہ یہ حالت پچھلی حالت کا آئینہ ہے اور اوس کی نیبا دپچھلے زمانہ مین پڑی ہوگی سراسر ناانصافی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ فارسی اشعار کو تو ایسے اعتراض سے بالکل علحدہ رہنا چاہیے تھا۔ برخلاف عربی کے فارسی مین تذکیر و تانیث کے اظہار کے لیے علیحدہ علیحدہ ضمیرین نہین ہین اور نہ بیجان الفاظ مین اس قسم کا امتیاز کیا گیا ہے۔ اردو کی بیشک دوسری کیفیت ہے لیکن جو کچھ اب ہم فارسی اشعار کی نسبت لکھتے ہین وہ اردو اشعار سے بھی متعلق ہے۔ کسی اردو یا فارسی دیوان کو اٹھا لو اور کوئی غزل پڑھو دیکھو کیا معلوم ہوتا ہے۔ خطاب تو بظاہر مرد ہی سے معلوم ہوتا ہے لیکن جب کوئی سراپا کا شعر آجاتا ہے تو گویا سمان نظر آتا ہی تم ایسا سراپا مرد کا لکھوگے یا عورت کا۔ علاوہ اس کے کسی قوم کے طرز خیال کا اندازہ صرف غزل ہی سے نہین ہوسکتا ہمکو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مثنویون اور واسوختون کی کیا کیفیت ہے۔ اب اگر مثنویون کو دیکھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے مرد کو عورت یا

[1] المامون للعلامہ شبلی ۱۲

عورت کو مرد ہی سے ساتھ عشق تھا - واسوختون کی بھی یہی کیفیت ہے پہلے ضمیرین تو برابر
تذکیر کی آرہی ہین مگر سراپا دیکھو تو عورت کا - ہماری دوسری دلیل یہ ہے کہ عشق و عاشقی
کی وہ مثالین جو اُن کے دل پر اسقدر غالب آگئین تھین کہ ہر وقت ہر موقع پر اُنکی
زبان سے بیساختہ نکلجاتی تھین وہ بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہین - لیلی و مجنون -
فرہاد و شیرین - وامق و عذرا کا نام تو ہر شاعر کے کلام مین موجود ہے مگر بیٹے ملاوشتی
اور رانی جیسے لوگون کا نام آج تک کسی شعر مین نہین دیکھا - علاوہ اس کے معشوق
کو جو تشبیہ دیتے ہین تو ہمیشہ لیلی یا شیرین سے دیتے ہین اسلیے عقل سلیم
کیونکر باور کرسکتی ہے کہ ہمارے شاعر اسقدر کج فہم ہین کہ مرد کو عورت سے تشبیہ
دین - مین دریافت کرتا ہون کہ لیلی یا شیرین یا لیلی ادا یا شیرین ادا مرد کو کہا جائیگا
یا عورت کو - اسمین شک نہین کہ محض ضمیرون ہی کی تبدیلی نہین ہوئی بلکہ دوسرے
فرقہ کی بھی بعض ادائین آگئین مگر اسکی وجہ ظاہر ہے - تسلسل خیالات کے مضبوط
قاعدہ کے بموجب اکثر اور بعض اوقات قدرت کے طریقہ کے غلط تصور سے استعارہ
کو اسقدر طول دیکر سبزہ خط وغیرہ بھی محیط شاعری مین داخل ہوگیا -

ملیچھ۔ بہرشٹ۔ یوں

عام لوگوں کے خیال میں ہندو مسلمانوں کے اتحاد کے مانع جہاں اور امور ہیں وہاں ایک یہ بھی ہو کہ وہ مسلمانوں کو ملیچھ اور بہرشٹ سمجھتے اور کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ الفاظ ہر کس و ناکس کی زبان پر چڑھے ہوئے ہیں لیکن اگر اُن کے معنی دریافت کیئے جائیں تو شاید اچھے اچھے بھی اس سے زیادہ نہ بتا سکیں کہ نجس و ناپاک کو کہتے ہیں۔ لیکن ان الفاظ کے معنی خواہ عام لوگوں کے اذہان میں کچھ بھی ہوں در اصل نجس و ناپاک کے نہیں ہیں۔

لفظ ملیچھ سنسکرت میں در اصل ملینچھ ہو اور اسکی تاریخ نہایت دلچسپ ہے مہابھارت میں درج ہو اور نیز دیوی بھاگوت میں حوالہ ہے کہ وششٹ ایک بہت بڑے مُنی (اہل اللہ) تھے جو ترک دنیا کر کے جنگل میں یاد الٰہی میں مصروف رہا کرتے تھے اُن کے پاس ایک گائے تھی جس کا نام کام دھینو تھا اور اُسمیں یہ صفت تھی کہ شجر طوبیٰ کی طرح جس چیز کی خواہش ہو موجود کر دیتی تھی۔ اتفاق سے ایک دفعہ ایک عظیم الشان راجہ وشوامتر نامی کا گزر اُس جنگل سے ہوا اُسنے مُنی کے مقابلے میں اپنی قوت و اقتدار کے اظہار کے لئے اُس سے درخواست کی کہ وہ اسکی دعوت کرے اور یہ خیال کیا کہ ایسی ایسی چیزوں کی فرمائش کی جاے کہ خواہ نخواہ مُنی کو عاجز ہو کر خفیف ہونا پڑے۔ مُنی نے بخوشی قبول کیا اور کام دھینو کے ذریعے سے اُسکی عجیب سے عجیب فرمائشوں کو بھی بآسانی پورا کیا جب وشوامتر نے یہ حالت دیکھی تو اُسکو نہایت تعجب ہوا اور بہت کچھ چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ سب کارگزاری وششٹ مہاراج کی گائے کی ہے اور چونکہ اُس کو معلوم تھا کہ مُنی لوگوں کا قاعدہ ہے کہ کوئی چیز مانگی جائے تو اُس کے دینے سے کبھی انکار نہیں کرتے

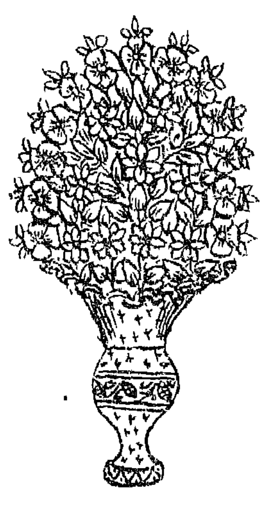
اُس نے وشسشٹ سے اُس گائے کا ہی سوال کیا۔ وشسشٹ شش و پنج مین بہت پڑے
مگر کرہی کیا سکتے تھے کیون کہ انکار تو اُنکے مسلک مین جائز ہی نہ تھا اسلیے اُنھون نے
راجہ کو جواب دیا کہ میری طرف سے اجازت ہے مگر گائے کا پکڑنا تمھارا کام ہے
میرے بس کا نہین ہے۔ وشوامتر اس شرط کو سُن کر بہت ہنسا اور اُس نے
اپنی فوج کو حکم دیا کہ فوراً کام دھینو کو گرفتار کرلین۔ مگر وہ گائے کاہیکو پرکالۂ
آتش تھی۔ ہر شخص پکڑنے کی کوشش کرتا تھا مگر وہ کسی کے قابو مین نہ آتی تھی۔
جہان کوئی قریب پہونچا اور وہ بجلی کیطرح نکل گئی کچھ دیر تک تو یہی لطف رہا
لیکن جب وشوامتر کی فوج نے ہر طرف سے یورش کی تو گائے نے غصے مین آکر
پھُریری لیکر جسم کو جھٹکا اور اُس کے ساتھ ہی اُس کے روئین روئین سے
جوجی اور سورما لوگ سطحِ زمین پر گرے اور اُنھون نے دیکھتے ہی دیکھتے مغرور
وشوامتر اور اُس کی سرکش فوج کو نیچا دکھایا۔ اسی قوم کا نام ملیچھ ہے اور
چونکہ وہ نہ زبان سنسکرت بولتے تھے اور نہ ہندؤن کے رسم ورواج کے
پابند تھے اس لیئے دوسری اس قسم کی قومون کو بھی ملیچھ کہنے لگے پس ہندؤن
نے جو مسلمانون کو ملیچھ کا خطاب دیا ہے وہ اسی مناسبت سے ہے کہ وہ ایک
بہادر قوم ہین اور نہ زبان سنسکرت بولتے ہین اور نہ ہندؤن کے رسم ورواج
کے پابند ہین اور اس لحاظ سے یہ خطاب کچھ نامناسب بھی نہین ہے۔ اسی طرح
کا لفظ یَوَن بھی ہے۔ یہ لفظ غالباً یونان سے نکلا ہے۔ اسکندر اعظم نے
جب ہندوستان پر حملہ کیا تو سرحد ہندوستان پر اُس کے جنرل سلیوکس
کے ایک عظیم الشان یونانی سلطنت بنام بیکٹریا یا بختیار یا قائم کرنے سے اہل
ہند کے تعلقات یونانیون کے ساتھ قائم ہوئے اور اکثر ہندو راجہ اس قوم کے
خادم رکھا کرتے تھے خاصکر کالیداس کے ڈرامائون کے دیکھنے سے معلوم ہوتا
ہے کہ سلاح بردار کی خدمت اسی قوم کی عورتون کے سپرد ہوتی تھی۔ بعد مین اس
لفظ کا اطلاق ترکون اور عربون پر بھی ہونے لگا۔ چنانچہ آخر زمانے مین مسلمانون
کو بھی اسی نام سے مخاطب کرنے لگے۔ پس دراصل ملیچھ یا یَوَن کے الفاظ کے
کوئی ایسے معنی نہین ہین کہ وہ موجب توہین سمجھے جاسکین البتہ قومی رسم و رواج

کے اختلافات اور امتداد زمانہ کے لحاظ سے اُنھین ایک ذم کا پہلو بھی پیدا
ہو گیا ہے۔ ہندؤنین جو پابندیان کہ کھانے پینے اور نہانے دھونے کے
متعلق ہین وہ اظہرمن الشمس ہین برخلاف اس کے کھانے کے متعلق مسلمان
بالکل آزاد ہین کہ نہ اُن کے یہان نہانے کی قید ہے اور نہ یہ کہ کسی خاص شخص
کے ہاتھ کا پکا ہوا کھایا جائے۔ ہندؤن کو مسلمانون کی آزادی خاصکر ابتدا
مین نہایت عجیب معلوم ہوئی ہوگی اور اسی وجہ سے اُن کو مسلمانون کی نسبت
یہ غلط فہمی ہوئی کہ وہ طہارت کا خیال نہین کرتے اور یہی سبب ہے کہ ملیچھ کے
معنے مین غیر مطہر کا پہلو نکل آیا۔ اس مین شک نہین کہ ہنود قدیم سے ایک
اعلیٰ درجے کی تہذیب یافتہ قوم ہین اور تمام اقوام شائستہ کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے
مقابلہ مین اقوام غیر کو خواہ وہ شائستگی کے کتنے ہی مدارج طے کر چکے ہون ناشائستہ
سمجھا کرتی ہین۔ اور در اصل یہ خیال قومی عصبیت اور رفتار ترقی کی مستعدی
سے قائم رکھنے کے لئے ضروری بھی ہے۔ قدیم یونانیون کو دیکھو کہ جب آفتاب تمدن
نے سرزمین یونان کو منور کیا تو گو اُنکی معاصر اقوام ایرانی و مصری بعض اعتبارات
سے اُن سے کہین تہذیب و شائستگی مین بڑھے ہوئے تھین مگر وہ اُن کو بشمول
دوسرے اقوام غیر کے باربرس یعنی وحشی کہا کرتے تھے۔ جب یونانیون کے
بعد خلعہ تمدن سے رومیون کے جسم کو زینت ہوئی تو گو یونانی باوجود عصر ادبار
مین مبتلا ہونے کے برابر اُن کو باربرس کہے گئے لیکن رومیون نے بھی یہ
خطاب سوائے یونانیون کے باقی تمام قومون کو دیا۔ اس کے بعد جب انقلاب
روزگار نے دنیوی حکومت کا تاج رومیون کے سر سے اُتار کر عربون کے
سر پر رکھا اور آفتاب تہذیب بجائے مغرب کے مشرق مین طلوع ہونے لگا تو
اُنھون نے اہل ایران کو جو اہل عرب سے کہین شائستگی مین بڑھے ہوئے تھے
عجم کا خطاب دیا اور گو ملیچھ کی طرح ابتدا مین اس کے معنے کچھ برے نہ تھے مگر
پھر عرب و عجم کے رسم و رواج کے اختلافات اور باہمی رقابت کی وجہ سے جو
ذم کا پہلو اس کے معنی مین پیدا ہو گیا ہے وہ محتاج بیان نہین ہے۔ اسی طرح
جب اہل یورپ کی ترقی کا دور آیا تو وہ بادہ تہذیب سے ایسے مست [illegible]

کہ جن قومون کے سامنے اُنھون نے زانوئے شاگردی تہ کیا تھا اُن کو بھی نیم شائستہ
یا دوسرے الفاظ مین نیم وحشی کہنے لگے۔ پس اگر ہندؤن نے بھی اپنی شائستگی کے عروج
مین جو دماغی طور پر ہرگز کسی دوسری قوم کی ترقی سے کم نہ تھا اقوام غیر کو ایسے الفاظ
سے جیسے کہ ملیچھ اور یونانیان مخاطب کیا تو کچھ تعجب نہین ہے۔ بھرشٹ کے ابتدائی
معنی آزاد کے تھے یعنی وہ شخص جو رسوم مذہبی کا پابند نہو اور چلتے چلتے اس کے
معنے مرتد کے ہو گئے۔ یہ لفظ دراصل ہندؤن مین مسلمانون کی نسبت استعمال نہین ہوتا
بلکہ اُن ہندؤن کی نسبت ہوا کرتا ہے جو اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار
کر لیتے ہین یا جو کسی بے احتیاطی کی وجہ سے ذات سے خارج ہو جاتے ہین۔
پس جبکہ یہ لفظ مسلمانون کے متعلق استعمال ہی نہین ہوتا تو شکایت
بھی بیجا ہے۔

مین یہ بہت زور سے کہتا ہون کہ ہندو لوگ خواہ دل مین کچھ ہی سمجھتے
ہون اور ظاہر ہے کہ دل کا حال خدا ہی جانتا ہے لیکن ظاہر مین وہ کبھی کسی
مسلمان کو ملیچھ نہین کہتے گو کہ اس لفظ کا استعمال اصلی معنے کے اعتبار سے کچھ برا
نہین ہے اور جبکہ ایسی حالت ہے تو مسلمانون کو کوئی شکایت کا موقع نہین ہے
کیونکہ اگر انصاف سے دیکھین گے تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دل مین ہندؤن کو کچھ
نہین سمجھتے بلکہ وہ تو علانیہ بھی کافر مشرک کہہ گزرتے ہین۔ ہندو مسلمانون کے
اصلی تعلقات دریافت کرنیکے لیئے دیہات مین جانے کی ضرورت ہے جہان انگریزی
تہذیب اور اخبارون کا بھی اثر نہین پڑا ہے اور وہان ہر طرف برادرانہ تعلقات
ہی نظر آئین گے یہان تک کہ مسلمان عقائد مذہبی کے لحاظ سے بھی مشکل ہی سے مسلمان کہے جا سکتے ہین
اور ہندو مسلمان پیرون کی بلا تکلف اپنے دوسرے دیوتاؤن کیطرح پرستش کرتے ہین۔ دکن کے دیہات
مین ہندو مسلمانون کے نام تقریبًا ایک سے ہوتے ہین اور مسلمانون کی صرف یہ
پہچان ہے کہ بھائی کا لفظ اُن کے نام کا جزو ہوتا ہے۔ اور ہندو لوگ گفتگو مین بھی
اُن کو بھائی کہتے ہین۔ اسی طرح راجپوتانہ اور شمالی ہندوستان مین مسلمانونکو
عموماً ہندو میان لوگ کہا کرتے ہین جس طرح کہ انگریزون کو صاحب لوگ کہتے
ہین۔ پس اگر ملیچھ کا لفظ مسلمانون کی نسبت از سر نو استعمال ہونا شروع ہوا ہے

تو جدید تہذیب کا کرشمہ ہوا اور ہم سب پر لازم ہے کہ اس قسم کے اختراعات کو پس پشت ڈال کر پھر قدیم تعلقات کو قائم کرنے کی کوشش کرین - میرا مشورہ مسلمانون کو یہ ہے کہ وہ ہرگز کوئی ایسا لفظ اپنے بھائی ہندؤن کی نسبت زبان پر نہ لایا کرین جو اُن کی دلشکنی یا توہین کا موجب ہو اور اگر اُن کے بھائی ہندو اُن کی نسبت کوئی ایسا لفظ جیسا ملیچھ یا بھرشٹا ہے استعمال بھی کرین تو اُس کو اصلی معنی مین لیا کرین اور ہندؤن کو بھی مین یہی رائے دونگا کہ وہ بھی ایسے الفاظ کے استعمال سے پرہیز کرین جن مین ذم کا پہلو نکلتا ہو اور اگر مسلمانون کی زبان سے کوئی لفظ خلاف شان سُنین تو اُس کو نیک نیتی سے اُن کے معتقدات مذہبی پر محمول کرین - دُنیا دار المکافات ہے بغیر لیئے دیئے کام نہین چلتا -



وغیرہ

خدا عربی زبان کا بھلا کرے کہ ہمکو ایک عجیب جامع لفظ مل گیا ہے کہ جہان تفصیل کی پیچیدگیون سے اُلجھن ہوئی یا حافظہ نے بیوفائی کی اور ایک ہی لفظ مین تمام مشکلین حل ہو گئین۔ عربی کی شفقت مادری نے ایک اور لفظ وقس علی ھذا بھی ہمکو دیا ہے لیکن ایک تو وہ ثقیل اس قدر ہے کہ سوا بڑے عمامہ والے مولویون کے اور کسی کی زبان سے نکل نہین سکتا۔ دوسرے اُس مین وہ وسعت اور لوچ بھی نہین ہے جو وغیرہ مین ہے۔ کیونکہ وقس علی ھذا کے لیئے نوع اور جنس کا ایک ہونا ضروری ہے مگر وغیرہ کا دامن اسقدر وسیع ہے کہ یہان نوع اور جنس تو کیا حیوان و انسان ذی روح و غیر ذی روح۔ مادی و غیر مادی کسی قسم کے امتیاز کی بھی ضرور نہین ہے۔ یہ ایک لفظ زبان پر آیا اور دُنیا بھر کے جھگڑون سے نجات ملی۔ لفظ کا ہے کو ہے کوہ ہمالیہ ہے کہ اپنے فراخ دامن مین ایک پوری دُنیا کو لیئے ہوئے ہے۔ اگرچہ اہل عرب کی طرح اس لفظ پر بھی ہند کی آب و ہوا نے اتنا اثر ضرور کیا کہ اصلی رنگ روپ باقی نہین رہا مگر اسی کے ساتھ کچھ ایسی موافق بھی آئی کہ اُردو کے علاوہ بھی جتنی زبانین ہند مین مروج ہین۔ مثلاً ہندی۔ پنجابی۔ گجراتی۔ بنگالی۔ مرہٹی ان سب مین تھوڑے تھوڑے تغیر سے اسکا جلوہ نظر آتا ہے۔ سامی غین کا تلفظ آرین زبانون کے بس کا نہ تھا لیکن اُسکا نعم البدل گ موجود تھا اور اس لئے وہ دونون طرح نفع مین رہے لفظ کا لفظ مل گیا اور حلق پھاڑنے سے بھی بچے۔ آپ اس غریب پرور لفظ کی عیب پوشی دیکھیئے کہ کوئی بیچارہ نوع و جنس کی چٹانون سے ٹکرین کھا رہا ہے۔ حدود منطقی سے واقف نہین ہے۔ ہر چند طبیعت پر زور ڈالتا ہے مگر پھر پھر کے ایک ہی الفاظ ذہن مین آتے ہین اور گاڑھی جہالت کی

دلدل مین پھر ایسی پھنسی ہی کہ نکلنے کا نام نہین لیتی۔ ایسی حالت مین دفعتاً یہ لفظ ذہن مین آتا ہی اور تمام مرحلے طے ہو جاتے ہین۔ اسی طرح اگر کسی شے کی تعریف مقصود ہوا اور صفات ذاتی و عرضی کی بھول بھلیون سے آشنائی نہ ہوا اور نہ دوسرے طور پر ذہن رسائی کرتا ہو تو دیکھو اس لفظ کی بدولت تعریف مین کیسی جامعیت آجاتی اور جہالت کیسی جلدی سے پردۂ علم مین روپوش ہو جاتی ہے۔ حافظہ کی خرابی کے لیئے تو یہ لفظ اکسیر کا کام کرتا ہی باتین تو چند بیان کرنی ہین مگر حافظہ ہے کہ ضدی بچّہ کی طرح بگڑ بیٹھا ہی۔ لاکھ خوشامد منت سماجت کرتے ہین۔ بلکہ تیور بدل بدلکر ڈراتے دھمکاتے بھی ہین مگر کسی طرح راہ پر نہین آتا۔ دفعتاً اس عیب پوش لفظ پر نظر پڑتی ہی اور تمام مشکلین حل ہو جاتی ہین۔ سچ یہ ہی کہ جس طرح یہ ایک لفظ دراصل چند الفاظ کا مجموعہ ہی اور اُس کے اعداد بھی ہزار سے متجاوز ہین اُسی طرح اسکا اطلاق بھی ہزارون ہی اشیا پر ہو سکتا ہی بلکہ اعداد تو خواہ کتنے ہی بڑے ہون پھر بھی اُن کی ایک حد ہوتی ہے مگر اسکے معنی کی وسعت لاانتہا ہی ہے۔ خدا بھلا کرے حیدرآباد کے قدیم مقننون کا کہ اُن کے احکام و گشتیات مین اس ایک لفظ کی رنگ آمیزی سے عجیب جامعیت آجاتی تھی۔ مختلف جرائم کی نوعیت اور امتیاز سے چاہے واقفیت ہو یا نہو مگر دو ایک مشہور جرائم کا نام لکھنے کے بعد وغیرہ لکھدیا اور تمام افعال جائز و ناجائز داخل ہو گئے۔ بڑے بڑے فقہ اور شاستر اور مالگذاری کے مسئلے جن مین مدوّن و واضعان قانون نے غوطے لگائے۔ مگر گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ اس ایک لفظ کی بدولت حل ہو جاتے تھے مگر بُرا ہو نئی تہذیب کا کہ اُس نے یہ سہارا بھی باقی نہ رکھا۔ اب تو منطقی طرز خیال نے ہر ہر لفظ کی تعریف لازمی کر دی ہے اور تفصیل کا تو یہان تک التزام ہے کہ جہان رُکے اور مطلب فوت ہوا اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ قانونی دُنیا کی حد تک وغیرہ کا دور ختم ہوا۔ اور اب تو یہ حالت ہو گئی ہی کہ جہان مجالس وضع قوانین کا اجلاس ہوتا ہی وہان اس غریب کو گھسنے تک نہین دیتے تلک الایام نداولہا بین الناس۔ ایک زمانے مین جبکہ حیدرآباد مین نظم جمعیت (فوج بے قاعدہ) کا دور دورہ تھا۔ اُس کے لاانتہا ہی سلسلون کی پیچیدگیون کے سلجھانے مین غریب

اُن پڑھ متصدیون کو اس لفظ سے بڑی مدد ملتی تھی۔ چوبدارون کی تفصیل بیان کرنی ہے اور پھر اس مین بیسیون علاقون کی تصریح کی ضرورت ہے اگر ہر علاقے کی تفصیل بیان کیجائے تو ایک دن کیا کئی دن لگ جائین۔ مگر ختم نہو۔ اس لیئے سہل نکالا یہ سمجھ مین آیا کہ "محمد سراج وغیرہ وہ نفر آوردہ احمد بخش مرد بہہ" لکھدیا۔ اور اسی طریقے سے سوارون کے بے گنتی علاقون سے بھی گلوخلاصی حاصل کی۔ بیچارے متصدیون نے اپنی محنت بچائی مگر میان سراج کی جدت طرازی کو آئین کچھ اور ہی تماشا نظر آیا۔ یہ تو نہ سمجھے کہ اس دم کے لگنے سے لوگون کو اُن کی ذات بابرکات مین انسان کے علاوہ اور کس کس چیز کا جلوہ نظر آئیگا۔ مگر حوصلہ مندی عجیب چیز ہی۔ جھٹ عہدہ وغیرگی کا دعوی کر بیٹھے اور گو تنخواہ کا اضافہ نہ سہی مگر برائے نام افسری تو ملگئی اور روزانہ نوکری کے جھگڑون سے بھی بچے۔ ادہر اُدھر صاحب آوردہ بھی سمجھے کہ مفت مین ایک عہدہ دار مل گیا۔ بُرا کیا ہے۔ ہاتھ ہی بٹے گا۔ غرضکہ آن کی آن مین ایک نیا عہدہ قائم ہوگیا اور وہ بھی ایسی خوبصورتی سے کہ کسی کے خیال مین بھی نہ گذرا ہوگا۔ اب چاہے لوگ آتش کے ہمزبان ہوکر کہتے پھرین۔

دہن پر ہین اُنکے گمان کیسے کیسے

مگر یار لوگون نے تو اپنا کام نکال لیا۔ حلقہ گوشان نظم جمعیت جو اس معزز لقب کو اپنے نام کی زیب و زینت کا باعث سمجھتے ہین۔ اُن پر لازم ہے کہ اُس شخص کی روح پر ہمیشہ فاتحہ پڑھتے رہین جس کی طباعی نے سب سے پہلے اس باغ عدن کا دروازہ کھولا کیونکہ کسی انگریز فلاسفر کا مقولہ ہے کہ جس شخص نے سب سے پہلے کیل سی بے حقیقت چیز بنائی وہ بھی دُنیا کا بہت بڑا محسن تھا۔

یہ تو حضرت وغیرہ کی معراج تھی۔ اب پستی دیکھیئے کہ دہلی اور لکھنؤ کے بازاری لوگون نے نہ معنی ہی قائم رکھے اور نہ صورت ہی۔ بلکہ نہایت بیرحمی کے ساتھ شرکت اُڑادیا اور رگے کہنے۔ ایرا غیرا نتھو خیرا پنچ کلیان۔ مگر ہے یہ کہ ایسے پنچ کلیانون سے سوائے اسکے امید ہی کیا ہوسکتی تھی۔

دل لگی تو ہوچکی اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس لفظ مین ایسی کیا چیز ہے ادھر

زبان پر آیا اور اُدھر چودہ طبق روشن ہوئے - بات یہ ہے کہ انسان بڑا ہی خود پرست
ہے اور اُس کو جیسا لطف اپنی طبیعت کی جولانیون مین آتا ہے ویسا کسی دوسرے
کی ذہانت آرائیون مین نہین آتا اور اِس لفظ مین اگر کوئی بات ہے تو یہی
ہے کہ اصلی معنی تو کچھ بھی نہین مگر دامن اس قدر وسیع کہ جو چاہو سمجھ لو اور
اسی وجہ سے جہان مُنھ سے نکلا متخیلہ کو چھیڑ ہوئی اور اُس نے چمن آرائیان شروع
کین - خیالات ہین کہ دریا کی طرح ہر طرف سے اُمڈے چلے آتے ہین اور توہم ہین
کہ ایسی ایسی گلکاریان کر رہے ہین کہ کسی نے خواب مین بھی نہ دیکھی ہون -
درستی اخلاق کی معراج یہ ہے کہ انسان باہمہ اور بے ہمہ ہو اور یہی بات اِس
لفظ مین بھی ہے کہ اُس کے معنی کچھ بھی نہین اور پھر بھی سب کچھ ہین - پس اگر اُسکی
مقبولیت کا کوئی راز ہے تو یہی ہے -

دو عجیب لفظ

معنی جسم اور لفظ لباس ہین یا شاید یہ کہنا زیادہ صحیح ہو کہ معنی روح اور لفظ جسم یا یہ کہ معنی جوہر اور لفظ عرض ہین۔ پس جس طور پر کہ روح کا تعلق جسم کے ساتھ جسم کا لباس اور جوہر کا عرض کے ساتھ دریافت کرنا دلکش تو ضرور ہی مگر ایک بحر ناپیدا کنار مین غوطہ لگانا ہی۔ اُسی طرح معنی کا تعلق لفظ کے ساتھ دریافت کرنا گو ایک نہایت مشکل امر ہی لیکن اُسی کے ساتھ اپنی بے انتہا دلچسپیون کی وجہ سے انسان کے لیے کشش مقناطیسی بھی رکھتا ہے۔ گو الفاظ کے بغیر ہمارا کام ایک لحظہ کے لیے نہین چل سکتا۔ لیکن انگریزی کی ایک مثل ہے کہ "بے تکلفی مورث تحقیر ہے" شاید اسی وجہ سے ہم کبھی الفاظ کی ساخت۔ اُن کی ماہیت اور اُنکی ظاہری و باطنی تبدیلیون پر غور کرنے کا قصد نہین کرتے ورنہ دراصل یہ امر کہ کس لفظ کا مخرج کیا ہے وہ کس طور پر ہماری زبان کا جزو بنا اور ایسا ہونے مین اُسکی ظاہری شکل اور اصلی معنی مین کیا کیا تبدیلیان واقع ہوئین اور وہ بالآخر اپنی ہیئت موجودہ پر کن انقلابات کے بعد پہونچا نہایت دلفریب ہے۔ اگر الفاظ پر فلسفہ تاریخ کے لحاظ سے نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لفظون کے معنی اور اشکال مین جو تبدیلیان ہوئی ہین وہ مُلکی اور قومی انقلابات سے کم دلچسپ نہین ہین۔ اور بعض اوقات تو ایک ایک لفظ کئی قرنون کی تاریخ کا مجموعہ ثابت ہوتا ہے۔ دراصل الفاظ قومی ترقی و تنزّل کی شاہ راہ پر مثل کے پتھرون کا کام کرتے ہین۔ اور اُن پر غائر نظر ڈالنے سے اس امر کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ ہم کہان سے کہان پہونچ گئے ہین۔ گو یہ کام اس وجہ سے کسی قدر دشوار ہے کہ الفاظ کی صورت اُس زبان کے تلفظ کی خصوصیت دوسرے الفاظ کی مناسبت استعمال کی کثرت اور امتداد مدت کی وجہ سے اس قدر بدل جایا کرتی ہے کہ اُن کا اصلی حالت پر لانا کچھ آسان کام نہین ہوتا۔ اگر اتفاق سے کبھی فرصت

ہوتی ہے تو مین اکثر اس قسم کی اُدھیڑبن مین اپنا وقت صرف کرتا ہون۔ اور مین نہین کہہ سکتا کہ جو وقت اس طور پر صرف ہوتا ہے وہ کس قدر لطف سے گزرتا ہے۔ کیونکہ خاصکر ہماری اُردو زبان جو بطور خود کوئی زبان نہین بلکہ بہت سی زبانون کا مجموعہ ہے اس قسم کی تحقیق کے لیئے اور بھی موزون اور نتیجہ خیز فوائد سے مملو ہے۔ اُردو مین دو عجیب سے لفظ ہین جو ہر کس و ناکس کی زبان پر چڑھے ہوئے ہین اور گو مین نے اکثر لوگون سے دریافت کیا کہ وہ کس زبان سے آئے ہین۔ اور دراصل مین کیا تھے لیکن آج تک کسی نے تشفی بخش جواب نہین دیا۔ وہ الفاظ "ولندیزی" اور "سوہن حلوا" ہین۔ پہلا لفظ تو اپنے معنی کی طرح نہایت ہی عجیب اور انگڑہ معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرے لفظ کی ترکیب بھی کچھ کم حیرت انگیز نہین معلوم ہوتی۔ یہانتک کہ فصحائے دہلی و لکھنؤ نے اسکو مہمل سمجھکر بازاری زبان کے لیئے مخصوص کر دیا ہے۔ اور اپنے لیئے ایک نیا لفظ "حلوا سوہن" نکال لیا ہے۔ لفظ "ولندیزی" ایک عجیب لفظ ہے۔ اور اس مین دراصل ایک پورے زمانے کی تاریخ مضمر ہے۔ یہ لفظ انگریزی لفظ ہالندیز سے نکلا ہے اور "ہالندیز" ملک ہالینڈ کے رہنے والون کو جن کا اصلی لقب ڈچ ہے کہتے ہین۔ جو لوگ کہ اہل یورپ کے ہندوستان مین آنے اور حکمرانی حاصل کرنے کی تاریخ سے واقف ہین وہ بخوبی جانتے ہین کہ پرتگیزون کی حکومت کی انتزاع کے جہان اور باعث ہوئے وہان ایک یہ بھی تھا کہ ہالنڈ کے باہمت باشندون نے بھی مشرق کی تجارت مین حصہ بٹانے کی طرف توجہ کی اور اُنھون نے بھی ہندوستان اور مجمع الجزائر ہند مین اپنے کارخانے اور سلطنت قائم کی چنانچہ "جزائر جاوا" وغیرہ ابھی تک اُنھین کے تحت مین ہین۔ ہندوستان مین پرتگیزون کی حکومت کے جانے کے بعد ایک عرصے تک ڈچ لوگون کو اچھا فروغ ہوا۔ مگر پھر انگریزون اور فرانسیسیون کی اولوالعزمیون نے اُن کی تجارتی ترقی اور بیرونی حکومت کا چراغ گل کر دیا چنانچہ اخیر زمانے مین قصبہ "سری رام پور" کو جہان کا کاغذ اب بھی مشہور ہے خود اُنھون نے انگریزون کے حوالے کر دیا۔ ڈچ لوگ بقول انگریزون کے بالطبع بھدّے اور اوضاع و اطوار مین انگڑہ ہوتے ہین۔ اور تجارتی و حکومتی رقابت نے تو اس خیال مین اور بھی رنگ آمیزی کی۔ پس دراصل لفظ "ولندیزی" اُس زمانے کی

اُردو کانفرنس بدایون

صدر انجمن جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے کی افتتاحی اسپیچ

اے حضرات! مین تہ دل سے احباب بدایون کا شکریہ ادا کرتا ہون کہ اُنھون نے اس عظیم الشان جلسے کی صدارت کی عزت مجھکو بخشی - اگرچہ مجھکو اعتراف ہی کہ ابھی تک مجھ سے اپنے ملک یا قوم یا کم سے کم ملکی زبان کی ایسی کوئی خدمت نہین بن پڑی ہی کہ مین اپنے آپکو اس اعزاز کا مستحق سمجھ سکون بلکہ سچ یہ ہی کہ اس جلسہ مین بہت سے ایسے بزرگان قوم موجود ہین جو مجھ سے بہت زیادہ استحقاق رکھتے ہین جبکہ ملک مین عام بیداری کے آثار پیدا ہوچکے ہین اور ملک کا کام کرنے کا جوش خواہش کے درجے سے نکل کر عملی قابلیت مین جلوہ گر ہو رہا ہے اور ہر طرف کانفرنسون اور کانگرسون کی گرم بازاری ہے تو بڑے افسوس کی بات ہی کہ وہ زبان جسکو ہندوستان کی عام زبان ہونیکا فخر حاصل ہے عالم کس مپرسی مین پڑی ہوئی رہ سکتی ہے اور کوئی مجموعی قوت اُسکی دستگیری پر آمادہ نہو اگرچہ زمانہ کی ضرورتون نے کبھی کبھی ادھر توجہ دلائی اور کبھی انجمن ترقی اُردو کے قیام سے ایک قسم کی اُمید بندھائی اور کبھی اُردو سبھا کے دلکش خیال نے دل کو تسکین بخشی - مگر یہ سب تحریکین بادِ ہوا ہو کر رہگئین - اور یہ فخر اس تاریخی شہر کے خوش خیال بزرگون کی قسمت مین لکھا تھا کہ یہ تخم ریزی جو مدت سے ہو رہی تھی اُنھی کے ہمدرد ہاتھون کی آبیاری سے سرسبز ہو اور پھولے اور پھلے یہان تک کہ ایک تناور درخت کی شکل اختیار کرکے تمام ملک پر چھا جاے - بعض لوگون نے مجھ سے دبی زبان سے دریافت کیا کہ اُردو کانفرنس اگر ہوتی تو دہلی مین یا لکھنؤ مین - بدایون سے اس کو کیا تعلق ہے نہ وہان کی زبان ٹکسالی ہی نہ اہالی بدایون نے اُردو لٹریچر مین کچھ ایسا معتدبہ اضافہ کیا ہے - مین نے اسکا پہلا جواب تو یہی دیا کہ مصرع این سعادت بزور بازو نیست - النصیب نصیب - اور اسکے علاوہ یہ بھی ظاہر کیا کہ بدایون کو علم کے ساتھ ہمیشہ سے ایک خاص نسبت رہی ہے - اسی

خاک پاک سے مُلّا عبدالقادر جیسا صاف گو واقعہ نگار مورخ اُٹھا جسکی نظر اسقدر باریک اور وسیع اور جس کا بیان اسقدر روشن و ہمہ گیر تھا کہ دو لفظون مین واقعہ کی تصویر کھینچ دیتا ہی - اور خواہ ہم اُس کے مُلّایانہ تعصب کو کیسی ہی بُری نظر سے دیکھتے ہون لیکن ممکن نہین کہ اُسکی راست بیانی اور بے ریا خلوص کی دل سے قدر نہ کرین - اگرچہ محض مُلّا عبدالقادر جیسے باکمال شخص کا پیدا ہوتا ہی سرزمین بدایون کو چار چاند لگانے کے لئے کافی ہی لیکن جبکہ خیال کیا جاتا ہی کہ یہ مردم خیز خطہ کبھی اہل علم وکمال سے خالی نہین رہا اور اسوقت بھی مذاق سخن مین کسی شہر سے پیچھے نہین ہی تو اگر اُردو کانفرنس نے پہلی مرتبہ یہین جنم لیا تو کوئی تعجب کی بات نہین ہی - اس مین شک نہین کہ دہلی اور لکھنؤ کو اُردو کے ساتھ خاص مناسبت ہی اور خاص کر دہلی کو تو اُس کے مولد و منشا ہونیکا فخر بھی حاصل ہے لیکن جبکہ یہ شہر اپنے حال مین اسقدر محو ہین کہ اُن کو اپنے اس امتیاز ملی کی بھی پرواہ نہین ہی اور اُردو مقامی قیود سے آزاد ہوکر ہندوستان کی ملکی زبان ہوگئی ہی تو اُن حالات مین کسی دوسرے شہر کا اپنی ملکی زبان کی خدمت مین پیش قدمی کرنا کچھ بیجا نہین ہے خواہ اسکے اسباب کچھ ہی ہون لیکن اسمین شک نہین ہی کہ مغربی طرز پر زبان اُردو کی خدمت گذاری کا سہرا بدایون کے سر رہا -

اگرچہ زبان اُردو کی تاریخ پر غور کرین گے تو معلوم ہوگا کہ یہ کہنا صحیح نہین ہی کہ زبان اُردو کی ابتدا اُس بابرکت عہد مین ہوئی جسکی بے نظیر سنگی یادگارین آج بھی دُنیا کو حیرت مین ڈالتی اور ہندوستان کو فنون نفیسہ کا معدن ثابت کرتی ہین - بلکہ اُسکا سنگ بنیاد اُسوقت رکھا گیا جبکہ ابتدائی حملہ آورون کے بعد مسلمانون نے ہندوستان کو اپنا گھر بنا لیا اور باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانون اور ہندؤن کو تبادلہ خیالات کی ضرورت محسوس ہوئی - اگرچہ مسلمان جہان کہین جاتے تھے اپنی تہذیب و تمدن کو ساتھ لیجاتے تھے لیکن عرب کی آزاد خیالی اور وسط ایشیا کی بے مائیگی نے ان کو ایسا لکیر کا فقیر بھی نہ بنایا تھا کہ یورپین اقوام کی طرح اپنے آپ کو کسی اور دُنیا مین سمجھتے اور جہان جاتے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتے بلکہ انھون نے ابتدا ہی سے سمجھ لیا تھا کہ ہمکو یہین مرنا اور جینا ہی اور اسی لئے چند ہی روز مین حاکم و محکوم شیر و شکر کی طرح ایک ہوگئے -

کسی حاکم کے ہمدردانہ برتاؤ کا ثبوت محکوم قوم کے ساتھ اس سے بڑھکر نہین ہوسکتا کہ

کہ وہ محکوم کی زبان کو خود اپنی زبان بنالے اور اس لیئے جو لوگ حضرت امیر خسرو کے کلام سے آشنا ہین وہ جانتے ہین کہ اُس ابتدائی زمانہ مین ہندی زبان نے بازارون سے لیکر دربار تک رسائی پیدا کرلی تھی اور حاکم و محکوم کی روزانہ ضرورتون پر حاوی ہوگئی تھی۔ اسیطرح ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے معلوم ہوتا ہی کہ گو محمد تغلق بڑا عالم و فاضل شخص تھا مگر وہ عادتاً ہندی ہی بولا کرتا تھا۔ اِس سے صاف پایا جاتا ہی کہ مسلمانون کے ہندوستان مین آنے کے بعد ہی ہندی کا عام طور پر رواج ہوگیا تھا اور وہ حالت موجودہ پر مدتون مین پہونچی ہی یہی وجہ ہے کہ آج تک یہی زمین سرتاسر ہندی ہے اور عربی فارسی کا جو کچھ حصہ نظر آتا ہے وہ محض گلکاری ہی جو لوگ اُصول ارتقا سے واقف ہین وہ بخوبی جانتے ہین کہ دانہ سے دفعتاً ہرے بھرے درخت کا پیدا ہو جانا قوانین فطرت کے مطابق نہین، بلکہ ہر شے اپنی موجودہ حالت پر صدیون مین ترقی کرتے کرتے پہونچا کرتی ہی۔ اسیطرح اُردو کی نسبت بھی یہ سمجھنا صحیح نہین ہے کہ یہ زبان دفعتہً شاہجہان کے زمانے مین پیدا ہوگئی اور چونکہ دربار مین عموماً فارسی بولی جاتی تھی اور لشکرون اور بازارون مین ہندی ذریعہ تبادلہ خیالات تھی اس لیئے اسکو اُردو کہنے لگے۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہی کہ اُسکی بُنیاد مسلمانون کے ہندوستان مین قدم رکھنے کے ساتھ ہی پڑی تھی اور وہ موجودہ بام ترقی پر بہت ہی رفتہ رفتہ پہونچی ہی۔ اسی طرح یہ عام خیال ہی کہ ولی دکنی سب سے پہلا اُردو کا شاعر ہوا ہے۔ لیکن جبکہ یہ سوچا جائے کہ جو زبان ولی استعمال کرتا ہے وہ موجودہ زبان سے بڑی حد تک ملتی جلتی ہی اور اِس درجے تک اُس کی رسائی صدیون مین ہوئی ہوگی اور ممکن نہین ہی کہ زبان اہل ہند کی تمام ضرورتون پر حاوی ہوگئی ہو اور وفور جذبات نے موزون کلام کی صورت نہ اختیار کی ہو۔ اس لیئے یہ امر بخوبی سمجھ مین آسکتا ہی کہ ولی سے پہلے بھی بہت سے شاعر گذرے ہین مگر دست برد زمانے نے اُنکا کلام محفوظ نہین رکھا۔ مین نے خود اِس زبان مین عبداللہ قطب شاہ اور ابو الحسن تاناشاہ کے دیوان حیدرآباد مین دیکھے تھے اور گو اُن کی زبان مین ولی جیسی سلاست اور روانی نہ تھی۔ پھر بھی اُس کو اُردو کے سوا کچھ اور نہین کہہ سکتے۔ اِن چند باتون سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ گو متعدد لوگون نے اُردو زبان کی تاریخ لکھنے کی کوشش کی ہی لیکن ابھی تک اِس میدان مین باریک بین تحقیقات کے لیئے بڑی گنجائش باقی ہی اور مجھے اُمید ہے کہ یہ کانفرنس اِس طرف ضرور توجہ کرے گی تاکہ اُردو زبان کی ایک جامع اور مکمل تاریخ مرتب ہوجا

یہ ایک نہایت عجیب بات ہو کہ گو اُردو نے جنم دہلی مین لیا، مگر وہان بازارون سے لیکر صفحۂ قرطاس پر جلوہ گر نہو سکی اور یہ فخر دکن ہی کی قسمت مین لکھا تھا کہ وہ اُس کے آغوش محبت مین پرورش پا کر اپنے پاؤن پر کھڑی ہوا ور ادبی زبان کا درجہ حاصل کرے اور اسوقت بھی اُردو زبان کے سب سے بڑے سرپرست ہمارے خداوند نعمت حضور پُرنور نظام خلد اللہ ملکہ[1] ہین جن کے کلام فصاحت التیام سے میدان سخن مین نئی نئی شاہ راہین نکل رہی ہین (اور جو جنت نگاہ اور فردوس ہوش ہین حضور پُرنور کے شاگرد رشید اور مدار المہام ہز اکسلنسی عالیجناب مہاراجہ سرکشن پرشاد یمین السلطنت بہادر نے بھی (جو زبان اُردو کے سچے شیدائی ہین) اپنی ہمہ دان طباعی سے اُردو لٹریچر کی مختلف شاخون کو مالامال کیا ہی اور خطۂ دکن مین بادشاہ و وزیر کی سخن شناسی نے اُردو لٹریچر کی ترقی کا جوش عام طور پر پیدا کر دیا ہے۔

یہ امر محتاج بیان نہین ہی کہ ہندوستان مین عموماً مسلمانون کی جو قومین آکر آباد ہوئین اُنکی مادری زبان زیادہ تر فارسی تھی اور اُردو زبان کی بنیاد اسی وجہ سے پڑی کہ مسلمانون کو ہندؤن سے اور ہندؤن کو مسلمانون سے تبادلۂ خیالات کی ضرورت تھی اور چونکہ تعداد کے لحاظ سے غالب گروہ ہندو تھا اس لیئے مشترکہ زبان کی بنیاد ہندی ہی پر رکھی گئی اور اُس پر عربی اور فارسی کے قصر الیوان تعمیر ہوئے۔ پس اُردو کی نسبت یہ کہنا کہ یہ خاص مسلمانون کی زبان ہی انصاف کا سراسر خون کرنا ہے حقیقت حال یہ ہی کہ مشترکہ زبان ہی اور اُسکو ہندؤن کی زبان ہونیکا بھی اُسی طرح فخر حاصل ہے جسطرح مسلمانونکی زبان ہونیکا خاصکر شمالی ہندوستان اور حیدرآباد دکن مین تو دونون قومون کی مادری زبان سوائے اُردو کے کوئی اور زبان نہین قرار دی جا سکتی اور دوسری طرح پر بھی ہندوستان کی اگر کوئی عام زبان ہی تو اُردو ہی ہی۔ لدّاخ اور تبت کے سر بفلک پھیلے پہاڑون سے لیکر راس کماری تک چلے جاؤ اور سندھ کے ریگزارون سے لیکر ریاستہائے شان تک جہان تہذیب اور تمدن نے ابھی جنم لیا ہی) جاؤ ہر جگہ اگر کوئی زبان آپ کی مشکل کشائی کر سکے گی تو یہی اُردو زبان ہے۔ ہندوستان ہی پر منحصر نہین ہے خلیج فارس کے ساحل پر بغداد و نجف اشرف تک اور ساحل عرب پر عدن سے لیکر جدّہ تک اور افریقہ کے تمام ساحل بلکہ بہت اندرونی

[1] حضور نظام مرحوم سے مراد ہی۔ ا ۔ ر

حصون مین بھی اور جزائر مارشیس اور جمیکا اور ایسٹ انڈیز بلکہ کیلیفورنیا مین
بھی اُردو کے سمجھنے والے موجود ہین۔ پس ایسی عالمگیر مقبول عام زبان کی اہمیت
کم کرنے کے لیے یہ کہہ دینا کہ یہ صرف ہندوستان کی ایک قوم کی زبان ہی کتنی بڑی
غلطی ہی۔ اگر آپ اُردو لٹریچر کی تاریخ پر نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ اُس کو موجودہ
بام ترقی پر پہونچانے مین ہندؤن نے بھی اتنا حصّہ لیا ہی جتنا کہ مسلمانون نے اور
ہندو دھرم کی کتابون کے ترجمے بھی اُسی کثرت سے موجود ہین۔ جتنے کے مسلمانون کی
مذہبی کتابون کے ہین۔ کسی زبان کے قومی ہونے کی دلیل اس سے بڑھکر نہین ہوسکتی
کہ اُسمین مذہبی کتابین لکھی جائین، انشا مین، تاریخ مین، ادب مین، ناول نگاری مین
شاعری مین، تذکرہ نویسی مین، جس فن پر غور کرین گے ہندو مسلمان مصنفین دوش
بدوش پائے جائین گے۔ اور اگر قدیم زمانہ کو چھوڑکر آپ زمانہ حال پر بھی (جبکہ اس قسم
کے امتیازات پر بہت زور دیا جا رہا ہی۔ نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ اگر مسلمانون مین
مولوی عبدالحلیم شرر جیسا جادو نگار ناولسٹ (جس کی زبردست قوت متخیلہ زمانہ گذشتہ
کے عروج و زوال کا نقشہ ہماری آنکھون کے سامنے لاکر کھڑا کر دیتی ہی) موجود ہی تو ہندو
بھی پنڈت رتن ناتھ سرشار کی معجز بیانی پر (جو معاصرین کے اخلاق و آداب و طرز معاشرت
کی جیتی جاگتی تصویر کھینچنے مین کمال رکھتے تھے اور روتے آدمی کو ہنسا دیتے تھے) فخر
کرسکتے ہین۔ اگر مسلمانون کو شیخ عبدالقادر جیسے اردو کے ترقی خواہ پر ناز ہی تو ہندو
بھی اُن کے مقابلہ مین منشی دیانرائن نگم اڈیٹر زمانہ اور منشی نوبت رائے نظر
جیسے اُردو لٹریچر کے خدمت گذارون کو پیش کرسکتے ہین۔ اور ہمارے کرمفرما لالہ سری رام
ایم اے دہلوی نے (جن کے خاندان کے خاص طور پر لٹریچر پر احسانات ہین) اپنے ذمہ
ایک ایسی سخت اور اہم خدمت لی ہی کہ وہ اُس کی انجام دہی مین بچّے سے جوان
اور انشاء اللہ جوان سے بوڑھے ہوجائین گے جب کبھی تکمیل کی صورت دیکھین گے۔
اسی طرح شاعری مین اگر تعلیمیافتہ گروہ مین شیخ محمد اقبال اور حسرت موہانی مسلمانون مین
پیشرو سمجھے جاتے ہین تو وہی درجہ ہندؤن مین سُرور جہان آبادی اور پنڈت برج نرائن
چکبست کو (جن کی زبردست انشاپردازی نے فن تنقید پر ایک نئی روشنی ڈالی ہے) حاصل
ہے۔ اسمین شک نہین کہ شمالی ہندوستان کی حد تک یہ خیال بالکل غلط ہی کہ اُردو

مسلمانون کی مشترک زبان نہین ہی۔ البتہ دوسرے صوبون کی حالت جدا ہی۔ گو وہان بھی سوائے مدراس اور ملا بار کے چند دور و دراز گوشون کے کوئی مقام ایسا نہین ہی جہان اُردو زبان بولی یا سمجھی نہ جاتی ہو۔ مگر ضرور صرف مسلمان ہی اُسکو خاص اپنی زبان سمجھتے ہین۔ اور اسکی وجہ ہی کہ مسلمانون کی مذہبی کتابین اگر ملتی ہین تو صرف اُردو ہی مین ملتی ہین اور ہندوستان کی دوسری زبان مین "الشاذ کالمعدوم" کا مصداق ہین اور اس خیال نے یہان تک جڑ پکڑی ہی کہ مجھے یاد ہی کہ جب مین ضلع بیڑ کا اوّل تعلقدار یعنی ڈپٹی کمشنر تھا تو میرا گذر ایک بہت ہی چھوٹے گانؤن مین ہوا۔ وہان آسامیونکو طلب کرکے اُن کے حالات دریافت کیئے گئے تو ایک مسلمان بھی لنگوٹی باندھے آیا اور اُس نے اپنا نام اشونت خان بتایا مین نے اُس سے اُردو مین گفتگو کرنی چاہی مگر جب وہ اچھی طرح نہ سمجھ سکا تو مرہٹی مین بات چیت کی جس مین وہ خوب فرّاٹے اُڑاتا تھا اور یہ دیکھکر مین نے اُس سے پوچھا کہ آیا وہ اپنے گھر مین بھی مرہٹی بولا کرتا ہی۔ یہ سنتے ہی اُسکا چہرہ سُرخ ہو گیا اور کہنے لگا "صاحب مین مرہٹی کیون بولنے لگا۔ کیا مین مسلمان نہین ہون؟" ایسی ہی حالت برما مین بھی دیکھی کہ گو مسلمانون کی مادری زبان برمی ہی لیکن وہ اُردو کو اپنی قومی اور مذہبی زبان سمجھتے ہین۔ ٹانگو وسط برما مین ایک چھوٹا قصبہ ہی مگر وہان بھی ایک اُردو اسکول موجود ہی۔

اگرچہ یہ امر بتایا جا چکا ہی کہ زبان اُردو کی بنیاد پڑے ہوئے صدیان گذر گئین۔ لیکن جہان تک غور کیا جاتا ہی اُردو لٹریچر کی بُنیاد انگریزون ہی کے عہد مین پڑی۔ اسمین شک نہین کہ خاندان مغلیہ کے آخر زمانے مین اُردو ترقی کرتے کرتے لٹریری زبان کے درجے پر پہونچ گئی تھی اور وہ پُرزور جذبات جو کسی کے روکے سے نہین رُکتے ظاہر کیے جانے لگے تھے۔ اور معلوم ہوتا ہی کہ ایک عرصہ دراز تک اُردو زبان نظم کی جولانگاہ رہی مگر نثر کی ابتدا حکومت انگریزی کے سایۂ مین پڑی اور چند علم دوست انگریزون کی نظر تربیت نے اُردو لٹریچر کا سنگ بنیاد رکھا اور اُس کی ابتدا کچھ ایسے مبارک وقت مین ہوئی تھی کہ وہ رفتہ رفتہ عربی اور فارسی اور سنسکرت کے بجائے ہندوستان کی علمی زبان بن گئی اور مطبعون کے قیام اور اخبارات کی اشاعت نے اُسکا اثر عالمگیر کر دیا۔ یہ عجیب بات ہی کہ جو کتابین ابتدا ہی مین اُردو زبان مین لکھی گئین اُنکی زبان نہایت

سلیس اور با محاورہ ہی' حالانکہ جس زمانے مین اُردو تصنیف و تالیف کی طرف توجہ ہوئی فارسی طرز تحریر نہایت ہی مرصع اور پیچیدہ تھا اور اس لیئے یہ سمجھا جا سکتا ہی کہ اُسی سانچہ مین اُردو طرز تحریر ڈھالا جائیگا' لیکن خواہ اسکی یہ وجہ ہو کہ انگریز مربیون کی خاطر سے نہایت ہی سہل طرز اختیار کیا گیا یا یہ ہو کہ میر و سودا کی شاعری کا اثر تھا جو سہل ممتنع کا پہلو لیئے ہوئے تھی اور لطافت زبان اور چستگی محاورات کے لحاظ سے آب رواں کی نہرین بہاتی تھی' مگر بعد مین لکھنؤ کی تراش خراش نے اُسکو استعارہ و تشبیہ کی دلدل مین پھنسا دیا یہان تک کہ مرزا اسد اللہ خان غالب کا زمانہ آیا اور اُن کی جدت طرازی اور خداداد ذہانت نے ایسا راستہ نکالدیا کہ بقول اُن کے مکاتیب مین مکالمہ کا لطف آنے لگا جسکی تقلید آج بھی سب لوگ کرنا چاہتے ہین مگر پوری طرح پر نہین کر سکتے مغربی علوم و فنون کی اشاعت نے نئی راہین کھولین اور ہر شخص کے دماغ مین ایک نیا نشہ پیدا ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اُردو مین ہر علم و فن کی کتابون کا ترجمہ شروع ہوا اور لوگون کو یہ تلاش ہوئی کہ ہم کیا ہین اور کیا تھے جس سے تاریخ کی طرف توجہ ہوئی - چونکہ اُردو فارسی اور نیز سنسکرت کا چرچا کم ہو گیا تھا اس لیئے لوگون کی روحانی ضروریات کے پورا کرنے کیلئے مذہبی کتابون کی تالیف اور ترجمہ شروع ہوا اور دفعتًا سر سید احمد خان مرحوم کے قومی جوش حُبِّ وطن اور پُر زور دماغ نے میدان مین آ کر وہ کارنمایان کیئے کہ اُردو کو ایک علمی زبان بنا دیا اور ثابت کر دیا کہ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ فلسفیانہ خیالات کے اظہار پر پوری قدرت رکھتی ہی - اور دوسری طرف مولوی محمد حسین آزاد مرحوم کی لطیف طبیعت وسیع نظر اور نازک تخیل نے شاعرانہ طرز تحریر کی بنیاد ڈالی جو برجستگی اور روانی مین آب زلال کے شفاف چشمون اور جذبات کی آمد اور تخیل کی گلریزی اور تشبیہ و استعارات کی بے تکلفی مین کسی خوش قطع چمن کا مقابلہ کرتا ہی - افسوس ہی کہ اُردو کی بد قسمتی سے اُن کے قوائے دماغی کو پوری طرح نشو و نما نہ پانے دیا اور بیس سال تک اُن کو ایک ایسی خود فراموشی کے عالم مین مبتلا رکھا کہ دُنیا و مافیہا کی خبر نہ رہی - لیکن پھر بھی جو لفظ بے اختیاری کی حالت مین بھی اُن کے قلم سے نکل گیا سانچہ مین ڈھلا ہوا معلوم ہوتا ہی - افسوس ہے کہ سال کی ابتدا مین وہ بھی دُنیا کو ہمیشہ کے لیئے خیر باد کہہ گئے اور اُردو لٹریچر کو داغ دے گئے - اسی کے ساتھ گو رفتہ رفتہ

کی سرپرستی سے مفید کتابون کی تصنیف و تالیف شروع ہوئی اور شمس العلما ڈاکٹر نذیر احمد کی طباعی نے ناول نگاری کی بنیاد ڈالی اور حکومت کی ضرورتون کی وجہ سے لغات کی کتابین پہلے انگریزی مین اور بعد مین اردو مین مرتب ہوئین۔ اردو شاعری کو ناسخ و آتش اور مومن و ذوق کی قادر الکلامی نے معراج کمال پر پہونچایا۔ اور غالب کے مالامال تخیل اور زبردست جدت پسندی نے ایک نئی دنیا سے آشنا کیا اور داغ کی زباندانی نے اس پر اور بھی چار چاند لگائے۔ مگر زمانے نے ایک نیا پلٹا کھایا تھا اور ہماری شاعری وہین تھی جہان قدیم استادون نے اسکو پہونچا دیا تھا اور اس لیئے اسکو مدت سے کسی ہمدرد آواز کی تلاش تھی۔ انگریزی کی مثال ہی کہ "ضرورت ایجاد کی مان ہی" اور اس لیئے نئے دور کی ضرورتون سے متاثر ہو کر شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی اٹھ کھڑے ہوئے اور انھین نے قوم کی گذری ہوئی عظمت اور موجودہ ردی حالت کا فسانہ ایسی دردناک آواز مین سنایا کہ خواہ کوئی سمجھا یا نہ سمجھا مگر ایسا کوئی بھی نہ تھا جو دل پکڑ کر بیٹھ نگیا ہو۔ اور سب کو معلوم ہو گیا کہ شاعر کا کام صرف عاشقانہ جذبات کا اظہار نہین ہی بلکہ وہ اگر اپنی خداداد قوتون سے صحیح طور پر کام لے تو قومون کا ہادی اور ان کو گرداب جہالت سے نکال لینے والا بن سکتا ہی۔ غرض کہ مولانا حالی نے ہماری زبان مین نئی شاعری کی بنیاد ڈالی۔ اور گو ابھی تک اس پودے نے اچھی طرح جڑ نہین پکڑی مگر عام خیالات مین تحریک پیدا ہو گئی ہی، اور امید ہی کہ چند روز مین خوب پھولے اور پھلے گا۔ اسی کے قریب ہمارے مخدوم مولانا شبلی کی تحقیقات پسند طبیعت نے اسلامی تاریخ کی طرف توجہ فرمائی اور زمانہ گذشتہ کی عظمت و جبروت اور علمی معرکہ آرائیون کی تصویر ایسے پرزور قلم سے کھینچی کہ ملک مین عام طور پر تاریخ کا مذاق پیدا ہو گیا۔ ان کی تصانیف اس قدر گران پایہ ہین کہ ہر لٹریچر ان پر واجبی طور پر فخر کر سکتا ہی۔ غرضکہ اس سو سال کے عرصے مین ہماری بے مایہ زبان بڑے درجے تک ہر قسم کے زیورون سے آراستہ ہو گئی ہی۔ مگر ہمت کا اشارہ ہی کہ ابھی تک کچھ بھی نہین ہوا۔ اور میدان بھی اسقدر وسیع ہی کہ جس قدر بھی ترقی کی جائے کم ہی۔

ایک آواز میرے کان مین اکثر آیا کرتی ہی کہ اس وقت تک لٹریچر کی خدمت جو کچھ کی ہی وہ انھین لوگون نے کی ہی جن کی تعلیم قدیم طرز پر ہوئی ہی۔ اور نئے تعلیم یافتہ گروہ

سے ابھی تک ایک مرد میدان بھی نہ نکلا یا دوسرے الفاظ مین بقول آزردہ۔

کامل اس فرقۂ زہاد سے نہ نکلا کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے

الزام لگانا تو نہایت ہی آسان ہی لیکن کبھی اسکے اسباب پر غور بھی کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ امر غور طلب ہی کہ قدیم تعلیم یافتہ گروہ کی تعداد بمقابلہ جدید تعلیم یافتہ گروہ کے کس قدر زیادہ ہی۔ قدیم تعلیم کی داغ بیل صدیون پہلے پڑی تھی اور جدید تعلیم کا چرچا اگر کچھ ہوا ہی تو یہی پچھلے پچیس تیس سال مین ہوا ہی۔ اس لیئے اگر قدیم تعلیم یافتہ گروہ سے جس کی تعداد لاکھون سے کم نہین ہی) دس پانچ ایسے لوگ نکلے جن کی عالی دماغی طباعی نے ریگ زمانے پر ایسے نقش پا چھوڑے ہین جن کو باد حوادث نہین مٹا سکتی تو کیا تعجب کی بات ہی اور آپ اس محدود نئے تعلیم یافتہ گروہ سے (جسکی تعداد ابھی ہزارون تک نہین پہونچی) کیونکر امید کر سکتے ہین کہ وہ بھی اس بارے مین قدیم لوگون کا مقابلہ کر سکے گا۔ اگر آپ دوسرے صوبون مثل بنگال اور مہاراشٹرا پر نظر ڈالین گے تو معلوم ہوگا کہ چونکہ وہان جدید تعلیم یافتہ گروہ کی تعداد معتدبہ ہی اور سلسلہ تعلیم و تعلم ایک عرصۂ دراز سے جاری ہی اس لیئے اُنھون نے اپنے قومی لٹریچر کی ترقی مین بڑا حصہ لیا ہی اور مین سمجھتا ہون کہ کچھ ہی زمانہ جاتا ہی کہ یہان بھی ایسی حالت نظر آنے لگے گی۔ تیسرے ہم لوگون مین تعلیم پانے والے بھی عموماً وہی لوگ ہین جو کسب معاش کے مخمصون مین مبتلا ہین۔ اور اسی خاطر علم حاصل کرتے ہین) اور چونکہ وہ کالج سے نکلتے ہی تلاش معاش کی صعوبتون مین مبتلا ہو جاتے ہین اس لیئے اُن کو علمی مشاغل کے لیئے وقت نہین ملتا۔ مین بہت سے ایسے تعلیم یافتہ لوگون کو جانتا ہون کہ اگر وہ معاش کی طرف سے بےفکر ہوتے تو اُن کا وجود قومی لٹریچر کے لیئے مایۂ ناز ہوتا مگر زمانے نے اُن کو اس قدر ستا رکھا ہی کہ ادھر توجہ کرنے کی اُنھین مہلت ہی نہین ملتی۔ چوتھے یہ بھی غلط ہی کہ نئی تعلیم دماغی عروج کی مؤید نہین ہی۔ دوسری قومون کا تو مین ذکر کرنا ضرور نہین سمجھتا لیکن اگر مسلمانون ہی کو دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سید محمود، سید امیر علی، سید حسن بلگرامی سید علی بلگرامی اور علی ہذا اور بھی بہت سے لوگ اگر جدید تعلیم نے پیدا نہین کیئے تو کس نے کیئے۔ مین دریافت کرتا ہون کہ ہماری زبان مین جو مغربی علوم و فنون کے ترجمے موجود ہین اگر نئے تعلیم یافتہ

لوگون کی محنت کے نتیجے نہین ہین تو کیا ہین - اخبارون مین جو ترقی نمودار ہی وہ کسکی توجہ کا ثمرہ ہی - اعلیٰ درجے کے رسالے جو ملک مین کثرت سے نکل رہے ہے اور ملکی لٹریچر مین بیش بہا اضافہ کر رہے ہین وہ کس کی دماغ سوزی سے عالم وجود مین آئے ہین پُرانی شاعری مین روح کون پھونک رہا ہی - غرضکہ اس قسم کے سوالات پر غور کرنے سے آپ کو معلوم ہوجائیگا کہ نئی نسل پر جو الزام لگایا جاتا ہی وہ بجائے خود نہین ہی -

لیکن مین یہ تسلیم کرتا ہون کہ نئے تعلیم یافتہ گروہ کی طرف سے سوائے رسالون کے اجراء کے ابھی تک کوئی باقاعدہ کوشش اپنے قومی لٹریچر کو نئے خزانون سے مالامال کرنے کے لیئے نہین کی گئی ہی - اور اس امر کی شدید ضرورت ہی کہ ادھر جلد توجہ کی جائے لٹریچر کو ہمیشہ قومی ترقی کا مؤید ہونا چاہیئے - تاریخ عالم کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ جسقدر دماغی اور تمدنی ترقی قدیم یونانیون نے کی ایسی آج تک کسی قوم کو نصیب نہین ہوئی اور اُنھون نے اپنے زمانۂ عروج مین اعلیٰ اخلاق اور ایثار نفس اور حبِّ قومی کے ایسے ایسے عمدہ نمونے دُنیا کے سامنے پیش کیئے کہ آج بھی اُنکی تقلید قومی ترقی کی کُنجی سمجھی جاسکتی ہی یہ ایک عجیب بات ہی کہ گو دُنیا نے اُس ابتدائی زمانے کے مقابلہ مین بہت کچھ ترقی کی ہی اور اس زمانے مین علم کے اعتبار سے ایک بچّہ بھی اُس زمانے کے قابل ترین اشخاص سے فائق ہی مگر جہان تک عالی دماغی پروازخیال اصابت فکر اور روشن ضمیری کو تعلق ہی - گو ہر عہد مین بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے اور زمانے نے بہت سے پلٹے کھائے مگر سقراط اور فلاطون اور ارسطو اور اقلیدس جیسا ایک شخص بھی نہ پیدا ہو سکا - یہی لوگ ہین جو آسمان علم پر آفتاب ہو کر چمکے اور اُنکی عقل خداداد کی نورانی شعاعین آج بھی دُنیا کو تاریکی جہالت سے نکالنے کے لئے اسی طرح کارگر ہین جیسے کہ پہلے تھین - اسی طرح اگر فصاحت و بلاغت کے میدان کی سیر کرنی ہو تو ڈماستھنیز کو ایسی بلندی پر پاؤگے کہ نظر خیرہ ہوتی ہی اور حُبّ وطن مین پرکلیز اور اسٹائڈیزا اور فنون نفیسہ مین فیڈییس کے کارنامے کبھی بھلائے سے بھی نہین بھولے جا سکتے - جہان تک کہ شاعری کا تعلق ہی ہومر اور یوریپیڈیزا اور سوفوکلیز نے اپنی معجز نمائیون سے وہ طلسم قائم کیئے ہین کہ آج بھی ذہن انسانی کی وہان تک رسائی ہونا دشوار ہی - جبکہ دُنیا مین جہالت چھائی ہوئی تھی تو یونانیون ہی کی طباعی شمع ہدایت کا کام کرتی تھی اور تاریخ عالم شاہد ہی کہ جب کسی زمانے مین عملی اور علمی ترقی ہوئی ہی تو

یونانی تصانیف ہی رہبر طریق بنی ہین۔ رومی ابتدا ایک زبردست مگر وحشی قوم تھے مگر جب اُنھون نے یونان کو فتح کیا اور وہان کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہوئے تو فخر امم کے معزز لقب کے مستحق ثابت ہوئے۔ اسی طرح مسلمانون مین بھی ابتدائی زمانے مین دماغی ترقی کی بُنیاد اُسی وقت پڑی جبکہ یونانی کتابون کے ترجمے ہوئے۔ اور یورپ بھی مدتون تک تاریکی جہالت مین مبتلا رہا یہان تک کہ یونانی علم کی شعاعین مسلمانون کے ذریعے سے پہونچین جنھون نے رفتہ رفتہ تمام براعظم کو مطلع انوار بنا دیا۔ عربون پر یہ بہت بڑا الزام ہی کہ وہ اپنے لٹریچر کی خوبیون مین اس قدر محو تھے کہ اُنھون نے کسی دوسری قوم کے لٹریچر کو فائدہ اُٹھانے کے قابل نہین سمجھا اور یہی وجہ ہی کہ یونانی علم ادب کے خزانے مخفی کے مخفی رہے اور عربون کی ادبی ترقی ایک درجہ پر جا کر رُک گئی اور وہ اس بلندی پر نہ پہونچ سکے جو اس زمانے مین اہل یورپ کے لئے مخصوص ہی۔ پس اگر آپ چاہتے ہین کہ آپ کی قوم بھی ایک زندہ قوم بنجائے اور دُنیا کی بیش بہا میراث مین اپنا حصہ لے تو آپ کو چاہیے کہ کلاسیکل لٹریچر کی طرف (جو اس ترقی یافتہ زمانے مین بھی یورپ کے نصاب تعلیم مین شریک ہی) توجہ کرین اور کلاسکس کے ترجمون کے ذریعے سے اپنی زبان کے علمی سرمایہ مین اضافہ کرین۔ یہ صحیح ہی کہ ہم لوگ یونانی اور رومی زبانون سے بے بہرہ ہین مگر انگریزی نے ہمارے لیئے یہ مشکل آسان کر دی ہی۔ یہ ایک ایسی دعوت ہی کہ ہر مذاق کے لوگ شریک ہوسکتے ہین کیونکہ جن لوگون کی طبیعت تاریخ کی طرف مائل ہی وہ اُدھر توجہ فرما سکتے ہین اور جو لوگ مذاق سخن رکھتے ہین وہ جادو نگاران یونان کی مثنویون اور ناٹکون اور قصیدون کو اپنی زبان کا لباس پہنا سکتے ہین۔ اسیطرح یہ امر بھی قابل افسوس ہی کہ اگرچہ اُردو کی بُنیاد ہندی زبان پر قائم ہی اور مسلمانون نے ہندسہ و ہیئت و نجوم و طب کے متعلق علوم سنسکرت سے بہت کچھ فائدہ اُٹھایا مگر فنون لطیفہ اور خاصکر علم ادب کی طرف توجہ نہین کی۔ حالانکہ قدیم ہندوؤن نے فن شعر مین جیسے داد ذہانت دی ہے اور اُن کی رسائی فکر نے جس بلندی پر اس کو پہونچا دیا ہی اُس کی مثال بہت مشکل سے دوسری قومون مین مل سکتی ہی۔ اس لاپروائی کا باعث ہی کہ شاعری بالکل لوکل کلر (مقامی رنگ) سے خالی ہی اور ہم رہتے تو ہندوستان مین ہین مگر خواب دیکھتے ہین ایران کے۔ موجودہ زمانہ مین انگریزی نظمون کے ترجمہ

ہوگئی ہین۔ گو کہ اُن مین اجنبیت خیالات کی وجہ سے زیادہ کامیابی نہین ہوئی مگر ابھی تک سنسکرت کے خزانے یونہی پڑے ہوئے ہین۔ اور زبان حال سے اپنی طرف متوجہ کر رہے ہین۔ اور بتا رہے ہین کہ تمکو دور جانے کی ضرورت نہین ہی جس کبریت احمر کی تمکو تلاش ہی وہ خود تمھارے گھر مین موجود ہی۔ مگر کوئی اُدھر بھول کر بھی نہین دیکھتا۔ کیسی بدقسمتی کی بات ہی کہ سنسکرت مین ایسے ایسے اعلیٰ درجے کے ناٹک موجود ہین کہ آج بھی دُنیا کو آئینہ حیرت بناتے ہین مگر اُردو لٹریچر مین ابھی تک ایک ڈراما بھی ایسا موجود نہین ہی جو دُنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ حالانکہ ڈراما بوجہ اس کے کہ جذبات دلی کے جزر و مد کی سچی تصویر اُتارتی اور انسان کی زندگی کے نشیب و فراز دکھاتی اور فلسفہ حیات پر گہری روشنی ڈالتی ہی ہر زبان کے لٹریچر کی جان سمجھی جاتی ہی۔ یہ امر بھی کچھ کم افسوس کے قابل نہین ہی کہ ابھی تک اُردو زبان مین دوسرے ملکون کی تو کجا خود ہمارے ملک کی بھی کوئی ایسی تاریخ موجود نہین ہی جس مین واقعات تحقیق و تدقیق کے ساتھ درج ہون اور زمانہ گذشتہ کی تصویر بے تعصبی اور صحت سے کھینچی گئی ہو۔ ایسی تاریخ کے نہونے کی وجہ سے ملک کو سخت نقصان پہونچ رہا ہی اور خود بھی اور متعصب لوگون کو ہر چیز کو بُرے پہلو سے دکھانیکا موقع ملتا ہی جسکی وجہ سے مختلف قومون کے باہمی تعلقات مین فرق پڑتا جاتا ہی۔ یہ بھی ایک نہایت ضروری اور اہم کام ہی اور جو لوگ فن تاریخ مین دخل رکھتے ہین اُن کو اس قومی فرض کو اپنے ذمہ لینا چاہیے۔

آج کل دُنیا کی کامیابی کا دارومدار سائنس پر ہی اور وہ ہماری ضروریات زندگی پر اس قدر حاوی ہو گیا ہی کہ تا وقتیکہ ہم سائنس مین ترقی نہ کرین دُنیا کی نعمتون مین حصّہ نہین پا سکتے اور نہ شایستہ قومون کی برابری کا دعویٰ کر سکتے ہین۔ اگرچہ ہماری زبان مین جستہ جستہ سائنس کی کتابین ترجمہ ہوئی ہین لیکن ابھی تک اس کے متعلق کوئی باقاعدہ کوشش نہین کی گئی اسکی وجہ یہ ہی کہ ایک تو ہم لوگون مین ایسے اشخاص کی کمی ہی جو سائنس مین کافی استعداد رکھتے ہون اور اگر کچھ لوگ ہین بھی تو وہ عربی فارسی مین کافی دستگاہ نہین رکھتے اور اگر وہ چاہین تو بھی ترجمہ کے دقتون پر غالب نہین آ سکتے۔ انھین دقتون کا خیال کر کے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کی ادبی شاخ نے کئی سال سے ارادہ کیا ہی کہ اصطلاحات سائنس کا ایک لغت اُردو مین مرتب کیا جائے مگر ابھی تک کوئی عملی کارروائی نہین ہوئی۔

مجھے اُمید ہی کہ یہ اہم کام بہت جلد میری نگرانی مین بمقام لکھنؤ شروع ہو جائیگا اور اُسکے بعد ترجمونکا کام نہایت آسان ہو جائیگا اس ضمن مین یہ بھی کہنا چاہتا ہون کہ بعض تعلیمیافتہ نوجوانون کی زبان سے مین نے کبھی کبھی یہ شکایت بھی سُنی ہی کہ زبان اردو ابھی تک اِس قابل نہین ہوئی کہ اُسمین ہر قسم کے خیالات کا اظہار آسانی کے ساتھ کیا جا سکے ۔ مین اسکا جواب اُن کو مرزا غالب کے الفاظ مین دیتا ہون ۔

واقف ہی تو نہین ہی نوا ہاے راز کا
یان ورنہ جو حجاب ہی پردہ ہی ساز کا

جس زبان مین کہ سر سیّد احمد مرحوم کو پیچیدہ سے پیچیدہ فلسفیانہ خیالات کو نہایت آسانی کے ساتھ ادا کرنے مین کامیابی ہوئی اور مولوی محمد حسین صاحب آزاد مرحوم کی زور طبیعت نے ثابت کر دیا کہ لطیف سے لطیف شاعرانہ تخیلات کے اظہار پر پوری قدرت رکھتی ہی ۔ اُسکی نسبت یہ کہنا کہ وہ نامکمل اور نئے خیالات کے اظہار سے عاجز ہی ایک ایسا اعتراض ہی کہ اُس کے جواب مین یہی کہنا پڑے گا مصرع ۔

ہاے کمبخت تو نے پی ہی نہین

اگرچہ دہلی اور لکھنؤ قدیم سے اردو زبان کی ٹکسال سمجھے جاتے ہین مگر آسانی راہ تجارت کی توسیع ۔ اور مختلف مقامات کے لوگون سے میل جول اور ہندوستان کے مختلف حصون سے اخبارات اور رسالون کی اشاعت کی وجہ سے ان دونون شہرون مین بھی صرف چند خاندان ایسے باقی رہ گئے ہین جنکی زبان معیار صحت قرار دیجا سکتی ہی ۔ اور گو یہی اسباب اِس امر کے بھی ذمہ دار ہین کہ مختلف مقامات کی زبان مین جو سخت اختلافات تھے وہ رفتہ رفتہ کم ہوتے جاتے ہین اور ہر جگہ اختلاف کے بجاے ایک قسم کی یک رنگی نمودار ہو رہی ہی لیکن اسوقت اِس کی ضرورت ہی کہ زبان کے لیئے ایک خاص معیار صحت قائم کر دیا جاے اور مقامی اختلافات کو مٹانیکی کوشش کیجاے اور جو غلطیان جہان مروج ہون نکتہ چینی کے ذریعے سے اُنکے دفع کرنے کی کوشش کیجائے ۔ یہ ایسا کام ہی جو ایک شخص انجام نہین دے سکتا اور اسمین کامیابی حاصل کرنے کے لیئے مجموعی قوت کی ضرورت ہی ۔ آپ کی کانفرنس کا فرض ہی کہ اُدھر توجہ اور اس بارے مین مناسب تدابیر اختیار کرے مجھکو معلوم ہوا ہی کہ ایک اسی قسم کی انجمن لکھنؤ مین موجود ہی جسمین ہمارے دوست مولوی عبدالحلیم شرر بھی

شریک ہین اور ہم خدا سے دعا کرتے ہین کہ اس انجمن کو عملی میدان مین آنیکی توفیق دے
اگرچہ زندہ دل پنجاب نے اخبارات کے لحاظ سے اچھی خاصی ترقی کی ہی اور کر رہا ہی لیکن
کسقدر افسوسناک بات ہی کہ باوجودیکہ ممالک متحدہ آگرہ و اودھ زبان کا منبع ہین لیکن تمام صوبہ
سے سوائے اخبار ہندوستانی کے کوئی ایسا اخبار نہین نکلتا جو فرائض اخبار نویسی کو پورے طرح ادا کرتا
اور پبلک مین کوئی خاص اثر رکھتا ہو یا جسکی اشاعت اس درجہ تک پہونچ گئی ہو کہ وہ اپنے پاؤنکے
بل کھڑا ہو سکتا ہو۔ مہذب ممالک مین اخبارات کیحالت سے ملک کی پولیٹکل حالت کا اندازہ کیا کرتے
ہین اور جس ملک کے اخبار پستی کی حالت مین ہوتے ہین وہ پولیٹکل لحاظات سے بھی پستی مین سمجھا
جاتا ہی۔ برخلاف اسکے صوبہ بنگال اور بمبئی کو دیکھو کہ وہان بہت سے دیسی اخبارات اس درجہ کے
موجود ہین کہ وہ انگریزی اخبارات کا اچھی طرح مقابلہ کرتے ہین اور بعض کے پچاس ساٹھ ہزار پرچے
نکلتے ہین۔ ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ آخر اسقدر فرق کی وجہ کیا ہی۔ یہی ہی کہ نہ یہان ابھی تک
تعلیم کی کافی طور پر اشاعت ہوئی ہی اور نہ یہان کے اخبارات اسوقت تک تعلیم یافتہ ہاتھون مین
ہین۔ ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان ادنی ادنی ملازمون اور نوکریون کے لیئے سرگردان و پریشان رہتے
ہین مگر پیشہ اخبار نویسی کیطرف (جسمین داخل ہو کر وہ خود اپنی ذات کو اور نیز اپنے ملک کو فائدہ
پہونچا سکتے ہین) توجہ نہین کرتے۔ اکثر اخبارات یہ شکایت کیا کرتے ہین کہ انگریزی دان لوگ
دیسی زبان کے پرچون کو کبھی کھولکر بھی نہین پڑھتے مگر اسکی وجہ یہ ظاہر ہی جیسے اخبار وہ انگریزی
مین پڑھ سکتے ہین اُس قسم کے اخبار اُن کی دیسی زبان مین موجود نہین ہین۔ اور جس روز ہمارا پریس
تعلیم یافتہ ہاتھون مین آجائیگا یہ شکایت بھی زمانہ ماضی مین داخل ہو جائیگی۔ گو پنجاب اخبارات
کے اعتبار سے ممالک متحدہ سے آگے اور بہت آگے ہی لیکن یہ بھی غنیمت ہی کہ ماہانہ رسالون کے لحاظ
سے وہ اُسپر فوق لے گیا ہی۔ اگرچہ اسمین بھی زمانہ حال مین تقدیم پنجاب کیطرف ہوئی اور سب سے پہلے
ہمارے دوست شیخ محمد عبد القادر بی اے نے اپنا مشہور رسالہ مخزن نکالا اور جسوقت تک اُنکی
نظر توجہ اُس پر رہی وہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتا رہا۔ مگر افسوس ہی کہ کچھ زمانے سے
اُنکی دوسری مصروفیتون کی وجہ سے وہ اب اُن اُمیدونکو پورا کرتا ہوا نہین معلوم ہوتا جو اُسکے ساتھ
وابستہ ہین۔ ممالک متحدہ مین سب سے زیادہ ذکر کے قابل رسالہ زمانہ ہی جو سالہا سال سے نہایت
استقلال کے ساتھ قومی خدمت گزاری مین مصروف ہی اور اپنے نام کی مناسبت سے زمانہ کا خوب
ساتھ دے رہا ہی۔ اُس کے مالک اور اڈیٹر منشی دیا نرائن نگم کی ہمت پر آفرین ہی کہ باوجود ہر قسم کے

نقصان کے اُنھون نے کبھی اپنی ہمت پست نہ ہونے دی اور نہایت سرگرمی کے ساتھ ہی کوشش مین مصروف رہے کہ اُنکا رسالہ ہر اعتبار سے قابل قدر ہو۔ حال مین ایک رسالہ ادیب منشی نوبت رائے کی اڈیٹری مین نہایت آب و تاب کے ساتھ نکلتا ہی اور اگر آئندہ بھی اسی شان سے نکلتا رہا تو اسکا وجود اردو لٹریچر کے لیئے زیب و زینت کا باعث ہوگا۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے مختلف مقامات سے نکل رہے ہین اور اس قسم کے متعدد رسالونکا نکلنا ثابت کرتا ہی کہ تعلیمیافتہ گروہ مین اُنکی ضرورت کا احساس پیدا ہو گیا ہی اور ہر شخص اپنی بساط کے مطابق پاکیزہ خیالات اور علم کی اشاعت مین مصروف ہی۔ اگرچہ بعض لوگ اس قسم کے رسالونکے کثرت سے نکلنے پر معترض ہین لیکن مین اسکو ملک کی آئندہ ترقی کے حق مین ایک نیک فال سمجھتا ہون کیونکہ ہر رسالے نے اپنے قدردانونکا ایک تھوڑا بہت حلقہ پیدا کر لیا ہی۔

قبل اسکے کہ مین اپنی اس تقریر کو (جو کسی قدر طولانی ہوگئی ہی) ختم کرون دو لفظ موجودہ شاعری کی نسبت بھی کہنا چاہتا ہون۔ اگرچہ اسمین شک نہین کہ مشرق و مغرب کے میل جول سے ہماری زبان مین دوسرے ملکونکی شاعری کے نمونے روز بروز بڑھتے جاتے ہن اور ہمارے موقت الشیوع رسالے اس بارے مین بڑے کام کر رہے ہین اور رفتہ رفتہ اسکا اثر عام طبائع پر بھی ہو رہا ہی۔ گو کہ ابھی تک وہ اثر غیر محسوس حالت مین ہی مگر ملک کے عام مذاق کی وہی کیفیت ہی جو پہلے تھی۔ زمانہ کہین سے کہین پہونچ گیا ہی مگر ہم جہان تھے وہین ہین۔ کبھی ایسی چیز جو زمانہ کے مطابق نہو دیرپا اثر پیدا نہین کرتی۔ مانا کہ شاعری کو جذبات عشق و محبت سے نہ مٹنے والا تعلق ہی مگر ہر زمانے کے عشق و محبت کی شان جُدا ہوتی ہی۔ اور یہ ضرور نہین ہی کہ اُسکا تعلق کسی سادہ رُو ہی سے ہو۔ بلکہ فطرت کی بوقلمونی وطن کی کشش اور دلفریبی قوم کی ترقی اور ملک کی حریت بھی اُسکا موضوع ہو سکتے ہین۔ اور اب اس امر کی ضرورت ہی کہ بت سادہ ناصح مشفق و رقیب روسیاہ کی تثلیث سے نکلکر دائرہ عشق کو وسیع کیا جائے اور اُن کو بھی طبع آزمائی کا ذریعہ بنایا جائے جو عام طور پر مسرات انسانی کے مجموعہ مین اضافہ کرتے اور قومون کی ترقی و عروج کا سبب ہوتے ہین۔

منگل تھٹ

مہاتما گوتم بدھ نے جیسی باریک نظر سے اس معدوم ہستی تا یعنی انسان ضعیف البنیان کی حقیقت کا مطالعہ کیا ہو اُسکی مثال تاریخ عالم مین نہین مل سکتی۔ کارزار ہستی سے بیزار ہو کر اُسنے نیستی کو منتہاے ہستی قرار دیا اور اِس پُرخار رستے کے طے کرنے لیئے تزکیۂ نفس کو رہبر طریق بنایا۔ یہی وجہ ہو کہ اخلاق کے جو اعلیٰ نمونے مذہب بودھ کی کتابون مین ملتے ہین وہ دنیا کے لٹریچر مین عدیم المثال ہین۔ اگرچہ انسان کی طبعی مادہ پرستی نے مذہب بودھ کے اُصولون پر رسم و رواج کا ایسا گہرا پردہ ڈالدیا ہو کہ اگر مہاتما بدھ پھر جنم لین تو شاید خود بھی نہ پہچان سکین لیکن باوجود اِس متبرک شخص کے پاک نفس نے ابنا ئے زمانہ پر ایسا عمیق اثر ڈالا تھا کہ اُس کے پند و نصائح دُنیا کی میراث کا اعلیٰ جزو بن گئے ہین۔ اور آج بھی اُس کے پیرو اُن کو اپنے لیے کارنامۂ حیات اور چراغ ہدایت سمجھتے ہین اور اُن کی بدولت اُنمین ایثار نفسی۔ نیک دلی۔ بے تعصبی اور فیاضی کے جیسے اعلیٰ نمونے ملتے ہین ایسے کسی دوسری قوم مین نہین ملتے۔ برہما مین عام طور پر مذہب بودھ کا رواج ہے اور اگرچہ اِس مذہب کے فلسفانہ اصول فراموشی کی نذر ہو چکے ہین لیکن مہاتما بُدھ کے بعض وعظ و نصائح ابھی تک سینون مین محفوظ چلے آتے ہین اور یہ اُنھین کی برکت ہے کہ برہمی باوجود ہر قسم کے ضعیف الاعتقادیون مین پھنسے ہونے کے اپنے عمدہ اخلاق کے لحاظ سے دوسری قومون مین پیچھے نہین ہین۔ اُنہین سے ایک خطبہ ہو جسکا نام وہان کی زبان مین منگل تھٹ (نیکیون پر وعظ) ہو یہ خطبہ خود گوتم بُدھ سے منسوب ہو اور بیان کیا جاتا ہو کہ اُس کو اُس کے چہیتے شاگرد انندا نے قلمبند کیا تھا۔ یہ خطبہ برہما مین اسقدر مقبول عام ہو کہ شاید کوئی لکھا پڑھا شخص ہو جس کے ذہن مین یہ زبانی یاد نہ ہو یا جو اسکو اپنے لیے ذریعہ نجات نہ سمجھتا ہو اور فی الحقیقت اُسمین ایسی خوبی سے انسانی زندگی کا احاطہ کیا گیا ہو کہ معاش سے لیکر معاد تک کا کوئی اہم اُصول نہین چھوٹا ہو۔ اسمین مذہب بودھ

کی کوئی خصوصیت نہین بلکہ کسی مذہب کا شخص بھی اگر ان اُصولوں کو رہبر طریق بنا سکے تو
اپنی فطرت کے کمال پر پہونچکر دُنیا مین کامیاب اور آخرت مین سرخرو ہو سکتا ہے مشہور
معروف بشپ پائیگانڈٹ جو مدت تک برہما مین رہا اس وعظ کی بڑی تعریف کرتا ہے۔
ہمکو حال مین جو سفر برہما کا اتفاق ہوا تھا تو اپنے ہم وطنون کے لیے یہ تحفہ لائے تھے اور
اب اسقدر تمہید کے بعد اُسکا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔

تعریف واجب ہے بدھ کو جس کی ذات مقدس اور عقل کامل ہے۔ جب قدسی مآب
و پاک نژاد بُدھ رشیاؤن کے عظیم الشان خانقاہ مین جس کو دولتمند سوداگرون نے ملک
تھاوی مین تعمیر کیا تھا گوشہ نشین تھے تو اُن کے پاس ایک دیو آدھی رات کو جبکہ تمام خانقاہ
اُن نورانی شعاعون سے جو بُدھ کے جسم سے نکل رہی تھین منور تھی آیا۔ وہ نہ تو زیادہ
فاصلہ پر رہا اور نہ دائین طرف جھکا اور نہ بائین طرف بلکہ مقام مناسب پر کھڑا ہو گیا اور
جھک کر ڈنڈوت کرنیکے بعد اُسنے بدھ سے حسب ذیل خطاب کیا۔

" اے اعلیٰ و اقدس بدھ جسکی ذات سب سے زیادہ پرستش کے قابل ہے بارہ سال
سے بہت سے دیو اور انسان جو نروان کے مقدس درجے پر پہونچنے کے آرزومند ہین اس
کوشش مین ہین کہ اُن اُمور کو دریافت کرین جو بابرکت ہین مگر ابھی تک اُن کو اسمین
کامیابی نہین ہوئی پس تو ہمکو اُن اُمور کی تلقین کر جو سب سے زیادہ بابرکت ہین۔

اُس معبود نے جواب دیا۔

او دیو کے بچّے احمقون کی صحبت سے احتراز کر۔ علما کی عزت کر۔ جو چیز قابل پرستش
ہو اُسکی پرستش کر یہ چیزین بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے اُنیک لوگون کی صحبت مین رہنا۔
پہلے جنم مین جو نیک کام کیئے ہون۔ اُنکا دھیان اِس جنم مین رکھنا۔ ہر فعل کی اچھی طرح
حفاظت کرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

او دیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

او دیو کے بچّے علم کامل کرنے کے لیے بہت کچھ دیکھنا اور سیکھنا۔ اُن سب علوم
کو حاصل کرنا جو گناہ کی تحریک نہین کرتے۔ زبان کو قابو مین رکھنا۔ قانون کا مطالعہ کرنا کہ

مناسب حال روپیہ کا علم ہو۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا والدین کے ساتھ نرمی اور محبت کا برتاؤ کرنا۔ اپنی بیوی بچون کی اچھی طرح پرداخت کرنا۔ کوئی فعل کسی پرمعصیت تحریک کے اثر سے نکرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا صدقہ دینا اور کثرت سے خیرات کرنا۔ اُصول قانون و نیکی کے مطابق کاربند ہونا۔ دوستون اور عزیزون کی دستگیری کرنا۔ نیکی کے کام کرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا گناہ سے احتراز کرنا اور ایسے احتراز کی طرف فوراً اور ہمہ تن مصروف ہوجانا۔ مسکرات سے پرہیز کرنا۔ نیکیان جمع کرنے کا اُصول ہمیشہ پیش نظر رکھنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا اُن لوگونکی عزت کرنا جو قابل عزت ہون۔ ہمیشہ منکسر المزاج اور قانع رہنا۔ جو احسانات کیئے جائین۔ اُن کے لحاظ سے ممنون رہنا۔ مناسب اوقات مین دھرم شاستر کا وعظ سُننا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا صبر کرنا اور مصیبتون کو تحمل سے برداشت کرنا۔ اچھی باتون سے خوش ہونا۔ جب موقع ہو تو نیک لوگون کے پاس جانا۔ دھرم کی باتون پر گفتگو کرنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا مجاہدۂ نفس کرنا۔ صداقت اعلیٰ پر استقلال سے قائم رہنا۔ ہمیشہ اس امر کی کوشش کرنا کہ ایسے طریقے پر عمل کیا جائے جو سب سے زیادہ نیکی کی طرف مائل ہو۔ حصول نروان پر مضبوطی سے نظر جمائے رہنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اودیو خوب ذہن مین اُتار لے۔

اودیو کے نیچے ا رنج و خوشی کے اثر سے بالا رہنا۔ دل کو ہر حال مین مطمئن رکھنا۔ جذبات نفسانی سے بچے ہی رہنا۔ دُنیا کے ہر قسم کے خطرات کے مقابلے مین بالکل مطمئن اور بےخوف رہنا۔ یہ اُمور بابرکت ہین۔

اور دیو خوب ذہن مین اُتارے۔

اور دیو جو شخص اِن ۳۸ بابرکت اصول پر کاربند ہوگا اُسپر کبھی کوئی غالب نہ آسکیگا اور وہ ہر حال مین خوش رہے گا۔

اور دیو اچھی طرح ذہن مین اُتارے تاکہ تجھکو بھی آریاؤن جیسا اطمینان قلب نصیب ہوئے

یہ جواب ہے جو تقدس مآب بدھ نے دیا۔ فقط



ایک مشرقی تاجدار کی تخت نشینی

مغرب مین

اسپین اگرچہ زمانہ موجودہ مین وحشت بیرحمی بدامنی وتہذیبی کا معدن سمجھا جاتا ہو - لیکن کوئی زمانہ تھا کہ ہلال کے فیض بار سایہ مین تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ تھا جہان سے رفتہ رفتہ علم کی روشنی یورپ کے دوسرے ممالک مین جہان جہالت کی گہری تاریکی صدیون سے مسلط تھی پھیلی اور ایسی پھیلی کہ چندہی روز مین تمام سرزمین مطلع انوار بن گئی - اگرچہ اسلامی حکومت کی بنیاد طارق بن زیاد کی جوانمردی اور موسیٰ بن نصیر کی دور اندیش مدبّری نے ڈالی تھی - لیکن بنی عباس کی پُرفریب حکمت عملی اور خونریز مدبّری نے خلافت بنی اُمیّہ کا خاتمہ کیا اور یہ عزم بالجزم کر لیا کہ خاندان خلافت کا کوئی نام لیوا باقی نہ رہے تو ایک شخص جو بعد مین عبدالرحمن الداخل کے نام سے مشہور ہوا کسی نہ کسی صورت سے سیکڑون مصیبت جھیل کر اور ہزارون خطرے برداشت کر کے شمالی افریقہ اور اُس کے ہولناک صحراؤن اور جنگلون کو طے کرتا ہوا اُندلس پہونچا جہان اُس نے اپنی خاندانی اولوالعزمی اور ذاتی جرأت اور دانشمندی سے ایک ایسی سلطنت کی بنیاد ڈالی جو تمدنی و اقتصادی ترقی کے لحاظ سے شرف بنی نوع انسان کہلائے جانے کی مستحق ہے اور شان و شوکت کے اعتبار سے بھی بنی عباس کے ایرانی نژاد جاہ وحشمت پر سبقت لیگئی تھی - سوائے ترکی کے یہی ایک سلطنت ہے جو کسی مشرقی قوم نے ملک مغرب مین قائم کی اور جو اپنے عمدہ قوانین اور حکمرانون کی رفاہ جوئی کی بدولت تہذیب وشائستگی کا مامن سمجھی جانے لگی اگرچہ تمدنی ترقی کی بنیاد عبدالرحمن الداخل ہی کے زمانے مین پڑ چکی تھی اور اُس کے بعد ہشام کی علم دوستی وہنرپروری الحکم کی اولوالعزمی وامن پژوہی اور عبدالرحمن ثانی کی شوکت پسندی اور روشن خیالی نے اُسکو اور وسیع کیا - لیکن اصل یہ ہو کہ ایسے امور مین معراج کمال پر پہونچنے کے لیے ضرور ہے کہ ملک اندرونی سازشون اور فسادون سے

پاک اور بیرونی دشمنون کے حملون سے محفوظ ہوا ور یہ امر عبد الرحمن ثالث کے زمانہ سے پہلے نصیب نہ ہوا جس کی وجہ یہ تھی کہ اُس کے باپ نے اپنی مصلحت اندیشی نے اُس کو سب سے پہلے خانہ جنگیون کے استیصال کی طرف مائل کیا اور جب اس سے نجات ملی تو اُس نے بیرونی دشمنون کے مقابلے اور سرحدون کی توسیع اور استحکام کی طرف توجہ کی اور اس کے ساتھ رعایا سے ایسی بے تعصبی اور انصاف کا برتاؤ کیا کہ سب لوگ بلا لحاظ قوم و ملت اُس کے گرویدہ ہوگئے۔ اُسکی فراست و دانائی اور اولوالعزمی و حکمت عملی کی یہان تک شہرت ہوئی کہ قیصر روم و پادشاہان اٹلی و فرانس و جرمنی نے اُس کے پاس سفارتین بھیجین جب ملک مین امن و امان قائم ہوگیا اور بیرونی خطرون کا اندیشہ جاتا رہا تو اُسنے الناصر الدین اللہ کا لقب اختیار کر کے دربار خلافت کی بنیاد ڈالی اور اصلاح و فلاح رعایا اور آراستگی ملک کی طرف توجہ کی اور ایسے ایسے مفید کام کیے جنکی مثال یہ ترقی یافتہ زمانہ بھی مشکل سے دکھا سکتا ہے۔

اس اولوالعزم بادشاہ کے خلف الصدق اور جانشین الحکم المستنصر باللہ کے تخت نشینی کا سین ہم دکھلانا چاہتے ہین۔ الناصر باللہ کا انتقال تاریخ ۴ رمضان المبارک ۳۵۰ھ کو ہوا اور اُس کے تیسرے روز جمعرات کے دن ۵ رمضان المبارک کو الحکم نے تخت خلافت پر قدم رکھا اور تمام صوبون کے والیون کے نام فرمان صادر کیے کہ اُس کے لیئے تمام طبقہ جات رعایا سے بیعت لین اور اُس کے بعد محلات اور فوج کا جائزہ لیا۔ سب سے پہلے صقالیہ باڈی گارڈ نے جو اُسکے باپ نے قائم کیا تھا اور جس مین مسلمان اور عیسائی دونو بلا امتیاز مذہب شریک تھے اطاعت کا حلف لیا اُس کے بعد خواجہ سرائون اور محل کے اعلی افسرون مثل داروغہ اصطبل و مہتمم توشہ خانہ وغیرہ نے بیعت کی اور اپنے اپنے ماتحتون سے حلف لیا اور اُس کے بعد باقی عہدہ داران محلات شاہی مثلاً کاتبون اور خادمون اور مقدمون (کپتانون) اور عارفون (افسرون) نے حاضر ہوکر رسم بیعت ادا کی۔

جب تمام ملازمان محلات خلافت رسم بیعت ادا کر چکے تو الحکم نے اپنے بھائیون ابو مروان عبد اللہ اور ابو الاصبغ عبد العزیز کو جو اس وقت تک علیحدہ رہے تھے قاصد بھیجکر طلب کیا اور وہ مدینۃ الزہرہ مین جہان تخت نشینی کی رسم ادا ہونے والی تھی حاضر کیے گئے۔

مدینۃ الزہرہ وہ مقام ہے جس کی تعریف مین اندلس کے تمام شاعر اور مورخ رطب اللسان

ہین اور اُس کے جو حالات ہم تک پہونچے ہین اُن کے لحاظ سے کہا جا سکتا کہ اُس کی تعمیر و آراستگی مین شاہانہ کر و فر اور ظاہری تجمل اور احتشام کو انتہائی نقطہ خیال تک پہونچا دیا گیا تھا۔ اس قصر کو حسن و عشق کا ایک عجیب و غریب یادگار ہے۔ عبد الرحمن الناصر لدین اللہ کی شوکت پسندی اور حسن پرستی نے قرطبہ سے تقریباً تین چار میل کے فاصلے پر جبل العروس کے پُر فضا دامن مین دریا کے قریب اپنی محبوبہ کنیز الزہرہ کی فرمایش اور نام سے تعمیر کرایا تھا۔ ابتدا مین یہ ایک مختصر ہی سی عمارت تھی جو محض تفرج گاہ کے طور پر بنوائی گئی تھی۔ مگر بعد مین وہان کی روح پرور ہوا اور خوش فضا منظر الناصر کو اسقدر پسند آیا کہ اُس نے وہین اقامت اختیار کی پھر کیا تھا بڑے بڑے قصور و ایوان تعمیر ہونے لگے اور اُس کے خادمون اور فوجی افسرون کے لیے بھی ہر طرف عالی شان عمارتین کھڑی ہو گئین اور اُسکا نام بجاے قصر کے مدینۃ الزہرہ قرار پایا۔

محلات شاہی کو رفتہ رفتہ اسقدر توسیع دی گئی کہ قصر کا طول شرقاً غرباً دو ہزار سات سو ہاتھ اور عرض شمالاً و جنوباً ایک ہزار سات سو ہاتھ قرار پایا۔ عمارت کی سنگینی کی یہ کیفیت تھی کہ وہ نیچے سے لیکر اوپر تک سنگ مرمر سے بنائی گئی تھی اور اُسکا نقشہ اسقدر دلفریب اور اسمین ہر چیز کے تناسب کا کچھ ایسا خیال رکھا گیا تھا کہ نور کے سانچے مین ڈھلا ہوا معلوم ہوتا تھا اور دیکھنے والا محو حیرت ہو کر رہ جاتا تھا۔ اُسکی تعمیر ۳۲۵ھ مین شروع ہوئی اور الناصر کی زندگی مین پچیس سال تک جاری رہی دس ہزار مزدور اور کاریگر روزانہ کام کرتے تھے اور چودہ سو خچر اور چالیس سو اونٹ جو دربار خلافت کی ملک تھے اور ایک ہزار کرایہ کے خچر اور چار سو اونٹ سامان تعمیر لایا کرتے تھے اور مزدورون کو روزانہ فی کس ایک درہم ملا کرتا تھا۔ اور کاریگرون کو ۲½ درہم یومیہ اور ہر خچر کا روزانہ کرایہ تین مثقال چاندی تھا۔ چھ ہزار ترشے اور جلا کئے ہوئے مختلف اشکال کے پتھر روز کار تعمیر مین آتے تھے۔ اور بن ترشے پتھرون اور اینٹون وغیرہ کا تو شمار ہی نہین ہے۔ کل عمارت مین چار ہزار تین سو سولہ ستون لگے جن مین سے بعض اٹلی سے آئے تھے ۱۹ فرانس سے ۱۴۰ شہنشاہ قسطنطنیہ نے نذر کیے تھے۔ اور ایک ہزار تیرہ جو زیادہ تر سبز اور گلابی سنگ مرمر کے تھے کارتھج ڈونس و اسفاقس اور افریقہ کے دوسرے مقامات سے لائے گئے تھے۔ اور باقی پتھر اور ستون اسپین کے مختلف معدنون نے مثلاً سنگ سفید طرغونہ اور المریا سے اور دھاریدار سنگ مرمر رایہ سے

وعلی ہذا انکال کرلایا جاتا تھا۔ افریقہ سے پتھر لانے پر تین شخص خاص طور پر مامور تھے۔ عبداللہ
ناظر تعمیر و حسن بن محمد و علی بن جعفر۔ اسکندریہ کا رہنے والا اور اُن کے علاوہ ابن یونس
ملاح سے بھی یہ کام لیا جاتا تھا۔ عبدالرحمن الناصر اُن کو ہر ستون یا ہر ترشے ہوے پتھر
کی بابت دس دینار طلائی دیا کرتا تھا۔ اور اُندلس سے جو پتھر لاے جاتے تھے۔ اُن کی بھی تقریبًا
اسی قدر قیمت ہوتی تھی۔ پتھروں کے علاوہ گیارہ سو بوجھے چونے اور قلعی کے ہر تیسرے
روز کام میں آتے تھے۔ اور کل قصر میں پندرہ ہزار دروازے تھے۔ جنکی چوکھٹوں پر
نہایت خوشنما کھدائی کا کام تھا اور اُن کے کواڑوں پر فولاد اور پیتل کی مجلّا تختیاں جڑی
ہوئی تھیں۔ کار تعمیر میں ہر سال تین لاکھ دینار سُرخ خرچ ہوتے تھے۔ اور اس لیئے
پچیس سال میں ساڑھی سات کروڑ دینار صرف ہوے۔ محلات خلافت میں سب سے عجیب و
غریب ایک ایوان تھا جس کا نام قصر الخلفاء تھا جس کی دیواریں اور چھت طلائی خالص اور
مختلف الالوان سنگ مرمر کی شفاف تختیوں سے بنائی گئی تھی اور اُس کے اوپر چاندی
اور سونے کے سفال تھے۔ اِس ایوان کے وسط میں وہ عجیب و غریب فوّارہ تھا جس کا
شمار عجائبات عالم میں ہے۔ یہ فوّارہ احمد الیونانی ملک شام سے لایا تھا اور وہ یشب
سبز کا تھا۔ الناصر اس فوارہ کو دیکھکر بہت خوش ہوا اور اُس نے اُس پر بارہ چرندوں
اور پرندوں کی مورتیں طلائی سُرخ سے قرطبہ کے دارالصنایع میں بنائی گئیں اور مرصع بجواہر تھیں
نصب کرائیں۔ اس میں ایک شیر کی صورت تھی جس کے ایک طرف ہرن کی مورت
تھی اور دوسری طرف مگرمچھ کی اور اُس کے مقابلے میں عقاب اور اژدہے کی مورت
تھی اور اُن کے بازوں پر کبوتر اور باز اور مور اور مرغی اور مرغے اور چیل اور
گدکی تمثالیں تھیں۔ اِن سب مورتوں پر بیش قیمت جواہرات جڑے ہوے لگے تھے اور
اُن کے مُنھ اور چونچوں سے فوارے چھُوٹتے تھے۔ فوّارہ کے زیر چھت میں وہ گوہر
خوش آب آویزاں کیا گیا تھا جو یونانی شہنشاہ لیو نے نذر دیا تھا۔ محلات کے بیچ میں
ایک بارہ دری تھی جس کے وسط میں ایک سنگ رخام کا حوض تھا جو پارہ سے لبالب
تھا۔ بارہ دری کے ہر سمت میں آٹھ دروازہ تھے جنکی محرابوں پر آبنوس اور ہاتھی دانت
کا کام تھا اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اور اُن کے ستون مختلف الالوان سنگ مرمر
اور شفاف بلور کے تھے۔ جب آفتاب کی روشنی اِن دروازوں سے ہوکر کمرہ کے اندر

آتی تھی تو اسکی کرنین بارہ دری کی چھت اور دیوارون پر منعکس ہوکر اسقدر تیز ہو جاتی تھین
کہ دیکھنے والے کی آنکھین چوندھیا جاتی تھین اور اگر الناصر حاضرین دربار سے کسی کو ڈرانا
چاہتا اور کسی غلام کو اشارہ کر دیتا کہ ذرا پارہ کو حرکت مین لائے تو چشم زدن مین تمام
کمرے مین بجلی کے شعلے چمکنے لگتے اور سب لوگ یہ سمجھکر کانپنے لگتے کہ کمرہ حرکت کر رہا ہے
اور یہ حالت اسوقت تک قائم رہتی جبتک کہ پارہ مین جنبش رہتی پھر آرائش و تزئین کی
یہی کیفیت تھی کہ ایک طرف تو خوشنما باغات تھے جن کے اندر مصفا پانی کی شفاف نہرین
اور بلورین چشمے سریلے نغمے گانے عجیب انداز سے بہتے تھے اور کہین سنگ مرمر کے حوض
تھے جنمین مختلف شکل کے جانورون کے منھ سے فوارے چھوٹتے تھے اور رنگ برنگ
مچھلیان پڑی ہوئی تھین - ایک بڑا فوارہ خاص طور پر قابل ذکر ہے جو احمد الیونانی اور
پادری ربیع قسطنطنیہ سے لائے تھے یہ فوارہ بحرس کا تھا اور اُس پر سونے کا گہرا ملمع تھا
اور اُس پر انسانون کی تصویرین کھدی ہوئی تھین کہین میوہ دار درختون کے تختے تھے اور
پھولدار پودون کے جھنڈ کہین پر تکلف حمام تھے جن مین سنگ مرمر کے حوض تھے یہ تو
باہر کی کیفیت تھی اگر اندر قدم رکھو تو پھر اور ہی عالم نظر آتا تھا جدھر دیکھو دیوارون
پر ریشمی اور زرکار پردے پڑے ہوئے تھے جن پر کہین جنگل اور صحرا کا سین دکھایا گیا
تھا کہین باغ و بہار کی کیفیت تھی - کہین خطوط اقلیدس کے عجیب دلکش نمونے بنائے
تھے اور کہین جانورونکی تصویرین تھین اور ہر چیز مین ایسی اُستادانہ صناعی سے کام
لیا گیا تھا کہ نقل پر اصل کا دھوکا ہوتا تھا - نیچے کی طرف دیکھو تو رنگ برنگ کے قالین بچھے
ہوئے ہین جن پر نہایت دل فریب گلکاری تھی اس کے علاوہ جابجا تصویرین بھی لگائی
گئی تھین جو اعلیٰ درجے کی نقاشی کا نمونہ تھین جب عمارت مکمل ہو چکی تو الناصر الدین اللہ
نے اُس صدر دروازہ پر اپنی محبوبہ زہرہ کا نہایت خوبصورت مجسمہ نصب کرایا - کہتے ہین
کہ جب زہرہ پہلی دفعہ قصر مین آئی تو اُس نے جھروکون مین سے دیکھا کہ ایک طرف تو
سفید قصور ایوان ہین کہ نظر کام نہین کرتی اور دوسری طرف ایک سر بفلک پہاڑ
کالے دیو کی طرح کھڑا ہوا ہے تو اُس نے عبد الرحمن سے کہا کہ "مولائی" دیکھیے یہ پری
چہرہ اس حبشی کے آغوش مین کیسی بھلی معلوم ہوتی ہے - یہ سنکر عبد الرحمن الناصر کو
بڑا جوش آیا - اور اُس نے حکم دیا کہ پہاڑ کو کاٹ کر میدان بنا دیا جائے لیکن جب

ارکان دولت نے سمجھایا تو وہ اِس ارادہ سے باز رہا مگر اُس نے تمام سطح کوہ کو جنگلی درختون
کو اُکھڑوا کر صاف کر دیا اور اُس پر بادام اور انجیر وغیرہ کے درخت نصب کرالئے جس سے
منظر نہایت ہی دلفریب ہو گیا اور خاصکر موسم بہار مین پہاڑ کا سین نہایت ہی
دلفریب معلوم دیتا تھا۔ غرضکہ اِس عالیشان محل مین دربار تخت نشینی قرار پایا تھا
اور قصر الخلفاء پہلے سے زیادہ شان و شوکت کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ بیچ مین تخت خلافت
تھا اور اُس کے دونون طرف بڑے بڑے خواجہ سرا سفید قبائین پہنے اور ہاتھون
مین تلوارین لیئے صفین باندھے کھڑے تھے۔ اُن کے بعد خدمتگار خواجہ سرا تھے جو زرہ بکتر
پہنے اور ہاتھون مین جگمگاتی تلوارین لیے دو صفون مین محل کے سامنے کے چبوترے
پر استادہ تھے۔ قریب کے چھجون پر پہرہ دار خواجہ سرا تھے جن کے ہاتھون مین نیزے
تھے اور ان کے ساتھ ہی صقالبہ (رومی) خواجہ سرا تھے۔ سفید لباس پہنے تلوارون
سے مسلح تھے اُس کے بعد کم درجے کے رومی خواجہ سرا تھے اور اُس کے پیچھے باڈی گارڈ
کے تیر انداز کمانین اور ترکش لگائے کھڑے تھے اُس کے بعد حبشی غلام تھے جن کے ہتیار
خوب چمک رہے تھے اُن کے جسم مین سفید قبائین اور سر پر صقلی خود اور اُن کے ہاتھون
مین بوقلمون ڈھالین تھین اور اُن کے اسلحہ پر سُنہری کام تھا وہ چبوترے سے لیکر آخری
چھجے تک دو صفون مین مرتب تھے۔ باب السدہ پر باردار متعین تھے اور اُن کے باہر حبشیون
کا رسالہ تھا جسکی دورویہ صفین باب العقبہ تک چلی گئی تھین اُن کے بعد خود خلیفہ کے
باڈی گارڈ کا رسالہ تھا جس مین دربار خلافت کے آزاد غلام ملازم تھے اُن کے بعد باقی
سپاہ اور غلام اور تیر انداز شہر کے بیرونی دروازے تک صف بستہ یکے بعد دیگرے کھڑے
ہوئے تھے۔ خلیفہ کے آٹھون بھائی رات ہی کو آگئے تھے اور اُن کو اُن کے درجے کے
مناسب محل کے دونون بازون مین جگہ دی گئی تھی۔ علی الصباح وہ مغربی اور مشرقی ایوانون
مین اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ اور الحکم اپنے تخت پر ایوان زرّین مین جو وسط مین تھا متمکن ہوا
یہ ایوان قصر کے جنوبی حصہ مین تھا اور اُسکے سامنے سنگ مرمر کا مشہور چبوترہ تھا۔ جب
تمام ارکان دولت اپنی جگہ پر پہونچ گئے تو سب سے پہلے خلیفہ کے بھائی تخت کی طرف
بڑھے اور اُنھون نے آداب بجا لاکر اطاعت کا حلف لیا اُس کے بعد مرزا اور اُس کے
بیٹون اور بھائیون کی باری آئی جس کے بعد ہی صاحب الشرطہ (باڈی گارڈ) اور ملازمان

محلات آگے بڑھے اس کے بعد خلیفہ کے بھائی اور وزرا اور اُمرا اپنے اپنے مقام پر تخت کے دائین اور بائین بیٹھ گئے۔ البتہ عیسیٰ ابن قطیس ایوان کے ایک کونے مین کھڑے ہوکر اورآنے والون سے بیعت لینے لگا۔ قریب کے تمام مکانات حسب معمول عہدہ دارون اور درباریون سے بھرے ہوئے تھے جن کو ایسے موقعون پر حاضری کا حق حاصل تھا اسکے بعد الحکم امیرالمومنین المستنصر باللہ کا لقب اختیار کیا۔ اور اُسکے نام سے خطبہ اور سکہ جاری ہوا چونکہ اس زمانے مین انگریزی حکومت کی بدولت مشرق مین ایک مغربی بادشاہ کی تخت نشینی کا عجیب نظارہ ہمارے سامنے آیا ہے۔ اس لئے ہمنے مناسب سمجھا کہ تاریخ کے ورق اُلٹ کر دکھائین کہ کسی زمانے مین ایک مشرقی بادشاہ مغرب مین کس شان وشوکت کے ساتھ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا تھا۔

دیسی مصنوعات کی حفاظت

لارڈ منٹو کے بابرکت عہد کے ختم ہونے پر جس نے تاریخ ہند مین اصلاح نظام سلطنت اور توسیع آزادی وحقوق رعایا کے لحاظ سے ایک نیا ورق الٹا ہی لندن ٹائمز نے ایک بسیط ریویو لکھا ہی اور اُسکے آخر مین اس امر پر زور دیا ہی کہ دور جدید مین لجسلیٹو کونسلون کے دیسی ممبر اس امر پر پورا زور لگائینگے کہ ہندوستان کو فسکل یعنی مالی آزادی نصیب ہو۔

یہ امر اب مسلمات سے ہو گیا ہی کہ کارزار ہستی مین کوئی قوم قعر تنزل سے نکلکر معراج ترقی پر نہین پہونچ سکتی تاوقتیکہ وہ صنعت وحرفت مین ترقی کرکے خود اپنی ضرورتون پر حاوی نہو جاے بلکہ میدان مقابلہ مین دوسری قومون کے دوش بدوش چلکر دنیا کی تجارت مین لیا حصہ نہ بٹائے ہندوستان ایک زراعتی ملک ہے اور تاریخ عالم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہی کہ کہین کسی زراعتی ملک نے دنیا کی ترقی مین کبھی کوئی بڑا حصہ نہین لیا بلکہ اکثر مصائب والام افلاس مین مبتلا رہا ہے۔

ممالک یورپ کو موجودہ امتیاز اُسوقت سے حاصل ہوا ہی جبسے کہ اُنھون نے میدان صنعت و تجارت مین قدم رکھا ہی اور ہندوستان کو بھی اُس وقت تک فارغ البالی نصیب ہی جبتک کہ یہان کی مصنوعات دُنیا کی منڈیون مین نظر خریداری سے دیکھی جاتی تھین۔ موجودہ زمانے مین جو عروج جرمن امریکا اور جاپان کو نصیب ہے اسکا راز بھی صنعتی اور تجارتی ترقی ہی۔ یہی وہ ذریعہ ہی جس سے ملک کا خزانہ مالامال اور رعیت فارغ البال ہوتی ہی۔ اگرچہ زراعت کے اعتبار سے ہندوستان نے کچھ کم ترقی نہین کی ہی۔ لاکھون ایکڑ زمینین جو افتادہ پڑی ہوئی تھین سبزہ زار بنگئی ہین اور ذرائع آبپاشی کے بدولت بڑے بڑے رقبے موسم کے تلون سے محفوظ ہوکر جواہرات کی کانون سے زیادہ زرخیز ہوگئے ہین اور ہمارے ملک کی پیداوار بھی تمام دنیا کی بازارون مین قدر و قیمت کی نگاہ سے دیکھی جانے لگی ہی لیکن کیا یہ سب عظیم الشان ترقیان ملک کی فارغ البالی مین منتج ہوتی ہین؟ برخلاف اسکے ہم دیکھتے ہین کہ افلاس روز بروز بڑھتا جاتا ہی اور آئے دن قحط اور گرانی ہمارا دروازہ کھٹکھٹاتی رہتی ہی۔ ہماری خام پیداوار کی مانگ مین جو اضافہ ہو رہا ہی اُس سے بجاے اسکے کہ فارغ البالی پیدا ہوتی الٹی گرانی بڑھ رہی ہی اور گو اسمین معدودے چند سرمایہ دارون کا فائدہ ہو مگر عام طور پر گرانی افلاس کا دروازہ ہی اگر ہمارے ذرائع آمدنی زراعت

ہی پر محدود رہے تو امن و امان کی وجہ سے جو تیز پا ترقی آبادی میں ہو رہی ہے اسکا نتیجہ بالیقین اور بھی افلاس کی زیادتی ہوگا۔ یہ افلاس کی تاریک گھٹا جو ہمارے سر پر منڈلا رہی ہے نہ نظام ملک میں زیادہ خدمتوں کے ملنے سے ٹل سکتی ہے اور نہ نظام سلطنت میں ہمارا بیش زیادہ حصہ ہونے سے بلکہ اقتصادی قوتوں کا مقابلہ جنکا عمل قوانین فطرت کے تابع ہوتا ہے اقتصادی تدابیر ہی سے ہو سکتا ہے اور اس اعتبار سے اگر زیادہ خدمتوں کا ملنا یا انتظام مکانات میں ہماری آواز کا با اثر ہونا مفید ہو سکتا ہے تو محض اس وجہ سے کہ ہماری قسمت خود اپنے ہاتھ میں آجاتی ہے اور ہمکو ان تدابیر کے عمل میں لانے کا موقع ملتا ہے جو ہمارے نزدیک ذریعہ نجات ہیں۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ سائنس کی ترقی اور کلوں کی ایجاد نے ہندوستان کی قدیم صنعت و حرفت کو جس کا مدار دستکاری پر تھا اور جو ایک زمانے میں دنیا کے بازاروں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اور جس کی بدولت ملک میں فارغ البالی کے آثار نظر آتے تھے بالکل مٹا دیا اور ہوا یہ کہ بجائے اسکے کہ ہم جدید اصولوں پر کارخانے قائم کرتے مدت تک تو علم و ہنر کے نہ ہونے کی وجہ سے چاہ غفلت میں پڑے رہے اور جب ذرا کروٹ بدلی اور آنکھیں ملتے ہوئے اٹھے تو معلوم ہوا کہ اس میدان میں دوسری قومیں تو دوڑ لگا رہی ہیں اور ہمکو ابھی گھٹنیاں چلنا بھی نہیں آیا اور تا وقتیکہ سہارا نہ ملے ہمارا اپنے پاؤں کے بل کھڑا ہونا بھی دشوار ہے نتیجہ یہ ہوا کہ ہم سوئی سے لیکر ریل کی پٹری اور جہازوں کے لیے بیرونی حمایت کے محتاج ہو گئے اور گو اولوالعزمی میں ضرورت کے احساس اور کسب زر کی خواہش نے بہت سے لوگوں کو میدان صنعت و حرفت میں قسمت آزمائی کرنے پر آمادہ کیا لیکن سوائے اسکے کہ تمام پیداوار ہمارے دروازہ ہی پر موجود تھی اور کسی قسم کی مدد نہ ملی بلکہ سخت دقتوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ امریکا جرمن اور انگلستان کی نوآبادیوں کے تجربے نے ہمکو بتا دیا تھا کہ گو اسمیں ذرا کلام نہیں ہے کہ آزادی تجارت ان قوموں کے حق میں جو مقابلہ کی کڑی منزلیں طے کر کے معراج کمال پر پہونچ گئی ہیں آب حیات ہے لیکن ان قوموں کے لیے جنہوں نے ابھی میدان ترقی میں قدم رکھا ہے وبال جان سے کم نہیں ہے اور اگر ان کی نجات کا کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ ممالک غیر کی مصنوعات کی درآمد پر ایسا محصول لگا کر ایک ایسی آہنی فصیل بنائی جائے جسکے سایہ میں دیسی مصنوعات کو ترقی دینے کا موقع ملے اگرچہ علم اقتصاد کے ماہرین کی متفقہ رائے ہے کہ کسی قوم کا میدان مقابلہ سے منہ موڑ کر آہنی قلعہ میں محصور ہونا قوانین فطرت کے خلاف اور اسلیے اسکے حق میں مضر ہے کیونکہ مقابلہ نہ ہونے سے ایک قسم کی سہل انگاری پیدا ہو جاتی ہے جو ترقی کی مانع ہوتی ہے اور گو اسمیں ایک خاص گروہ کا فائدہ ہوتا ہے لیکن چونکہ محصول کی وجہ سے اشیاء

ا یحتاج گران ہوجاتی ہین اسلیئے عام طور پر ملک کا نقصان ہوتا ہی۔ اگرچہ یہ دلائل نہایت قوی ہین لیکن چونکہ یہ آہنی دیوار دائمی نہین بلکہ محض عارضی اُسوقت تک کے لیے ہوتی ہی کہ ملکی صنعت و حرفت کو اسقدر موقع ملے کہ بیرونی مقابلہ کی تاب لاسکے اس لیے اس سے ویسے شدید نقصانات نہین ہوتے جیسے کہ بصورت دیگر ہوتے اور اگر کچھ ہوتے بھی ہین انکو آخری کامیابی کی اُمید پر گوارا کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہی لوگ جنکی گھٹی مین آزادی تجارت کا اُصول پڑا ہی جب کسی نوآبادی مین جاتے ہین تو نہایت زور سے اُصول حفاظت مصنوعات کے مؤید ہوجاتے ہین۔ ہندوستان کی تجارت مین ابتک انگلستان کا شیر کا حصہ ہی۔ چنانچہ اسوقت بھی جبکہ دوسرے ممالک نے بھی صنعت و حرفت مین بڑی انتہا ترقی کی ہی ہندوستان کی بیرونی تجارت مین انگلستان کا حصہ ۶۰ اور ۷۰ فی صدی کے مابین ہے۔ چونکہ انگلستان جو صنعتی ترقی کے انتہائی زینہ پر پہونچ چکا ہے فائدہ اسی مین تھا کہ تجارت آزاد ہو اور ہمکو اپنے ملک کے وضع کرنے مین کوئی دخل نہ تھا اسلئے خواہ نخواہ ہمکو بھی اصول آزادی تجارت پر عمل کرنا پڑا۔

ہماری بےبسی اس وجہ سے اور بھی بڑھ گئی کہ انگلستان مین پارلیمنٹری گورنمنٹ ہی اور اسلئے ہر پارٹی خواہ وہ ذی اختیار ہو یا ہونا انتخاب کرنے والونکی نظر عنایت کی محتاج ہوتی ہی اگر گورنمنٹ ہماری مدد پر آمادہ ہو تو بھی با اثر کارخانہ دارون کے دباؤ کی وجہ سے سر نہین اُٹھا سکتی۔ چنانچہ حال ہی کے زمانے مین اسکا پورا تجربہ ہو چکا ہے کہ جب ولائتی کپڑے پر آمدنی کی خاطر نہ کہ ہندوستانی مصنوعات کی امداد کی غرض سے ٹکس لگایا گیا تو لنکے شائر کے کارخانہ دارون نے وہ شور شغب کیا کہ گو یہ ثابت تھا کہ جس قسم کے باریک کپڑے پر محصول لگایا گیا ہے اُس قسم کا کپڑا ہندوستان مین تیار نہین ہوتا اور اسوجہ سے ولایتی کپڑے کی مانگ پر کوئی اثر نہین پڑ سکتا لیکن گورنمنٹ کو دیسی کپڑے پر بغرض رفع شر محصول لگاتے ہی بنا گو کہ اُس سے ملکی صنعت و حرفت کو کچھ کم نقصان نہین پہنچا۔ اسی قسم کے اسباب سے مجبور ہو کر اہل ہند نے سودیشی طریقے کے رواج دینے کی طرف توجہ کی۔ کیونکہ اُنھون نے خیال کیا کہ جب ہم قانون کے ذریعے سے اپنی صنعت و حرفت کو ترقی دینے کے ذرائع نکال نہین سکتے تو ہم خود ہی ایثار نفس سے کام لیکر حتی الامکان اپنے ملک کی چیزون کو ممالک غیر کی مصنوعات پر کیون نہ ترجیح دین سودیشی کا خیال دراصل نہایت قدر کے قابل ہی اور اسکی بنیاد حب وطن پر ہی اور کوئی ملک دنیا مین ایسا نہین ہی جسکی یہ کوشش نہو کہ اپنے یہان کی مصنوعات کو انتہا سے ترقی پر پہونچائے یہانتک کے انگلستان مین بھی جو اسوقت تک اصول آزادی تجارت کا حامی رہا ہی ایک بہت بڑے

گروہ کا یہ خیال پیدا ہوگیا ہے کہ تا وقتیکہ دوسری ممالک کی ترقی پذیر مصنوعات کے مقابلہ مین اپنے ملک کی مصنوعات کی ترجیح کیلیے کوئی صورت نہ نکالی جائے انگلستان کو جو تفوق اسوقت تک حاصل ہے وہ باقی نہین رہ سکتا۔ چنانچہ یہ اصول مناظرہ سے نکلکر کنسرویٹیو پارٹی کے مذہب کا جزو ہوگیا ہے۔ سودیشی سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ وہی ایک ذریعہ ہے کہ ایثار نفس کا مادہ جو ملکی ترقی کے لیے لازم ہے خواص سے لے کر عوام تک مین پھیلا دیتا ہے۔ اسمین شک نہین کہ سودیشی اگر اعتدال سے متجاوز ہوکر بائی کاٹ اور ممالک غیر کے لوگون کی قلبی عداوت تک ترقی نہ کرے تو ایک نہایت مفید اور قابل قدر چیز ہے اور اسکی بدولت ہندوستان کی مصنوعات کے عام رواج اور نئی نئی صنعتون کے قائم کرنے مین بڑی مدد ملی ہے لیکن چونکہ انسان بالطبع ذوین نہین واقع ہوا اور اپنے ذاتی اور فوری فائدہ کو لازم سمجھنا اسکی فطرت کا جزو ہے اسلیے سودیشی سے وہ عظیم الشان فائدہ نہین ہوسکتا جو ملک کے صنعتی و تجارتی مقابلہ کے میدان مین کامیابی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے اور ہم اپنے مقاصد مین کبھی کامیاب نہین ہوسکتے تا وقتیکہ کوئی اقتصادی ذریعہ اپنی مصنوعات کی حفاظت اور ترقی کے لیے اختیار نہ کرین۔

ہندوستان کی تجارت کے متعلق جو اعداد چھپتے ہین انکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی تجارت درآمد کے لحاظ سے حسب ذیل ہے۔

۱۔ جانور .... تینتیس لاکھ گیارہ ہزار پانچ سو پچپن ۳۳۱۱۵۵۵

۲۔ اشیاء خورد و نوش ..... اٹھارہ کرور ... ۱۸۹۵۹۴۵۴۰

۳۔ دھاتین اور وہ اشیاء جو دھاتون سے بنتی ہین ... کرور ... لاکھ ... ہزار ۱۲۳۰۳۵۷۴۰

۴۔ ادویہ اور رنگتے اور دباغت کے اشیاء ... کرور ... لاکھ ... ہزار ۳۵۷۴۸۵۰۰

۵۔ تیل ..... کرور ... ۳۳۴۶۴۱۳۷

۶۔ پیداوار خام ..... کرور ... ہزار ۴۷۳۰۷۰۶۳ ۔

۷۔ مصنوعات ..... کرور ... ہزار ۔ ۵۹۰۰۸۱۹۶۵

بجملہ میزان .... ارب ... کرور ... لاکھ ... ہزار ۱۱۱۷۷۵۰۰۸۴۴۶

ان اعداد پر اگر تنقیدی نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ باہر سے جو جانور آتے ہین وہ تو ایسی چیز نہین ہین جسکے روکنے مین فائدہ ہو بلکہ اُن کا آنا ملک کی مختلف قسم کی ضرورتون اور افزائش ترقی نسل چوپایہ کے لحاظ سے مفید ہے دوسری اشیاء خورد و نوش کے متعلق ہے اور گو انکی نسبت ہماری

یہ کوشش ہونی چاہیے کہ جو اشیاء ممالک غیر سے آتی ہیں اس قسم کی اشیا ہم بھی پیدا کرسکیں اور حفاظتی ٹیکس لگانا اصول اقتصاد کے لحاظ سے مناسب نہو گا۔ ۱۹۰۸ء میں ہندوستان میں مختلف قسم کی شرابیں [illegible] ایک کروڑ درآمد ہوئیں۔ گو شراب پر پہلے سے بھاری ٹیکس ہے لیکن باوجود اسکے ملک اس بارہ مقابلہ کے لیے تیار نہیں ہوسکا۔ کھانیکی چیزوں پر اگر تفصیل سے نظر ڈالی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۸ء میں۔

۱- لبسکٹ ..... [illegible] ہزار —— ۲۸۱۴۹۶۵

۲- خرما [illegible] —— [illegible]۵۷۹۶۶۸

۳- ڈبون کا دودھ .... [illegible] ہزار ۲۵۶۱۹۲۳

۴- نمک .... [illegible] ہزار ۹۸۸۹۹۲۱

۵- شکر .... [illegible] کروڑ [illegible] ہزار ۱۱۵۲۲۶۵۰۱

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں کہ ہمارے ملک میں آسانی کے ساتھ پیدا ہوسکتی ہیں مگر اسکے لیے سرمایہ ہنرمندی اور توجہ کی ضرورت ہے۔

بسکٹوں کے چند کارخانے دہلی وغیرہ میں قائم ہوئے ہیں لیکن وہ ابھی تک بیرونی تجارت کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ کھجور کی کاشت کے لیے بہت بڑا میدان ہے مگر ابھی تک اس طرف بہت کم توجہ ہوئی ہے۔ جو بات تازہ دودھ میں ہوتی ہے وہ ڈبون کے دودھ میں کب آسکتی ہے اور وہ اسکے علاوہ گران بھی ہوتا ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس بارے میں بیرونی تجارت کا مقابلہ نہ کرسکیں نمک کے بنانے کے کارخانے بھی اگر بڑے پیمانہ پر قائم کیے جائیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہمکو ہر سال اتنی بڑی رقم زندگی کی اس ضرورت کے پورا کرنے کے لیے ممالک غیر کو دینا پڑے۔ شکر کا عجیب قصہ ہے باوجود یکہ بیرونی شکر ہی ایسی چیز ہے جس کے استعمال نہ کرنے کے متعلق اسقدر شور و غل مچایا گیا اور گورنمنٹ نے بھی اسپر محصول محض اس غرض سے لگایا کہ ممالک غیر کی شکر کی تجارت کی ترقی کے لیے جو مالی امداد دیجاتی ہے اسکا ردعمل ہوجائے اور دیسی کارخانوں کو مقابلہ کا موقع ملے پھر بھی اس کدوکاوش کا محض یہ نتیجہ ہوا ہے کہ بیرونی شکر کی آمد بجائے گھٹنے کے یوماً فیوماً ترقی کرتی جاتی ہے۔ جیسا کہ اعداد ذیل سے ظاہر ہوگا۔

۱۹۰۸ء	۱۹۰۹ء	۱۹۱۰ء
[illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار	[illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار	[illegible] کروڑ [illegible] لاکھ [illegible] ہزار

گویا کہ ہر سال کم و بیش ایک کروڑ کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اسوقت تک جو متفرق کوششین چھوٹے پیمانے پر شکر کے کارخانے قائم کرنے مین ہوئی وہ محض بے کار ہین اور تاوقتیکہ ہمارے سرمایہ دار اولوالعزمی سے کام لیکر بڑے بڑے کارخانے سائینٹفک اصول پر قایم نہ کرینگے کامیابی کی کوئی امید نہین ہو سکتی۔ اگرچہ شکر ضروریات زندگی مین داخل ہے۔ لیکن یہ امر غور طلب ہے کہ آیا مناسب ہوگا کہ ویسی کارخانون ترقی دینے کے لیے کسی قسم کے حفاظتی ٹیکس لگائے جائین۔

تیسری مد مین دھاتین شامل ہین اور انمین بڑا حصہ لوہے اور فولاد کا ہے اس بارے مین ہم ابھی مدت تک دوسرے ترقی یافتہ ممالک کے محتاج رہین گے اور چونکہ ہمارے ہر قسم کے کارخانون کی کامیابی اس امر پر منحصر ہے کہ ہم آسانی کے ساتھ سستے دامون پر دوسرے ممالک سے کلین منگا سکین اسلیے ان پر کسی قسم کا حفاظتی ٹیکس لگانا خود ہمارے حق مین مضر ہوگا حال مین مرحوم مسٹر ٹاٹا اور انکے جانشینون نے جو عظیم الشان لوہے کا کارخانہ ممالک متوسط مین قایم کیا ہے وہ نہایت امید افزا ہے مگر ابھی اسکی نسبت کسی قطعی راے کا قائم کرنا قبل از وقت ہوگا۔

چوتھی مد ادویہ سے متعلق ہے مختلف مقامات مین چند چھوٹے چھوٹے کارخانے ادویہ کی تیاری کے لیے قایم ہوئے ہین۔ لیکن ابھی تک وہ اسقدر محدود ہین کہ ان کے لحاظ سے مصنوعات ممالک غیر پر محصول لگانا مناسب نہین سمجھا جا سکتا لیکن اسقدر کہا جا سکتا ہے کہ اسمین ملکی سرمایہ نہایت فائدہ کے ساتھ لگایا جا سکتا ہے۔

پانچوین مد تیلون سے متعلق ہے۔ ہندوستان مین بڑی مانگ مٹی کے تیل کی ہے اور گو برما اور آسام مین چند بڑے کارخانے قائم ہین لیکن وہ ہماری ضرورتون کے پورا کرنے کے لیے کافی نہین ہین اور بحالت موجودہ بیرونی تجارت کا مقابلہ نہین کر سکتے۔ اسکے علاوہ سال حال مین بیرونی تیل پر ایسے کارخانون کی امداد کی نظر سے نہین بلکہ آمدنی سرکاری کے بڑھانیکے خیال سے محصول لگایا جا چکا ہے مگر ابھی تک اندازہ نہین کیا جا سکتا کہ اسکا اثر ملک کی تجارت پر کیا پڑا ہے۔ مٹی کے تیل کے علاوہ السی وغیرہ کا تیل بھی کثرت سے ممالک غیر سے آتا ہے اور یہ بڑے نقصان کی بات تھی کہ تمام اجناس ہمارے ہی ملک سے سستے نرخ پر جاتی تھین اور پھر ان کا تیل کھنچ کر یہان آتا تھا جو گران بکتا تھا مگر اسمین گزشتہ کے تین سال مین بہت بڑی کمی ہوئی ہے جیسا کہ اعداد ذیل سے ظاہر ہوگا۔

سنہ ۱۹۰۸ء	سنہ ۱۹۰۹ء	سنہ ۱۹۱۰ء
لک [illegible] ہزار	[illegible] لک [illegible] ہزار	[illegible] لک [illegible] ہزار

یہ اعداد و اوصاف بتاتے ہیں کہ اب ملک میں کثرت سے تیل نکالنے کے کارخانے قائم ہو گئے ہیں اور ملک کی ضرورتیں بڑی حد تک پوری کر رہے ہیں۔

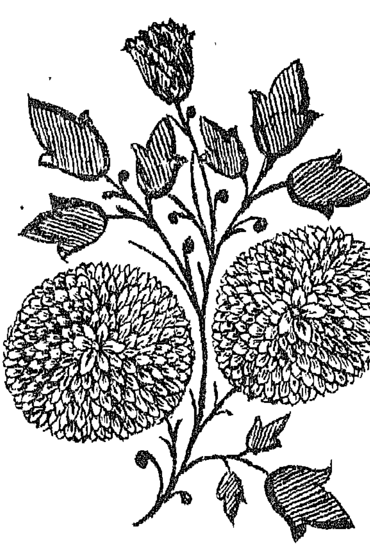
چھٹی مد پیداوار خام ہو اور یہ ایسی مد نہیں ہو جس پر کوئی حفاظتی ٹیکس لگایا جا سکے

ساتویں مد جو آخری بھی ہو سب سے بڑی ہے اور وہ مختلف قسم کی مصنوعات متعلق ہو۔ ان میں سب سے بڑی رقم روئی کے کپڑے اور سوت میں خرچ ہوتی ہو جس کی تعداد [illegible] سنہ ۱۹۱۰ء میں ہوئی اگرچہ ہندوستان میں جابجا روئی کے کپڑے کے کارخانے ہو رہے ہیں اور ان کی تعداد سنہ ۱۹۱۰ء میں ۲۴۱ تک پہونچ گئی تھی لیکن پھر بھی ابھی تک بہت کثرت کے ساتھ کپڑا بنایا جاتا ہے اور اس امر کی ضرورت ہو کہ ایسے طریقے اختیار کیے جائیں کہ ہاتھ سے کپڑا بنانے والی کلوں کا مقابلہ کر سکیں۔ اس بارے میں [illegible] یہ کوشش جاری ہو اور جاپانی اور ولایتی کارگاہوں کے رواج نے ترقی کی راہیں کھول دی ہیں۔ بڑی دقت یہ ہو کہ ہندوستان میں روئی اعلیٰ درجہ کی نہیں ہوتی اور اگر بحالت موجودہ امریکہ یا مصر سے عمدہ روئی لا کر کپڑا بنایا جائے تو ہم ولایتی مال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اس صنعت میں عروج پانے کے لیے ضروری ہو کہ سب سے پہلے تو وہ محصول جو محصول اکسائز کے نام سے دیسی ملوں کے کپڑے پر لگایا گیا ہو وہ موقوف کیا جائے اور اس کے بعد بیرونی کپڑے پر گراں محصول لگایا جائے تاکہ ہمارے کارخانے اپنے پاؤں کے بل کھڑے ہونے کے قابل ہو سکیں۔ ریشمی کپڑا بھی سنہ ۱۹۱۰ء میں [illegible] کا درآمد ہوا اور اس کے علاوہ [illegible] کا ایسا کپڑا آیا جس میں ریشم کا میل تھا۔ ابھی تک ہندوستان میں نئے اصول پر ریشم کے کپڑے کے کارخانے زیادہ تعداد میں قائم نہیں ہوئے ہیں لیکن ہماری قدیم صنعت بھی آج کل زمانہ میں تمام دنیا میں قدرتی تباہ ہوتی چلی جاتی ہے اس لیے اس پر بھی حفاظتی ٹیکس لگانے کی ضرورت ہو۔ اونی سامان بھی [illegible] سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء درآمد ہوا اس وقت اونی کپڑے کے صرف چھ کارخانے ہندوستان میں ہیں مگر اس قسم کے کپڑے کی مانگ بہت بڑھتی جاتی ہو اور ہندوستان سے [illegible] اون سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء میں ولایت بھیجا [illegible] فی پونڈ کے حساب گیا اور پھر کپڑے کی شکل میں یہاں آکر دو روپیہ فی پونڈ کے حساب بکا۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ جبکہ مال خام اس کثرت سے یہاں موجود ہے تو کیسی آسانی کے ساتھ ہم اونی کپڑے کے بنانے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں مگر اس کے لیے ضرور ہے کہ بیرونی مصنوعات پر کافی ٹیکس لگایا جائے۔ یہ ہندوستان سے خام چمڑا بقیمت [illegible] سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء میں ولایت بھیجا [illegible]

گیا اور ولایت سے [illegible] کا مال یہاں آکر فروخت ہوا۔ ملک میں جو چمڑے کے کارخانے قائم ہوئے ہیں انکی کامیابی سے ظاہر
ہوتا ہے کہ یہاں ہر قسم کا چمڑا آسانی کے ساتھ تیار ہو سکتا ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ چمڑے کی صنعت میں کس قدر
ترقی کی گنجائش ہے اور اسوقت جو ممالک غیر ہمارے خام مال سے متمتع ہو رہے ہیں وہ ہماری بے عملی اور غفلت کا نتیجہ ہے
اگر چمڑے کی برآمد پر محصول لگایا جائے تو ملک میں اس صنعت کی ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ کانچ کا سامان سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء
میں [illegible] کا درآمد ہوا یہاں ابھی تک کانچ بنانے کے بہت کم کارخانے قائم ہوئے
ہیں اور چونکہ کانچ کا سامان ضروریات زندگی میں داخل نہیں ہے اس لیے اسپر بلا تامل حفاظتی
ٹیکس دیسی کارخانوں کو ترقی دینے کے لیے لگایا جاسکتا ہے اور ایسی ہی حالت چینی کے
برتنوں کی ہے۔ جو بقیمت [illegible] درآمد ہوئے۔ کاغذ کے کارخانے بھی صرف آٹھ ہیں اور
اور بیرونی تجارت کے مقابلہ کی وجہ سے ابھی تک کافی ترقی نہیں کر سکے سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء میں [illegible]
کا کاغذ درآمد ہوا اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر کاغذ درآمد پر حفاظتی ٹیکس لگایا جائے تو کس قدر
ترقی کی گنجائش ہے۔ سنہ ۱۹۰۹ء میں [illegible] سگار سگریٹ درآمد ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں جو ٹیکس
بیرونی تمباکو پر لگایا گیا ہے اسکا اثر دیسی مصنوعات پر اچھا پڑا ہے اور ادنی درجہ کی سگریٹوں کا آنا بھی
... ہو گیا ہے ضرورت ہے کہ یہ ٹیکس قائم رکھا جائے تاکہ دیسی صنعت کو ترقی کا موقع ملے۔
ہر سال دیا سلائیاں بقیمت [illegible] درآمد ہوتی ہیں اگرچہ ملک کا خیال ادھر ایک عرصہ سے متوجہ
ہو چکا ہے اور مختلف مقامات پر دیا سلائی کے کارخانے قایم ہوئے ہیں لیکن وہ آزادی تجارت
کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اسلیے اگر دیاسلائیوں کے درآمد پر بھی محصول لگایا جائے تو فائدہ سے
خالی نہوگا۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ تیل بمقدار کثیر باہر سے آتا ہے اور بیرونی تجارت کے اعداد دیکھنے سے
معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء میں روغنی نباتات بقیمت [illegible] کروڑ باہر گیا اگرچہ سالہائے سنہ ۱۹۰۰ء
لغایت ۱۹۰۵ء کے اعداد سے مقابلہ کیجیے جو علی الترتیب [illegible] و [illegible] تھے ظاہر ہوتا ہے
کہ اس تجارت میں بتدریج ترقی ہو رہی ہے لیکن اگر یہ دیکھا جائے کہ ابھی تک کسقدر اجناس
روغن دار باہر جاتے ہیں تو معلوم ہوگا کہ ابھی ترقی کے لیے بڑا میدان پڑا ہوا ہے کیونکہ سنہ ۱۹۰۹-۱۰ء
میں [illegible] اجناس روغن دار برآمد ہوئے پس اگر اجناس روغن دار کی برآمد پر ٹیکس لگایا جائے
تو تیل نکالنے کے کارخانوں میں بے انتہا ترقی ہو سکتی ہے یہی وہ سب اشیا ہیں جن پر ہماری رائے
میں حفاظتی ٹیکس فائدہ کے ساتھ لگایا جاسکتا ہے اور جو روپیہ ان ٹیکسوں سے وصول ہو تعلیم کی توسیع۔
حفظان صحت کی ترقی انتظامی و عدالتی اختیارات کی علیحدگی اور اس قسم کے دوسرے تجاویز میں

جو حسن انتظام و آسائش و بہبودی رعایا کے لحاظ سے اہم ہین گر ردیہ ہونے کیوجہ سے ا
پڑے ہین اور جب ان پر زور دیا جاتا ہی تو باوجود انکے مفید ہونیکے تسلیم کر ؟ کے خزا
خالی ہونیکا عذر کیا جاتا ہی۔ صرف ہو سکتا ہے۔ اسمین شک نہین کہ یہ دلکش کا خیال نہ
دلربا ہے لیکن اسی کے ساتھ اگر اہل ملک پوری طرح پر اس سے فائدہ اُٹھانے پر تیار نہ
سرمایہ اور ہنرمندی اور نہایت مستعدی و تندہی کے ساتھ اپنے ملک کی مصنوعات کو ترا
پر آمادہ ہون تو اسی قدر ملک کی بہبودی کے حق مین خطرناک بھی ہے۔



زمانہ

اردو علم ادب کا بہترین ماہوار رسالہ

جسمین

ملک کے تمام نامور اہل قلم اردو کے مسلم الثبوت اساتذہ اور ملکی رہنماؤں کے قابل قدر
مضامین - جدید کتب پر عالمانہ تنقیدیں ملکی ضروریات پر تبصرہ اور بہترین نظموں کے علاوہ

اور قدیم تاریخی مناظر اور مشاہیر ملک کی متعدد عکسی تصاویر بھی ہر ماہ شائع کیجاتی ہیں

اسکے اعلیٰ دلچسپ اور مفید مضامین کی چار دانگ ہند میں شہرت ہے اسکی
چھپائی لکھائی کاغذ تصاویر مضامین وغیرہ ہندوستان کے ہر پرچہ سے زیادہ
عمدہ اور قابل دید ہیں - اور اوّل نمبر کے دبیز اور نفیس کاغذ پر اعلیٰ اہتمام
سے چھپوایا جاتا ہے - قیمت صرف للعہ سالانہ مع محصول ڈاک ہے کم استطاعت
اصحاب کے لئے ایک ارزان ایڈیشن شائع کیا جاتا ہے جسکی قیمت ؏ سالانہ مع محصول ڈاک ہے

ایڈیٹر منشی دیا نراین نگم بی - اے

زمانہ پریس کانپور میں طبع ہو کر

دفتر زمانہ کانپور سے شائع ہوتا ہے

قیمت سالانہ قسم اوّل للعہ   قسم دوم ؏   نمونہ [illegible]

یادگار رام

(یعنی)

[illegible] رام [illegible] کے [illegible]

مع سوانح عمری حالات [illegible]

(دیباچہ)

از [illegible] منشی [illegible] صاحب ایڈیٹر [illegible]

(تمہید)

از [illegible] صاحب [illegible]

(حجم ۱۰۰ صفحات)

قیمت ۱۰/ مجلد ۱۲/

یادگار سرور

(یا)

[illegible]

(یعنی)

[illegible]

[illegible]

(مرتبہ)

منشی دیا نرائن نگم بی اے ایڈیٹر [illegible]

(حجم ۱۲۰ صفحات)

قیمت ۱۲ و ۱۴

اطلاع ضروری

خیالات عزیز

(یعنی)

مجموعہ مضامین مولوی عزیز مرزا صاحب

یادرہے کہ رجسٹری ہوگئی ہے کوئی صاحب

بلا اجازت پبلشر اسکے چھاپنے یا چھپوانے کا ارادہ

نہ فرمائیں ورنہ بجائے نفع نقصان ہوگا

قیمت عا [illegible]

یادگار دربار قیصری

[illegible]

[illegible]

یادگار [illegible]

[illegible]

منشی دیا نرائن نگم بی اے

حجم ۱۲۵

قیمت

کاغذ

چھپائی

[illegible]

[illegible]

محصول

ڈاک

ذمہ

خریدار

یادگار قومی

(یعنی)

دنیا کے مشہور قومی [illegible]

(تمہید)

[illegible] مشہور [illegible]

[illegible] مضامین [illegible]

[illegible] ۲۰۰ صفحات

(مرتبہ)

منشی دیا نرائن نگم بی اے ایڈیٹر زمانہ

قیمت عہ

[illegible] کانپور [illegible] منشی دیا نرائن نگم کے اہتمام [illegible]